وَمَآ اٰتٰـكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا سورۃ الحشر

''اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں جو کچھ دے وہ لے لو اور جس چیز سے تمہیں روکے اس سے رُک جاؤ۔''

مِشکوٰۃ الحدیث

علم حدیث کے شائقین کے لئے صحیح احادیث کا ایک جدید جامع مجموعہ

''مشکوٰۃ المصابیح'' کی منتخب صحیح احادیث کا آسان اُردو ترجمہ وتشریح، اُن کا قرآن مجید سے ربط، مفصل مقدمہ، اشاریہ، فرہنگِ الفاظ، صحاحِ ستہ کا تعارف اور راویانِ حدیث کے مختصر حالاتِ زندگی شامل ہیں

جلد چہارم: اَخلاقیات

پروفیسر مولانا مُحمّد رفیق مدظلہ العالی

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا سورۃ الحشر

''اور رسول (ﷺ) تمہیں جو کچھ دے وہ لے لو اور جس چیز سے تمہیں روکے اس سے رُک جاؤ۔''

علم حدیث کے شائقین کے لیے صحیح احادیث کا ایک جدید جامع مجموعہ

مشکوٰۃ الحدیث

جس میں

''مشکوٰۃ المصابیح'' کی منتخب صحیح احادیث کا آسان ترجمہ و تشریح

اُن کا قرآن مجید سے ربط، اشاریہ، فرہنگ الفاظ اور راویانِ حدیث

کے حالاتِ زندگی شامل ہیں

جلد چہارم: اخلاقیات

پروفیسر مولانا محمد رفیق

مکتبہ قرآنیات۔ لاہور

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب : **مشکوٰۃ الحدیث** جلد چہارم

مؤلف : پروفیسر مولانا محمد رفیق

ناشر : مکتبہ قرآنیات، یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ،
اُردو بازار لاہور۔ پاکستان
فون: 5811297، موبائل: 0321-7724032
0333-4399812

اہتمام : حافظ تقی الدین

سن اشاعت : ستمبر 2011ء

ارشادِ نبوی ﷺ

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
فَإِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَدَعُوْهُ.

صحیح مسلم، رقم: 3257
نسائی، رقم: 2619

سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
”جب میں کسی چیز کے بارے میں تمہیں حکم دوں تو جس قدر تم سے ہو سکے اُس پر عمل کرو اور جب میں کسی چیز سے تمہیں منع کروں تو اُسے چھوڑ دو۔“

ارشادِ نبوی ﷺ

وَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ:

"نَضَّرَ اللّٰہُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِیْ فَحَفِظَهَا، وَوَعَاهَا وَاَدَّاهَا..."

ترمذی، رقم: 2658

ابو داؤد، رقم: 3660

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ اُس بندے کو خوش وخرم رکھے جس نے میری حدیث سنی، اُسے یاد رکھا، محفوظ کرلیا اور پھر آگے بیان کردیا......"

فہرست مضامین

❀ تقدیم 11

باب 1.....فضائل اخلاق (اچھے اخلاق)

1- سچ بولنے والا جنت میں اور جھوٹ بولنے والا دوزخ میں جائے گا 19
2- بہتر وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہیں 22
3- بوڑھے والدین سے حسن سلوک کا صلہ جنت ہے 23
4- والدہ کا حق والد سے بھی زیادہ ہے 25
5- بیٹیوں کی پرورش کا اجر وثواب 27
6- دو بچیوں کی پرورش کرنے والے کو حضور ﷺ کا قرب نصیب ہوگا 29
7- ہمسائے کا حق 31
8- ہمسائے کے حق کی تاکید 34
9- ہمسایوں سے اچھا سلوک کرنا 35
10- صلۂ رحمی 36
11- اصل صلہ رحمی کرنے والا کون ہے؟ 38
12- بیواؤں اور محتاجوں کی خدمت بھی جہاد ہے 39
13- یتیم کی پرورش کا ثواب 41
14- بچوں کو بوسہ دینا 43
15- جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا اُس پر رحم نہیں کیا جاتا 44
16- حضور ﷺ کا اپنی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے پیار 47
17- جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ بھی اُس پر رحم نہیں کرے گا 51
18- مسلمان مسلمان کا بھائی ہے 52
19- مسلمان ایک جسم کی طرح ہیں 54
20- مسلمان ایک عمارت کی مانند ہیں 57

21- مسلمان ایک ہی فرد کی طرح ہیں 58
22- ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر حقوق 59
23- کسی مسلمان سے قطع تعلقی تین دن تک ہے 61
24- اپنے مسلمان بھائی کے لیے وہی کچھ پسند کرو جو خود اپنے لیے پسند کرتے ہو 62
25- مسلمان کی پردہ پوشی کرنا 63
26- حیا ایمان کا حصہ ہے 65
27- اگر حیا نہیں، پھر جو چاہے کرو 69
28- صبر اور شکر 70
29- اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا (1) 75
30- توکل کرنا (2) 78
31- تواضع اور انکساری 80
32۔ قناعت پسندی 81
33- رفق اور نرم مزاجی 84
34- رفق، نرمی اور تحمل 86
35- دو اچھی خصلتیں 88
36- وہ شخص جھوٹا نہیں جو لوگوں کے درمیان صلح کراتا ہو 89
37- زبان کی حفاظت 92

باب 2......رذائل اخلاق (برے اخلاق)

38- والدین کی نافرمانی حرام ہے 94
39- قطع رحمی کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا 97
40- چغل خور جنت میں نہیں جاسکے گا 98
41- غیبت کرنا 99
42- بدگمانی اور حسد 102
43- دوغلا شخص قیامت کے دن سب سے برا ہوگا 104

44- اپنے والدین کو گالی نہ دینا 107
45- مسلمان کو گالی دینا گناہ اور اُسے قتل کرنا کفر ہے 108
46- غصہ نہ کرنا 109
47- پہلوان وہ ہے جو غصے پر قابو رکھے 112
48- ظلم کرنا 114
49- ظالم اور مظلوم کی مدد کرنا 119
50- ظلم وزیادتی کی معافی مانگنا 121
51- ظالم کو اللہ تعالیٰ ڈھیل دیتا ہے 122
52- متکبر شخص جنت میں نہیں جا سکے گا 124
53- تکبر کسے کہتے ہیں؟ 127
54- تکبر سے کپڑا گھسیٹ کر چلنے والے کا انجام 129
55- ایک متکبر شخص کا انجام 131
56- مردوں اور عورتوں کا ایک دوسرے کی مشابہت اختیار کرنا 132
57- زمانے کو برا نہ کہو 134
58- بلی کو بھوکا پیاسا رکھنے والی عورت کے لیے عذاب 136
59- خوشامد کرنے والوں کے منہ پر خاک ڈالو 137

باب 3......آداب

60- پانچ چیزیں فطرت میں سے ہیں 139
61- سلام کرنا 141
62- جنت ایمان سے اور باہمی الفت سلام سے ملتی ہے 143
63- اسلام کے دو (2) بہترین اعمال 144
64- کون کس کو سلام کرے؟ 145
65- غیر مسلم کے سلام کا جواب 146
66- مصافحہ کرنا 147
67- مصافحہ کرنا سنت ہے 148

68- ایسا شخص دوزخی ہے جو یہ چاہے کہ لوگ اُس کے لیے کھڑے رہیں 149
69- عجمی لوگوں کی طرح احترام میں کھڑے نہ ہونا 151
70- بزرگوں کے احترام میں کھڑے ہونا درست ہے 152
71- اجازت طلب کرنا تین بار ہے 154
72- اجازت لینے کا ایک غلط طریقہ 157
73- رات کے وقت اچانک گھر میں نہ آنا 158
74- راستے پر بیٹھنے کے آداب 160
75- مجلسی آداب (1) 162
76- مجلسی آداب (2) 163
77- بہترین مجلس وہ ہے جو کھلی اور کشادہ ہو 164
78- دو آدمی تیسرے کو چھوڑ کر باہم سرگوشی نہ کریں 165
79- اللہ تعالیٰ کو دو نام بہت پسند ہیں: عبداللہ اور عبدالرحمٰن 167
80- حضورؐ نے ''عاصیہ'' کا نام ''جمیلہ'' رکھا 168
81- ''شہنشاہ'' نام رکھنا بہت برا ہے 169
82- حضورؐ کے نام پر نام رکھنا مگر آپ ﷺ کی کنیت پر نام نہ رکھنا 170
83- دنیا میں ریشمی لباس پہننے والا مرد آخرت میں اُسے نہیں پہن سکے گا 172
84- ایک ہی جوتا پہن کر نہ چلنا 174
85- سارا سر منڈانا یا سارا چھوڑ دینا 175
86- داڑھی بڑھانا اور مونچھیں کترانا 177
87- مصنوعی بالوں کا جوڑ لگانے اور لگوانے والیوں پر لعنت ہے 179
88- سر میں کنگھی کرنا 181
89- خوشبو لگانا 182
90- چھینک مارنا اور جمائی لینا 184
91- حضور ﷺ صرف مسکراتے تھے 187
92- دو چیزوں کی ضمانت پر جنت کی ضمانت 188

باب4......متفرقات

93- اصلی مفلس کون ہے؟ 189
94- بندہ کہتا ہے: میرا مال، میرا مال 191
95- اپنے آپ سے زیادہ وارثوں کے لیے مال پسند کرنا 193
96- رحمت کے فرشتے اُس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویریں ہوں 195
97- اصل امیری دل کی امیری ہے 196
98- نظر لگنا 197
99- دو باتوں میں بوڑھا بھی جوان ہوتا ہے 199
100- میت کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں پھر ایک باقی رہ جاتی ہے 201
101- نیک اعمال کے وسیلے سے دعا کرنا درست ہے 204
102- اچھا خواب نبوت کا چھیالیسواں 1/46 حصہ ہے 215
103- علانیہ اور فخریہ گناہ کرنے والے کی بخشش نہ ہوگی 216
104- شعر و شاعری 218
105- ناپسندیدہ شاعری 220
106- لبید نامی شاعر کا بہترین مصرع 221
107- مشرکین کی ہجو کہنا جائز ہے 223
108- مسلمان یہودیوں اور عیسائیوں کی نقل کریں گے 224
109- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: بڑائی میری چادر ہے 226
110- متعدی بیماری، بدشگونی اور نحوست 227
111- ہلاکت ہے باتوں میں مبالغہ آرائی کرنے والوں کے لیے 230
112- پیر اور جمعرات کو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں 231
113- امر بالمعروف و نہی عن المنکر ......(نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا) 232
114- ایسے پریشان حال بھی ہیں جن کی قسم اللہ تعالیٰ پوری کر دیتا ہے 235
115- حضور ﷺ کا ایک مزاح: ہر اونٹ کسی اونٹنی کا بچہ ہوتا ہے 236

116- لوگ دو نعمتوں کی قدر نہیں کرتے 237
117- دنیا میں ایک مسافر کی طرح رہو 238
118- انسان لالچ اور حرص کا بندہ ہے 239
119- دنیا کی حقیقت 241
120- عام لوگوں کا حال ایسا ہے جیسے سو(100) اونٹوں میں سے ایک کارآمد ہو 242
121- اللہ تعالیٰ کی عبادت سے تنگ دستی اور محتاجی ختم ہوتی ہے 243
122- دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے 244
123- ایسا شخص جس کے شر سے بچنے کے لیے لوگوں نے اُسے چھوڑ دیا ہو 246
124- کون خوش نصیب اور کون بد نصیب؟ 248
125- نیکی اور بدی کی پہچان 250
126- قیامت کے دن تین طرح کے آدمیوں سے اللہ تعالیٰ کلام نہیں فرمائے گا 251
127- بے عمل واعظ کا انجام دوزخ ہے 253
128- سب سے زیادہ عذاب مصوروں کو ہوگا 257
129- اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا مقابلہ کرنے والا ظالم ہے 260
130- ہر بیماری کے لیے علاج ہے 261
131- شہد سے علاج کرنا 263

ضمیمہ جات

ضمیمہ 1 - علم حدیث سے متعلق اصطلاحات (Terms) 265
ضمیمہ 2- قرآن اور رسول ﷺ کا باہمی تعلق 284
ضمیمہ 3- صحابہ کرام اور اطاعت رسول ﷺ کے واقعات 296
ضمیمہ 4- صحاح ستہ کے مؤلفین اور امام مالک رحمہ اللہ 305
ضمیمہ 5- کتب صحاحِ ستہ کا مختصر تعارف 323
ضمیمہ 6- راویانِ حدیث کے حالات زندگی 327
اشاریہ احادیث مشکوٰۃ الحدیث (جلد چہارم، اخلاقیات) 334
فرہنگ الفاظ 341

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

'اَخلاق' خُـلُق کی جمع ہے جس کے معنی عادت کے ہیں۔ یہ عادت اچھی بھی ہوسکتی ہے اور بری بھی۔ اچھی عادات کو اچھے اخلاق یا فضائل اخلاق کہا جاتا ہے اور بری عادتوں کو برے اخلاق یا رذائل اخلاق کا نام دیا جاتا ہے۔

انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اچھے اخلاق اختیار کرے اور برے اخلاق سے بچنے کی کوشش کرے۔

اسلام میں اخلاقیات (Ethics) کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ظاہر میں ان کو ارکان اسلام میں شامل نہیں سمجھا جاتا لیکن غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان سب میں اخلاقیات کی روح کارفرما ہے۔

مثال کے طور پر نماز ہی کو لیجیے۔ اس کی خصوصیت یہ بیان ہوئی ہے کہ یہ برائی اور بے حیائی سے روکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ﴾ (العنکبوت: 45)

''بے شک نماز بے حیائی سے اور برے کاموں سے روکتی ہے۔''

گویا نماز کا ایک مقصد بندے کو برائی اور بے حیائی جیسے برے اخلاق سے بچانا ہے۔ اسی طرح روزے کے بارے میں فرمایا گیا کہ اس کا مقصد تقویٰ حاصل کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَۙ﴾ (البقرہ: 183)

''اے ایمان والو! تم پر روزہ رکھنا فرض ہے جیسے پہلے لوگوں پر فرض تھا تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔''

اب ظاہر ہے جس شخص میں تقویٰ اور پرہیزگاری ہو وہی اخلاقی لحاظ سے اعلیٰ درجے پر ہوسکتا ہے۔

پھر حدیث میں روزے کی ایک اور حکمت یہ بتائی گئی کہ اس سے اخلاق کی اصلاح ہوتی ہے۔ آدمی جھوٹ اور ہیرا پھیری سے بچ جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص روزہ بھی رکھتا ہے لیکن جھوٹ اور ہیرا پھیری سے باز نہیں آتا تو اس کے روزے کا کوئی فائدہ نہیں۔

صحیح حدیث میں ہے کہ:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهِ، فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيْ أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ.)) (صحیح بخاری، رقم: 1903)

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص جھوٹ اور فریب کے کام کو نہ چھوڑے تو اللہ کو اس کی ضرورت نہیں ہے کہ انسان اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ روزے کی روح (Spirit) یہ ہے کہ وہ انسان کو جھوٹ اور مکر وفریب جیسے برے اخلاق سے بچائے۔ اسی طرح زکوٰۃ بھی انسانی ہمدردی، دوسروں کی خیر خواہی اور غم خواری سکھاتی ہے اور یہ سب اخلاقی قدریں (Moral Values) ہیں۔ گویا زکوٰۃ کے ذریعے سے اچھی اخلاقی قدروں کی نشوونما ہوتی ہے اور ان کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔

اسی طرح حج بھی لوگوں کی اخلاقی تربیت واصلاح کا بہترین ذریعہ ہے۔

اس تفصیل سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اسلام کے بنیادی ارکان میں بھی اخلاقیات کا پہلو بہت نمایاں ہے۔

نیکی اور بدی کی صحیح تعریف:

انسانی عقل ودانش نیکی (Good) اور بدی (Evil) کی صحیح تعریف (Definition) کرنے سے ہمیشہ قاصر رہی ہے۔ لیکن اسلام نے بہت پہلے اس عقدے کو حل کر دیا اور بتا دیا کہ نیکی وہ بات یا کام ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور بدی ایسی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ اپنی خاص اصطلاح میں اسلام نیکی کو معروف اور بدی کو منکر کہتا ہے۔ اُس کے نزدیک سچ بولنا ایک نیکی اور معروف ہے اور جھوٹ بدی اور منکر ہے۔

پھر اسلام یہ چاہتا ہے کہ اس کے ماننے والے سچ بولیں تا کہ اُن کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہو اور وہ جھوٹ سے پرہیز کریں تا کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور اُس کے غضب سے بچ جائیں۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ مغربی تہذیب کے برعکس اسلام میں اخلاقی قدریں اپنا مستقل وجود رکھتی ہیں جو لوگوں کی ذاتی خواہشات اور مصلحتوں پر قربان نہیں کی جاسکتیں۔ اسلامی اخلاقی اقدار کوئی موم کی ناک نہیں ہے جسے جدھر چاہا موڑ لیا۔ یا جس نے چاہا اس کا اپنا من گھڑت معیار بنا لیا ؏

کچھ لوگ بنا لیتے ہیں اخلاق کا معیار
اپنے لیے کچھ اور، زمانے کے لیے اور

ایفائے عہد کی اخلاقی قدر کو دیکھیے ۔ دنیا کی قومیں اپنے مفاد کی خاطر معاہدوں کو یک طرفہ طور پر توڑتی اور عہد شکنی کرتی ہیں۔ مگر اسلام میں کسی حال میں بھی وعدہ خلافی یا عہد شکنی کی اجازت نہیں ہے۔ یہاں تک کہ میدانِ جنگ میں دشمن سے کیے گئے ہر معاہدے کی پاسداری اور پابندی کی جائے گی اور اس کی خلاف ورزی جائز نہیں ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسلام اس باطل دعوے کی سختی سے تردید اور نفی کرتا ہے کہ محبت اور جنگ میں سب کچھ جائز ہے۔(All is fair in love and war)

ایک اور مثال دیانت داری (Honesty) کی ہے جو اسلامی اخلاق کی ایک مستقل قدر ہے اور جس کی پابندی کا حکم ہے۔ قرآن وحدیث میں جا بجا اس کی تاکید آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلٰى أَهْلِهَا﴾ (النساء : 58)

''بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اُن کے حق داروں کو پہنچاؤ۔''

ایک اور مقام پر مومنین کی صفت یہ بتائی گئی کہ وہ امانت داری اور وعدے کی پابندی کرتے ہیں:

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِأَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ o﴾ (المومنون : 8)

''اور جو اپنی امانتوں اور اپنے وعدوں کا خیال رکھتے ہیں۔''

ایک حدیث میں ہے کہ امانت میں خیانت کرنے والے کا کوئی دین نہیں:

((لَا إِيْمَانَ لِمَنْ لَّا أَمَانَةَ لَهٗ ، وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهٗ .)) (طبرانی ، بیہقی)

''جس میں امانت نہیں اُس میں ایمان نہیں، اور جو وعدے کی پابندی نہیں کرتا اُس کا کوئی دین نہیں۔''

ایک حدیث میں منافق کی جو نشانیاں بتائی گئی ہیں اُن میں سے ایک یہ ہے کہ وہ امانت میں خیانت کرتا ہے۔''

((وَإِذِ ائْتُمِنَ خَانَ .)) (صحیح بخاری، رقم: 34۔ صحیح مسلم، رقم: 210)

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں امانت ودیانت کا حکم ہے۔ اس کی پابندی پر اجر وثواب ہے اور اس کی خلاف ورزی پر گناہ اور سزا ہے۔

اس کے برخلاف مغربی تہذیب امانت ودیانت کو ایک مستقل اخلاقی قدر کی حیثیت نہیں دیتی بلکہ اسے ایک 'پالیسی' قرار دیتی ہے۔

"Honesty is the best policy" (دیانت داری بہترین پالیسی ہے۔)

گویا امانت ودیانت بجائے خود مطلوب نہیں ہے اور نہ یہ کوئی ایسی مستقل اخلاقی قدر ہے جس کی ہر حال

میں پابندی ضروری ہو بلکہ انسانی خواہش اور اُس کے ذاتی مفاد کے تابع محض ایک 'پالیسی' ہے جو ظاہر ہے کسی وقت بھی بدلی جاسکتی ہے۔

توریت میں قانون کی سختی تھی مگر اخلاقیات کا عنصر بہت کم تھا۔ انجیل نے بظاہر ایسے انتہا پسندانہ اخلاق کی تعلیم دی جو ایک ناقابل عمل چیز تھی۔ مثال کے طور پر موجودہ انجیل کہتی ہے کہ:

''تم دشمنوں سے بھی پیار کرو۔''

اب ظاہر ہے یہ حکم ناقابل عمل ہے کیونکہ دشمن سے پیار کرنے کا جو نتیجہ نکل سکتا ہے وہ سوائے تباہی اور بربادی کے اور کیا ہوسکتا ہے۔

یا جیسے اسی انجیل میں ہے کہ:

''اگر تمہارے داہنے گال پر کوئی تھپڑ مارے تو بایاں گال بھی اس کے سامنے کردو۔''

تو اخلاقی لحاظ سے اس سے معاشرے کی کیا اصلاح ہوسکتی ہے؟

مگر اسلامی تعلیمات میں انتہا پسندی اور غلو نہیں ہے بلکہ اعتدال اور توازن ہے۔ اس میں فرد اور معاشرے کی اصلاح کے لیے اخلاق اور قانون کا حسین امتزاج ہے اور یہ باہم ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔

مثال کے طور پر کسی زیادتی پر بدلہ لینے کی اجازت دی گئی ہے لیکن معاف کردینے کو بہتر قرار دیا گیا ہے۔

اللہ سبحانہٗ کا ارشاد ہے:

﴿وَجَزَآءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ۝﴾ (الشوریٰ: 40)

''اور برائی کا بدلہ اتنا لیا جاسکتا ہے جتنی برائی کی گئی۔ لیکن جو معاف کردے اور اصلاح کرے اُس کا ثواب اللہ کے ذمے ہے۔''

یہی وجہ ہے کہ اسلام انسانی معاشرے کی اصلاح وتربیت پہلے مرحلے میں اخلاقیات کے ذریعے کرتا ہے اور آخری مرحلے میں قانون کی طاقت سے کام لیتا ہے کیونکہ محض قانون کی سختی سے کسی معاشرے کی اصلاح نہیں کی جاسکتی۔ اس کے لیے اخلاق اور قانون دونوں کی ضرورت ہے۔

حضرت محمد ﷺ کی بعثت کا مقصد یہ تھا کہ آپ ﷺ کے ذریعے اچھے اخلاق کی تکمیل کردی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے حسن اخلاق کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ٥﴾ (القلم: 4)

حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کیسے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا: کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا؟

((كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰنَ .)) (مسند احمد)

''ان کے اخلاق تو قرآن تھے۔''

مطلب یہ تھا کہ جو قرآن کی تعلیم ہے وہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عملی اخلاق و کردار تھا۔

ایک اور صحیح حدیث میں ہے کہ

((اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ .)) (صحیحہ: 45)

''مجھے اعلیٰ اخلاقی خوبیوں کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے۔''

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اخلاقیات (Ethics) پیش کی ہیں وہ پہلی تمام شریعتوں کے مقابل میں نہایت ارفع اور اعلیٰ درجے کی ہیں۔

لیکن یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اچھے اخلاق کی بنیاد ایمان پر ہے۔ اور ایمان کی حالت ہی میں اچھے اخلاق کے اظہار پر اجر و ثواب ہے۔ جو اخلاق ایمان کے بغیر ہوں اُن کے لیے آخرت میں کوئی جزا نہیں ہے۔

اس کے علاوہ اسلامی شریعت کے احکام پر عمل کے لیے اخلاص اور محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی پیش نظر رکھنی ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص دکھاوے، ریا کاری یا ذاتی مفاد کے لیے اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرتا ہے تو یہ کوئی نیکی نہیں بلکہ اُلٹا گناہ ہے۔

پھر یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ اسلام میں اخلاقیات کوئی نفلی اور مباح قسم کی چیز نہیں ہے بلکہ یہ بھی اُس کے وہ واضح احکامات ہیں جن کا آخرت میں حساب ہوگا اور ان پر جزا و سزا ہوگی۔

درج ذیل مثالوں سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آ جائے گی۔

(1) بخاری اور مسلم کی متفق علیہ حدیث ہے کہ:

((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ .))

(صحیح بخاری، رقم: 6056۔ صحیح مسلم، رقم: 291)

''چغل خور جنت میں نہیں جائے گا۔''

(2) صحیح مسلم میں ہے کہ:

((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ اَحَدٌ فِي قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِّنْ كِبْرٍ .))

''جس شخص کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جاسکے گا۔'' (صحیح مسلم، رقم: 266)

(3) صحیحین میں ہے کہ ایک عورت صرف اس وجہ سے دوزخ میں جائے گی کہ اُس نے اپنی ایک بلی کو باندھے رکھا۔ نہ خود اُسے کچھ کھلایا اور نہ اُسے آزاد چھوڑا کہ وہ زمین میں چل پھر کر اپنا پیٹ بھر لیتی۔ یہاں تک کہ وہ بھوکی پیاسی مرگئی۔ (صحیح بخاری، رقم: 2365۔ صحیح مسلم، رقم: 6679)

(4) ایک حدیث قدسی میں ہے کہ:

((وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَقُوْلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: يَا ابْنَ آدَمَ مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِيْ؟ قَالَ: يَا رَبِّ، كَيْفَ أَعُوْدُكَ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ؟ قَالَ: أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ عَبْدِيْ فُلَانًا مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْهُ؟ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّكَ لَوْ عُدْتَهٗ لَوَجَدْتَنِيْ عِنْدَهٗ . يَا ابْنَ آدَمَ اسْتَطْعَمْتُكَ فَلَمْ تُطْعِمْنِيْ؟ قَالَ: يَا رَبِّ، كَيْفَ أُطْعِمُكَ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ؟ قَالَ: أَمَا عَلِمْتَ أَنَّهُ اسْتَطْعَمَكَ عَبْدِيْ فُلَانٌ فَلَمْ تُطْعِمْهُ؟ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّكَ لَوْ أَطْعَمْتَهٗ لَوَجَدْتَ ذٰلِكَ عِنْدِيْ . يَا ابْنَ آدَمَ! اسْتَسْقَيْتُكَ فَلَمْ تَسْقِنِيْ ، قَالَ: يَا رَبِّ كَيْفَ أَسْقِيْكَ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ؟ قَالَ: اسْتَسْقَاكَ عَبْدِيْ فُلَانٌ فَلَمْ تَسْقِهٖ أَمَا عَلِمْتُ أَنَّكَ لَوْ سَقَيْتَهٗ وَجَدْتَّ ذٰلِكَ عِنْدِيْ .))

(صحیح مسلم، رقم: 6556)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا: اے ابن آدم! میں بیمار ہوا لیکن تو نے میری عیادت نہ کی۔ وہ کہے گا: اے ربّ! میں بھلا تیری عیادت کیسے کرسکتا ہوں جبکہ تو ربّ العالمین ہے؟ اللہ فرمائے گا: کیا تجھے معلوم نہ تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہے لیکن تو نے پھر بھی اس کی عیادت نہ کی۔ کیا تجھے معلوم نہ تھا کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے (میری رضا کو) اس کے پاس پاتا۔ ارشاد ہوگا: اے ابن آدم! میں نے

تجھ سے کھانا مانگا تھا مگر تو نے مجھے کھلایا نہیں۔ وہ کہے گا: اے میرے ربّ میں تجھے کیسے کھلاتا تو ربّ العالمین ہے۔ اللہ فرمائے گا: کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا لیکن تو نے اسے کھانے کو نہ دیا۔ کیا تجھے معلوم نہ تھا کہ اگر تو اسے کھلا دیتا تو میرے ہاں اس کا ثواب پاتا۔ ارشاد ہوگا: اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پینے کو مانگا مگر تو نے مجھے نہ پلایا۔ وہ کہے گا: اے میرے ربّ! میں بھلا تجھے کیسے پلا سکتا ہوں جب کہ تو ربّ العالمین ہے۔ اللہ فرمائے گا: تجھ سے میرے فلاں بندے نے پانی مانگا تھا لیکن تو نے اسے نہ پلایا۔ سن لے، اگر تو اسے پلا دیتا تو تجھے اس کا ثواب میری طرف سے ملتا۔''

اسلام نے جن اچھے اخلاق کو اختیار کرنے اور جن برے اخلاق سے بچنے کی ایک جامع فہرست پیش کی ہے وہ مختصر طور پر یہ ہیں۔

اچھے اخلاق یا فضائل اخلاق کی مختصر فہرست:

والدین کی خدمت کرنا، صلہ رحمی کرنا، ہمسایوں سے اچھا سلوک کرنا، بچوں سے پیار کرنا، بڑوں کی عزت کرنا، محتاجوں، یتیموں، بیواؤں اور مسکینوں کی مدد کرنا، باہم صلح کرانا، بیمار پرسی کرنا، مہمان نوازی، صدقہ وخیرات کرنا، جانوروں پر شفقت کرنا، انصاف کرنا، سچ بولنا، سچی گواہی دینا، صبر کرنا، شکر کرنا، اللہ تعالیٰ پر توکل اور بھروسا کرنا، وعدے کا پورا کرنا، سخاوت کرنا، دوسروں پر رحم کرنا، امانت دار ہونا، سخاوت کرنا، عفو ودرگزر سے کام لینا، شرم وحیا، آدابِ ملاقات، آدابِ مجلس، آدابِ لباس اور کھانے پینے کے آداب وغیرہ۔

برے اخلاق یا رذائل اخلاق کی مختصر فہرست:

والدین کی نافرمانی کرنا، قطع رحمی کرنا، جھوٹ بولنا، جھوٹی گواہی دینا، جھوٹی قسم کھانا، وعدہ خلافی اور عہد شکنی کرنا، خیانت کرنا، فضول خرچی کرنا، بخل کرنا، دوسروں پر ظلم کرنا، غیبت کرنا، چغل خوری، بے پردگی، فحاشی وعریانی، چوری کرنا، ڈاکہ ڈالنا، بدکاری کرنا، شراب پینا، جوا کھیلنا، رشوت لینا، غصہ کرنا، جھگڑا فساد کرنا، تکبر کرنا، زمین پر اکڑ کر چلنا، حسد کرنا، بدگمانی کرنا، گالی دینا، تہمت اور بہتان لگانا، دوسروں کی ٹوہ میں رہنا، خوشامد کرنا، لالچ کرنا، منافقت اختیار کرنا، گداگری کرنا، بغیر اجازت کسی کے گھر میں داخل ہونا اور مردوں عورتوں کا ایک دوسرے کی مشابہت اختیار کرنا وغیرہ۔

کچھ اس کتاب کے بارے میں:

مشکوٰۃ الحدیث کی یہ چوتھی جلد جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے، اخلاقیات سے متعلق صحیح احادیث پرمبنی ہے۔ اس طرح یہ مجموعۂ احادیث چار جلدوں: ایمانیات، عبادات، معاملات اور اخلاقیات کے بارے میں پانچ سو ایک (501) احادیث پر مشتمل ہے۔ ان میں سے چند ایک مکرر آ گئی ہیں۔ تاہم اگر اس کی وہ حدیثیں بھی شمار کر لی جائیں جو تشریحات کے ضمن میں آئی ہیں تو یہ تعداد بڑھ جاتی ہے۔

اس طرح صرف صحیح احادیث پرمبنی اس مجموعے میں انسانی زندگی کے تمام شعبوں کے بارے میں رہنمائی موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے جس نے اس ناچیز کو اس سلسلۂ حدیث کی تکمیل کی صورت میں علم حدیث کی خدمت کی توفیق عطا فرمائی۔ مجھے اپنی علمی کم مائیگی اور بے بضاعتی کا پورا احساس ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ربّ کریم نے اپنے جس بندے سے کوئی کام لینا ہوتا ہے وہ اس سے لے لیتا ہے۔ اس سے پہلے بھی محض اُسی کے فضل وکرم سے ''تفسیر ترجمۂ قرآن مجید'' کے نام سے قرآن حکیم کا ایک نہایت آسان اور بامحاورہ اردو ترجمہ پیش کر چکا ہوں۔ اب اس کام کی تکمیل کے بعد قرآن مجید کی ایک تفسیر لکھنے کا ارادہ ہے اور اس کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ ہی دینے والا ہے۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

دعا ہے اللہ سبحانہٗ میری اس خدمت کو قبول فرمائے۔ اسے لوگوں کے لیے مفید بنائے۔ اس کام میں ہاتھ بٹانے والوں کو اجر وثواب سے نوازے اور یہ میرے لیے توشۂ آخرت بن جائے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ بِنِعْمَتِهٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتِ، وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ.

والسلام

احقر العباد

محمد رفیق، لاہور

21 جولائی 2011ء

بمطابق 18 شعبان المعظم 1432ھ

باب 1......فضائل اخلاق (اچھے اخلاق)

1: سچ بولنے والا جنت میں اور جھوٹ بولنے والا دوزخ میں جائے گا

1...... ((عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ ، فَإِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِيْ إِلَى الْبِرِّ ، وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِيْ إِلَى الْجَنَّةِ ، وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ صِدِّيْقًا . وَإِيَّاكُمْ بِالْكَذِبِ ، فَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِيْ إِلَى الْفُجُوْرِ ، وَإِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِيْ إِلَى النَّارِ ، وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكَذِبَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ كَذَّابًا . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ . وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ: إِنَّ الصِّدْقَ بِرٌّ ، وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِيْ إِلَى الْجَنَّةِ ، وَإِنَّ الْكَذِبَ فُجُوْرٌ ، وَإِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِيْ إِلَى النَّارِ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4824 صحیح بخاری، رقم 6094 صحیح مسلم، رقم 6638,6637
ابوداؤد، رقم: 4989 اللؤلؤ والمرجان، رقم: 1675

”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سچائی اختیار کرو۔ کیونکہ سچائی نیکی کی راہ دکھاتی ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ انسان سچ بولتا رہتا ہے اور سچائی کی تلاش میں رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اُسے صدیق (بڑا سچا) لکھ لیا جاتا ہے۔ اور تم جھوٹ سے بچو۔ کیونکہ جھوٹ گناہ اور برائی کی راہ دکھاتا ہے اور گناہ اور برائی دوزخ کی طرف لے جاتے ہیں۔ جو شخص بولتا رہتا ہے اور جھوٹ کا طلب گار رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اُسے کذاب (بڑا جھوٹا) لکھ لیا جاتا ہے۔

اور صحیح مسلم کی روایت ہے کہ:

بے شک سچائی نیکی ہے اور نیکی جنت کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ جھوٹ گناہ ہے اور گناہ دوزخ کی طرف لے جاتا ہے۔

تشریح:

1: اس حدیث میں صدق یعنی سچ کو اختیار کرنے اور جھوٹ سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔ساتھ ہی یہ اعلان بھی کر دیا گیا کہ سچائی کا نتیجہ جنت ہے اور جھوٹ کا انجام دوزخ ہے۔

2: سب سے پہلے سچائی کو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا۔ پھر یہ بتایا گیا کہ اس کا ثمرہ نیکی ہے اور نیکی کرنے والوں کی منزل جنت ہے۔ جب کوئی شخص سچائی کو اختیار کر لیتا ہے اور اس پر قائم رہتا ہے تو اُسے اللہ تعالیٰ کے ہاں ''صدیق'' (بڑا سچا) لکھ لیا جاتا ہے۔

3: پھر جھوٹ سے بچنے کا حکم دیا کہ اس کا انجام گناہ اور برائی ہے اور گناہ اور برائی کرنے والوں کا آخری ٹھکانا دوزخ ہے۔ جب کوئی شخص جھوٹ کو اختیار کر لیتا ہے اور اس کا عادی ہو جاتا ہے تو اُسے اللہ تعالیٰ کے ہاں ''کذاب'' (بڑا جھوٹا) لکھ لیا جاتا ہے۔

4: جھوٹ بولنے والے شخص کو اپنا ایک جھوٹ چھپانے کے لیے کئی جھوٹ بولنے پڑتے ہیں اور جب وہ جھوٹ کا رسیا ہو جاتا ہے تو پھر بے شمار دوسرے گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے۔ جھوٹ اور شرک کو قرآنِ مجید نے ساتھ ساتھ بیان کیا ہے۔ (الحج:30)

افسوس کہ آج ہمارے ہاں اس قدر جھوٹ پایا جاتا ہے جتنا کافر معاشروں میں بھی نہیں پایا جاتا۔

5: حدیث میں 'صدق' کا لفظ آیا ہے جو عربی زبان میں صرف سچ یا سچائی کے معنی میں نہیں آتا بلکہ اس میں نیک نیتی اور وفاداری کا مفہوم بھی شامل ہوتا ہے۔

اسی طرح 'کذب' کا لفظ بھی عربی زبان میں صرف جھوٹ بولنے کے معنی میں استعمال نہیں ہوتا مگر اس میں دھوکے اور ہیرا پھیری کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے۔

6: قرآنِ مجید میں بھی سچ بولنے اور سچے لوگوں میں شامل ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ٥﴾ (التوبہ: 119)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ رہو۔''

7: اس حدیث کی یہ بات بھی قرآنِ مجید سے ثابت ہے کہ صدق اور سچائی اختیار کرنے والے جنت میں جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝﴾

(المائدہ: 119)

''اللہ تعالیٰ فرمائے گا'' آج وہ دن ہے کہ سچوں کو اُن کا سچ کام آئے گا۔ان کے لیے ایسے باغ ہیں جن میں نہریں بہتی ہوں گی۔وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔یہی ہے بڑی کامیابی۔''

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں سچ بولنے اور جھوٹ سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین!

2: بہتر وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہیں

2...... ((وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ مِنْ خِيَارِكُمْ اَحْسَنَكُمْ اَخْلَاقًا .)) ۔

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 5075 صحیح بخاری، رقم 3559 صحیح مسلم، رقم 6033
ترمذی، رقم 1975 اللؤلؤ والمرجان، رقم 1500

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
تم میں سب سے بہتر وہ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں۔''

تشریح:

1: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ وہ مسلمان زیادہ اچھے ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں۔
2: اسلام میں اچھے اخلاق اپنانے اور برے اخلاق چھوڑنے کی تاکید کی گئی ہے۔
3: نبی ﷺ کی بعثت کا ایک مقصد اعلیٰ اخلاق کی تکمیل تھا۔
4: اچھے اخلاق سے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے۔
5: خوش اخلاقی سے دنیا بھی سنورتی ہے اور یہ آخرت میں نجات کا ذریعہ بھی ہے۔
6: بداخلاقی بندے کی دنیا بھی بگاڑتی ہے اور دوزخ میں لے جانے کا باعث بھی بنتی ہے۔
7: اچھے اخلاق کا درجہ نفلی عبادت کے برابر ہے۔

۱۰/۹/۱۵

3: بوڑھے والدین سے حسن سلوک کا صلہ جنت ہے

3...... ((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ: رَغِمَ اَنْفُهٗ، رَغِمَ اَنْفُهٗ، رَغِمَ اَنْفُهٗ. قِیْلَ: مَنْ؟ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: مَنْ اَدْرَكَ وَالِدَیْهِ عِنْدَ الْكِبَرِ، اَحَدُهُمَا اَوْ كِلَاهُمَا، ثُمَّ لَمْ یَدْخُلِ الْجَنَّةَ.))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4912 صحیح مسلم، رقم 6510 ترمذی، رقم 3545

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
اُس شخص کی ناک خاک آلود ہو، اُس کی ناک خاک آلود ہو، اُس کی ناک خاک آلود ہو! عرض کیا گیا: کس کی؟ یا رسول اللہ! فرمایا: جس نے اپنے والدین میں سے کسی ایک کو، یا دونوں کو بڑھاپے میں پایا، پھر (اُن کے ساتھ اچھا سلوک کر کے) وہ جنت میں داخل نہ ہوا۔''

تشریح:

1: صحیح مسلم میں وَالِدَیْهِ کی بجائے اَبَوَیْهِ کے الفاظ آئے ہیں مگر دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔

2: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص جس کے دونوں والدین یا ان میں سے کوئی ایک بڑھاپے کی عمر تک پہنچ جائے اور وہ ان کی خدمت کر کے اپنے آپ کو جنت کا مستحق نہ بنا سکے تو ایسا شخص ذلیل وخوار اور نامراد ہے۔

3: بڑھاپے میں والدین زیادہ خدمت کے محتاج ہو جاتے ہیں اس لیے ان کی خدمت کا صلہ جنت ہے۔ ویسے ہر عمر کے والدین کی خدمت سے جنت ملتی ہے اور اُن کی نافرمانی دوزخ تک لے جاتی ہے۔

4: والدین سے حسن سلوک کرنے، اُن کی خدمت کرنے، اُن کو راضی رکھنے اور اُن کو ناراض نہ کرنے کا حکم ہے۔

5: قرآنِ مجید نے والدین سے بھلائی کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَ قَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِیْمًا ٥ وَ

اخۡفِضۡ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحۡمَةِ وَ قُلۡ رَّبِّ ارۡحَمۡهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِىۡ صَغِيۡرًا ۝﴾

(بنی اسرائیل : 23-24)

''اور تمہارے ربّ نے حکم جاری کر دیا تم اُس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اگر وہ تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں، ان میں سے ایک، یا دونوں، تو اُنہیں اُف نہ کہو۔ نہ اُن کو جھڑکو بلکہ اُن سے احترام کے ساتھ بات کرو۔ ان کے سامنے نرمی سے خاکساری کا پہلو جھکا دو۔ ان کے لیے دعا کرو۔ اے ربّ! جس طرح انہوں نے مجھے بچپن میں پالا، اسی طرح تو ان پر رحمت وشفقت فرما۔''

6: دینی معاملات میں غیر مسلم والدین کی اطاعت ضروری نہیں ہے۔ لیکن اُن کی خدمت ہر حال میں فرض ہے۔

4: والدہ کا حق والد سے بھی زیادہ ہے

4...... ((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ! مَنْ أَحَقُّ بِحُسْنِ صَحَابَتِیْ؟ قَالَ: أُمُّكَ . قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: أُمُّكَ . قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: أُمُّكَ . قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: اَبُوْكَ .

وَفِیْ رِوَايَةٍ: قَالَ: أُمُّكَ ، ثُمَّ أُمُّكَ ، ثُمَّ أُمُّكَ ، ثُمَّ اَبَاكَ ، ثُمَّ اَدْنَاكَ ، اَدْنَاكَ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4911 صحیح بخاری، رقم 5971 صحیح مسلم، رقم 6500,6501
ابن ماجه، رقم 3658 اللؤلؤ والمرجان، رقم 1652

''سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کون میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حق دار ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تیری والدہ۔ اُس نے پھر عرض کیا: پھر اور کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تیری والدہ۔ اُس نے پھر عرض کیا: پھر اور کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تیری والدہ۔ اُس شخص نے چوتھی بار عرض کیا: پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تیرا باپ۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

تمہاری ماں، پھر تمہاری ماں، پھر تمہاری ماں کا حق ہے اور پھر تمہارے باپ کا حق ہے۔ اس کے بعد قریبی رشتہ داروں کا اور پھر ان سے قریبی رشتہ داروں کا حق ہے۔''

تشریح:

1: اس حدیث میں سب سے پہلے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم ہے۔ اس کے بعد بتایا گیا ہے کہ ماں کا حق باپ کے حق سے تین گنا زیادہ مقدم ہے۔ پھر اس کے بعد درجہ بدرجہ دوسرے رشتہ داروں کا حق ہے۔ گویا حقوق العباد میں بندے پر سب سے پہلا حق ماں کا ہے۔ پھر باپ کا اور پھر درجہ بدرجہ دوسرے رشتہ داروں کا حق ہے۔

2: اس حدیث کا مضمون قرآنِ مجید میں اس طرح بیان ہوا ہے:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ۖ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۖ وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا ۚ﴾ (الاحقاف: 15)

''اور ہم نے انسان کو حکم دیا کہ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرے۔ اس کی ماں نے تکلیف کے ساتھ اُسے پیٹ میں رکھا اور تکلیف کے ساتھ اُسے جنا۔ اُس کو پیٹ میں رکھنا اور اُس کا دودھ چھڑانا تیس (30) مہینوں میں ہوا۔''

3: قرآن وحدیث کی اس وضاحت سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ یعنی حقوق اللہ کا درجہ ہے۔ پھر حقوق العباد میں سب سے پہلے والدین کا حق ہے۔ پھر ان میں سے بھی ماں کا حق باپ سے اس لیے زیادہ ہے کہ حمل، بچے کی پیدائش اور اُس کی رضاعت کی ذمہ داریاں اور تکالیف صرف ماں برداشت کرتی ہے۔ اِس کے علاوہ صنفِ نازک ہونے کی وجہ سے بھی ماں کی خدمت اور حق مقدم ہے۔

5: بیٹیوں کی پرورش کا اجر وثواب

5...... ((وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: جَاءَتْنِيْ اِمْرَأَةٌ وَمَعَهَا اِبْنَتَانِ لَهَا تَسْئَلُنِيْ ، فَلَمْ تَجِدْ عِنْدِيْ غَيْرَ تَمْرَةٍ وَاحِدَةٍ ، فَاَعْطَيْتُهَا اِيَّاهَا ، فَقَسَمَتْهَا بَيْنَ اِبْنَتَيْهَا ، وَلَمْ تَاْكُلْ مِنْهَا ، ثُمَّ قَامَتْ فَخَرَجَتْ ، فَدَخَلَ النَّبِيُّ ﷺ ، فَحَدَّثْتُهُ ، فَقَالَ: مَنِ ابْتُلِيَ مِنْ هٰذِهِ الْبَنَاتِ بِشَيْءٍ فَاَحْسَنَ اِلَيْهِنَّ كُنَّ لَهُ سِتْرًا مِّنَ النَّارِ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4949 صحیح بخاری، رقم 5995 صحیح مسلم، رقم 6693
ترمذی، رقم 1915 اللؤلؤ والمرجان، رقم 1688

''سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ میرے پاس ایک عورت آئی۔ اس کے ساتھ اُس کی دو بیٹیاں بھی تھیں۔اُس عورت نے مجھ سے کچھ کھانے کو مانگا۔اس وقت میرے پاس صرف ایک کھجور تھی جو میں نے اُسے دے دی۔اُس نے وہ کھجور اپنی دونوں بیٹیوں میں تقسیم کردی اور خود کچھ نہ کھایا۔ پھر وہ اُٹھ کر باہر چلی گئی۔اس کے بعد نبی ﷺ گھر تشریف لائے تو میں نے آپ ﷺ کو یہ سارا واقعہ بتایا تو آپ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کی صرف بیٹیاں ہوں اور وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے تو وہ اس کے لیے دوزخ سے آڑ بن جائیں گی۔

تشریح:

1: اس حدیث میں ایک واقعے کا ذکر ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک غریب عورت اپنی دو بچیوں سمیت آئی۔اُس کے مانگنے پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسے ایک کھجور دے دی جو اُس وقت اُن کے پاس تھی۔اُس عورت نے وہ کھجور لے کر آدھی آدھی اپنی دونوں بچیوں میں تقسیم کردی اور خود نہ کھائی۔اس کے بعد وہ عورت چلی گئی۔ بعد میں جب نبی ﷺ گھر تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ واقعہ آپ ﷺ کو سنایا۔اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کی دو ہی بیٹیاں ہوں اور وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے تو اس نیکی کی وجہ سے وہ دوزخ کی آگ سے محفوظ رہے گا کیونکہ اُس کے اور دوزخ کے درمیان وہ بچیاں حائل ہوجائیں گی۔

2: سائل کو خالی ہاتھ نہیں لوٹانا چاہیے اور جو میسر ہو، کچھ نہ کچھ اُسے دے دینا چاہیے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہی اُسوہ ہے جس کی تصدیق و تائید نبی ﷺ نے فرما دی۔

3: نبی ﷺ کے گھر میں کھانے کے لیے بعض اوقات کچھ بھی نہیں ہوتا تھا۔ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جب مانگنے والی عورت آئی تو اُس وقت گھر میں کھانے کے لیے سوائے ایک کھجور کے کچھ موجود نہ تھا۔ حضور ﷺ کا یہ فقر اختیاری تھا اور ازواج مطہرات اسی فقیرانہ حالت میں آپ ﷺ کے ساتھ رہتی تھیں۔ ایک ہم ہیں کہ گھر میں کھانے پینے کے لیے ہر وقت فریج اور فریزر بھرے رکھتے ہیں مگر نبی ﷺ کی پیروی اور اتباع کا دعویٰ کرتے ہیں۔

4: سائلہ عورت نے وہ کھجور جو اُس کو ملی خود نہیں کھائی بلکہ اپنی بچیوں میں بانٹ دی۔ اللہ اکبر! غربت کی حالت میں یہ ایثار اور مامتا کی کتنی عمدہ مثال ہے! حالانکہ ظاہر ہے اُس وقت وہ خود بھی بھوک ہوگی۔

5: بیٹیوں کی پیدائش اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ جو شخص بیٹیوں کے پیدا ہونے پر ناگواری محسوس نہیں کرتا اور اُن کی لڑکوں کی طرح پرورش کرتا ہے یہاں تک کہ وہ جوان ہو جائیں اور اُن کی شادی ہو جائے تو ایسے والدین کو خوش خبری ہو کہ وہ آخرت میں دوزخ کی آگ سے محفوظ رہیں گے اور جنت میں جائیں گے بشرطیکہ انہوں نے شرک نہ کیا ہو۔

6: جب تک لڑکی کی شادی نہ ہو جائے اُس کی کفالت کی ذمہ داری اُس کے باپ پر ہے اور جب اُس کی شادی ہو جاتی ہے تو پھر اُس کی کفالت کی ذمہ داری اُس کے شوہر کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔

نوٹ: مزید تفصیل کے لیے دیکھئے حدیث نمبر 6 کی تشریح۔

6: دو بچیوں کی پرورش کرنے والے کو حضور ﷺ کا قرب نصیب ہوگا

6...... ((عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتّٰى تَبْلُغَا جَاۤءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَنَا وَهُوَ هٰكَذَا . وَضَمَّ اَصَابِعَهٗ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4950 صحیح مسلم، رقم 6695 ترمذی، رقم 1914

''سیّدنا انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
جس نے دو بچیوں کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ جوان ہوگئیں تو وہ شخص قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ میں اور وہ اس طرح ہوں گے ـــــ اور آپ ﷺ نے اپنی انگلیاں ملائیں۔''

تشریح:

1: اِس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے اپنی دو بیٹیوں کی پرورش اور کفالت کی یہاں تک کہ وہ جوان ہوگئیں اور اُن کی شادی ہوگئی تو ایسے شخص کو آخرت میں نبی ﷺ کا قرب نصیب ہوگا۔ ظاہر ہے اس سے بڑی خوش نصیبی اور کیا ہوسکتی ہے کہ کسی کو آخرت میں حضور ﷺ کی ایسی قربت حاصل ہو جیسے دو انگلیاں ملی ہوئی ہوتی ہیں۔

2: اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لڑکیوں سے اچھا سلوک کرنا اُن کا حق ہے اور یہ والدین کا فرض ہے۔ پھر والدین کے لیے اس پر یہ اجر وثواب ہے کہ اُن کے لیے دوزخ سے نجات اور جنت میں داخلہ ہے۔

3: ہمارے ہاں بھی عام طور پر لڑکیوں کو ایک بوجھ سمجھا جاتا ہے اور ان کی پیدائش پر لوگ اس طرح خوش نہیں ہوتے جیسے لڑکوں کی پیدائش کے موقع پر ہوتے ہیں۔ یہ اُسی دورِ جاہلیت کا اثر ہے جب عرب مشرکین کے ہاں کوئی لڑکی پیدا ہوتی تو سخت ناگواری کا اظہار کیا جاتا۔ قرآن نے ان کی اس حالت کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

﴿وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۝ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْۤءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ﴾ (النحل: 58,59)

''اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی خوش خبری دی جائے تو اُس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا

ہے اور وہ گھٹا گھٹا رہتا ہے۔ اِس بری خبر پر شرم اور عار کی وجہ سے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے۔
سوچتا ہے اسے ذلت کے ساتھ اپنے پاس رکھے، یا اسے مٹی میں دبا دے۔''

ایک اور جگہ عربوں کے ایک ظالمانہ رویے کے بارے میں فرمایا:

﴿ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ o بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ o ﴾ (التکویر: 8,9)

''اور جب زندہ گاڑی گئی بچی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ میں ماری گئی۔''

حالاں کہ اسلامی تصور یہ ہے اور یہی حقیقت ہے کہ بیٹیاں اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوتی ہیں۔ وہ لڑکوں سے زیادہ والدین کی وفادار اور خدمت گزار ثابت ہوتی ہیں۔

نوٹ: مزید تفصیل کے لیے دیکھیے حدیث نمبر 5 کی تشریح۔

7: ہمسائے کا حق

7...... ((وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا وَابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ:
مَا زَالَ جِبْرِيْلُ يُوْصِيْنِيْ بِالْجَارِ، حَتّٰى ظَنَنْتُ اَنَّهٗ سَيُوَرِّثُهٗ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4964 — صحیح بخاری، رقم 6014 — صحیح مسلم، رقم 6687

ابوداؤد، رقم 5152 — ترمذی، رقم 1942 — اللؤلؤ والمرجان، رقم 1685

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:
مجھے ہمسائے کے بارے میں جبرئیل علیہ السلام تاکید کرتے رہے یہاں تک کہ میں نے خیال کیا وہ اسے وارث بنا دیں گے۔''

تشریح:

1: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نبی ﷺ کو جبرئیل علیہ السلام فرشتے نے ہمسائے کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی اس قدر اور بار بار تاکید کی کہ حضور ﷺ کو یہ خیال ہوا کہ شاید ایک ہمسایہ دوسرے ہمسائے کے ترکے کا بھی وارث بن جائے گا۔

2: اسلام میں ہمسایوں اور پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک پر بہت زور دیا گیا ہے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

﴿وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ .... ﴾ (النساء: 36)

''اور رشتہ دار ہمسایوں، اجنبی ہمسائیوں اور پاس بیٹھنے والوں سے اچھا سلوک کرو۔''

اس آیت میں رشتہ دار پڑوسیوں اور اجنبی ہمسایوں سے حسن سلوک کے علاوہ ساتھیوں اور ہم نشینوں کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرنے کا حکم ہے۔ ساتھیوں اور ہم نشینوں میں سفر کے دو ساتھی بھی ہو سکتے ہیں، کسی کارخانے یا دفتر میں کام کرنے والے دو ملازم بھی ان میں آتے ہیں۔ پھر ان سب قسم کے ہمسایوں اور ساتھیوں میں مسلمان اور غیر مسلم سب شامل ہیں۔ البتہ مسلمان ہمسائے کو غیر مسلم پر اور رشتہ دار مسلمان کو غیر رشتہ دار مسلمان پر ترجیح حاصل ہے۔

3: ہمسایوں سے اچھا سلوک کرنے کے بارے میں چند احادیث یہ ہیں:

1۔ ((لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ لَّا یَاْمَنُ جَارُهٗ بَوَائِقَهٗ .))

(صحیح بخاری، رقم: 6016۔ صحیح مسلم، رقم: 172)

''وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا جس کی شرارتوں اور ایذا رسانیوں سے اُس کا ہمسایہ محفوظ نہیں ہے۔''

2۔ ((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: وَاللّٰهِ! لَا یُؤْمِنُ، وَاللّٰهِ! لَا یُؤْمِنُ، وَاللّٰهِ! لَا یُؤْمِنُ. قِیْلَ: مَنْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: الَّذِیْ لَا یَاْمَنُ جَارُهٗ بَوَائِقَهٗ.)) (صحیح بخاری، رقم: 6016)

''سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم! وہ شخص مومن نہیں، اللہ کی قسم وہ شخص مومن نہیں، اللہ کی قسم وہ شخص مومن نہیں۔ پوچھا گیا: کون یارسول اللہ؟ فرمایا: وہ شخص جس کی شرارتوں اور ایذاؤں سے اُس کا ہمسایہ محفوظ نہ ہو۔''

3۔ ((مَنْ كَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا یُؤْذِ جَارَهٗ ......))

(صحیح بخاری، رقم: 6018)

''سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اُسے چاہیے کہ ہمسائے کو نہ ستائے۔''

4۔ ((مَنْ كَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیُكْرِمْ جَارَهٗ ......))(صحیح مسلم، رقم: 173)

''جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اُسے چاہیے کہ وہ ہمسائے کا اِکرام کرے (اُس سے اچھا سلوک کرے۔)''

5۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

((لَیْسَ الْمُؤْمِنُ مَنْ یَشْبَعُ وَجَارُهٗ جَائِعٌ اِلٰی جَنْبِهٖ .))

(صحیحہ للالبانی، رقم: 149)

''وہ شخص مومن نہیں جو خود پیٹ بھر کر کھالے اور اُس کی پہلو میں اُس کا ہمسایہ بھوکا رہ جائے۔''

طبرانی کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ ((وَهُوَ يَعْلَمُ بِهِ))
جب کہ وہ جانتا بھی ہو (کہ اس کا ہمسایہ بھوکا ہے۔)

4: حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے دوسرے الہامی مذاہب سے بڑھ کر ہمسائیوں کے حقوق بیان کیے ہیں اور اُن سے حسن سلوک کی تاکید کی ہے۔

5: ہمسائے اور پڑوسی وہ لوگ ہیں جو ایک دوسرے کے قریب آباد ہوں۔

6: اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ہمسایوں کو ایک دوسرے کے دُکھ سکھ میں اور خوشی غمی میں شریک ہونا چاہیے۔ وہ باہم مددگار ہوں۔ ایک دوسرے پر اعتماد کر سکیں اور دوسرے کی طرف سے امن وچین اور اطمینان سے رہیں۔

7: اصل بات یہ ہے کہ جو لوگ جتنے زیادہ قریب ہوتے ہیں، ان سے دکھ، تکلیف یا نقصان پہنچنے کا اندیشہ بھی زیادہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے ہمسایوں کے باہمی تعلقات کو خوش گوار بنانے کے لیے ان کے حقوق پر بہت زور دیا ہے تا کہ پورا معاشرہ ایک پر امن اور مطمئن زندگی گزار سکے۔

8: ہمسایوں کے درمیان تحفے تحائف کا تبادلہ بھی ان کے باہمی تعلقات کو بہتر بنانے میں مدد دیتا ہے۔

9: ہمسایوں کی دینی تعلیم وتربیت اور اُن کے اعمال کی اصلاح کی کوشش کو بھی پسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔

10: ہمسایوں کے بارے میں اسلامی تعلیم کے برعکس آج ہماری معاشرت کا یہ حال ہے کہ شہری زندگی (خاص طور پر پوش علاقوں) میں لوگ اپنے پڑوسیوں سے ناواقف رہتے ہیں۔ ان سے کوئی میل جول نہیں رکھتے۔ نہ باہمی ہمدردی ہوتی ہے اور نہ ایک دوسرے پر اعتماد ہوتا ہے تو ایسا طرزِ عمل ہرگز اسلامی معاشرت نہیں ہے۔

8: ہمسائے کے حق کی تاکید

8...... ((عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ لَّا يَأْمَنُ جَارُهٗ بَوَائِقَهٗ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4963 صحیح مسلم، رقم 172

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ شخص جنت میں نہیں جاسکے گا جس کی شرارتوں اور ایذا رسانیوں سے اُس کا ہمسایہ محفوظ نہیں۔''

تشریح:

1: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنے ہمسایوں سے برا سلوک کرتا ہو۔ اُن کو دُکھ دیتا اور تکلیفیں پہنچاتا ہو۔ ہمسائے اُس سے تنگ اور پریشان رہتے ہوں۔ تو ایسا شخص جنت میں نہیں جاسکے گا۔

2: اس حدیث میں ہمسایوں سے برا سلوک کرنے سے ڈرایا گیا ہے اور اُن سے اچھا سلوک کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

نوٹ: مزید تفصیل کے لیے دیکھیے حدیث نمبر 7 کی تشریح۔

9: ہمسایوں سے اچھا سلوک کرنا

9...... ((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: وَاللّٰهِ! لا يُؤْمِنُ، وَاللّٰهِ! لا يُؤْمِنُ، وَاللّٰهِ! لا يُؤْمِنُ. قِيْلَ: مَنْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: الَّذِیْ لا يَاْمَنُ جَارُهٗ بَوَائِقَهٗ.))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4962 صحیح بخاری، رقم 6016 صحیح مسلم، رقم 172

''سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
اللہ کی قسم! وہ مومن نہیں، اللہ کی قسم! وہ مومن نہیں، اللہ کی قسم! وہ مومن نہیں۔عرض کیا گیا: کون؟ یارسول اللہ! فرمایا: وہ شخص جس کی شرارتوں اور ایذاؤں سے اُس کا ہمسایہ محفوظ نہ ہو۔''

تشریح:

1: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص (کامل اور صحیح) مومن نہیں ہے جس کی شرارتوں اور ایذاؤں سے اس کا ہمسایہ محفوظ نہیں ہے۔ یہ بات حضور ﷺ نے تین بار اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر فرمائی۔

2: گویا ایمان کا ایک تقاضا یہ ہے کہ آدمی اپنے ہمسایوں سے اچھا سلوک کرے اور اُن کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ پہنچائے۔

3: حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جو شخص اپنے ہمسایوں کو تنگ کرتا اور دُکھ دیتا ہے وہ کافر ہو جاتا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص صحیح اور کامل مومن نہیں ہے، فاسق و گناہ گار ہے۔

نوٹ: مزید تفصیل کے لیے دیکھیے حدیث نمبر 7 کی تشریح۔

10: صلہ رحمی

10...... ((عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ:
مَنْ اَحَبَّ اَنْ یُّبْسَطَ لَہٗ فِیْ رِزْقِہٖ وَیُنْسَاَلَہٗ فِیْ اَثَرِہٖ، فَلْیَصِلْ رَحِمَہٗ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4918 صحیح بخاری، رقم 5986 ـ صحیح مسلم، رقم 6524
ابوداؤد، رقم: 1693 اللؤلؤ والمرجان، رقم 1657

''سیّدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
جو شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اُس کی روزی میں اضافہ ہو اور اُس کی عمر لمبی ہو تو اُسے چاہیے کہ وہ صلہ رحمی کرے۔''

تشریح:

1: اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ صلہ رحمی کرنے والے شخص کی روزی میں اضافہ ہوتا ہے اور اُس کی عمر میں برکت ہوتی ہے۔

2: عمر لمبی ہونے سے مراد عمر میں برکت کا ہونا ہے۔ ویسے ہر شخص کی زندگی کا عرصہ اور اُس کی موت کا وقت پہلے سے مقرر ہے۔

3: اس حدیث میں بات تو صلہ رحمی کے حوالے سے کی گئی ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو یہ پورے معاشرے سے متعلق ہے۔ معاشرہ کیا ہے؟ خاندانوں کا مجموعہ۔ جب ہر خاندان ایک دوسرے سے صلہ رحمی اور اچھا سلوک کرے گا تو اس کے نتیجے میں پورے معاشرے میں خوش گوار تبدیلی آئے گی۔ معاشرے کے تمام افراد ایک دوسرے سے اچھا سلوک کرنے لگیں گے اور باہمی حقوق ادا ہوں گے تو خود بخود ایک ایسا ماحول پیدا ہوجائے گا جس میں معاشی خوش حالی، امن وامان، باہمی محبت وشفقت اور اللہ تعالیٰ کی برکات نازل ہوں گی۔ ہر شخص کی روزی اور عمر میں برکت اور اضافہ ہوگا۔

4: اسلام میں صلہ رحمی پر بہت زور دیا گیا ہے کیونکہ ایک صالح معاشرے کی بنیاد اسی پر ہے۔
ایک حدیث میں ہے کہ:

((عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ رضی اللہ عنہ قَالَ، سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ: یَقُوْلُ قَالَ اللّٰہُ

تَبَارَكَ وَتَعَالَى: أَنَا اللّٰهُ، وَأَنَا الرَّحْمٰنُ، خَلَقْتُ الرَّحِمَ وَشَقَقْتُ لَهَا مِنْ اِسْمِيْ، فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلْتُهُ وَمَنْ قَطَعَ بَتَتُّهُ.))

(صحیح بخاری، رقم: 5987۔ ابوداؤد، رقم: 1694۔ ترمذی، رقم: 1907)

''حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، میں اللہ ہوں۔ میں رحمان ہوں۔ میں نے رحم کو پیدا کیا اور اس کا نام اپنے (رحمٰن) سے بنایا ہے۔ جو اسے جوڑ کر رکھے گا میں اسے جوڑے رکھوں گا۔ جو اسے توڑ دے گا میں اسے توڑ دوں گا۔''

نوٹ: مزید تفصیل کے لیے دیکھیے حدیث نمبر 11 کی تشریح۔

11: اصل صلہ رحمی کرنے والا کون ہے؟

11...... ((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: لَیْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُکَافِیِٔ ، وَلٰکِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِیْ إِذَا قُطِعَتْ رَحِمُہٗ وَصَلَھَا .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4923 — صحیح بخاری، رقم 5991 —
ابوداؤد، رقم 1697 — ترمذی، رقم 1908

''سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
وہ صلہ رحمی کرنے والا نہیں جو صلہ رحمی کے بدلے میں صلہ رحمی کرے، بلکہ اصل صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جب اس سے قطع رحمی کی جائے تو وہ صلہ رحمی کرے۔''

تشریح:

1: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ صلہ رحمی کا صحیح معیار یہ نہیں ہے کہ جس طرح کا سلوک رشتہ داروں کی طرف سے ہوگا ہم ویسا ہی سلوک اُن کے ساتھ کریں گے۔ بلکہ صلہ رحمی کا اصل اسلامی معیار یہ ہے کہ جو رشتہ دار آپ سے قطع تعلق کرتا ہے آپ اُس کے ساتھ بھی صلہ رحمی کریں اور قطع تعلقی نہ کریں۔

2: بات یہ ہے کہ اسلام میں صلہ رحمی کا اصلی معیار تو وہی ہے جو اوپر بیان ہوا مگر اس معیار پر صرف صاحبِ عزیمت شخص ہی عمل کرسکتا ہے، بالخصوص ہمارے زمانے کے کمزور ایمان والوں کے لیے یہ کام انتہائی مشکل اور پیچیدہ ہوگیا ہے۔ خاندان اور برادری کا نظام آہستہ آہستہ کمزور پڑ رہا ہے۔ ایمان بھی مضبوط نہیں رہے اس لیے صلہ رحمی کے اس معیار کو قائم رکھنا بڑے جی گردے کا کام ہے۔ اس بارے میں میری ناچیز رائے یہ ہے کہ جب کوئی دوسرا رشتہ دار آپ سے تعلق نہیں رکھنا چاہتا اور آپ سے نفرت کرتا ہے تو ایسی صورت میں آپ اُس سے صرف واجبی اور رسمی تعلق (Working relationship) ہی رکھیں۔ اُس کی خوشی غمی میں ضرور شریک ہوں۔ جیسے شادی یا مرگ وغیرہ میں شرکت کرلیں مگر زیادہ آنا جانا نہ رکھیں تاکہ موجودہ حالات میں مزید ایسی پیچیدگیاں اور خرابیاں پیدا نہ ہوں جن کے نتیجے میں ثواب حاصل کرنے کی بجائے الٹا گناہوں کا ارتکاب ہوجائے۔

نوٹ: مزید تفصیل کے لیے دیکھیے حدیث نمبر 10 کی تشریح۔

12: بیواؤں اور محتاجوں کی خدمت بھی جہاد ہے

12...... ((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:

اَلسَّاعِیْ عَلَى الْاَرْمِلَةِ وَالْمِسْكِیْنِ كَالسَّاعِیْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ . وَاَحْسِبُهُ قَالَ: كَالْقَائِمِ لَا یَفْتُرُ وَكَالصَّائِمِ لَا یُفْطِرُ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4951 صحیح بخاری، رقم 6007 صحیح مسلم، رقم 7468
ابن ماجه، رقم 2140 اللؤلؤ والمرجان، رقم 1878

''سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جو شخص کسی بیوہ اور مسکین کی ضرورتوں کا خیال رکھتا ہے وہ ایسے ہے جیسے کوئی اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہو...... راوی کا خیال ہے کہ یوں فرمایا گیا تھا کہ وہ ایسے ہے جیسے کوئی لگا تار رات کو نفلی عبادت (تہجد) میں مشغول ہوتا ہو، یا جیسے کوئی مسلسل نفلی روزے رکھتا ہو۔''

تشریح:

1: اس حدیث میں بیوہ کے لیے ''اَرْمِلَةٌ'' کا لفظ آیا ہے جو بیوہ کے علاوہ ایسی عورت کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جس کو اُس کے خاوند نے چھوڑ رکھا ہو اور اُسے خرچہ (نان ونفقہ) بھی نہ دیتا ہو۔ اور اب اُس کا کوئی سہارا نہ ہو جس سے اُس کی گزر اوقات ہو سکے۔

2: مسکین میں ہر قسم کا محتاج، معذور اور غریب شخص شامل ہے۔

3: اس حدیث کے آخری الفاظ:

((وَاَحْسِبُهُ قَالَ: كَالْقَائِمِ لَا یَفْتُرُ وَكَالصَّائِمِ لَا یُفْطِرُ))

''اور میرا (راوی کا) خیال ہے کہ یوں فرمایا گیا تھا کہ وہ ایسے ہے جیسے کوئی لگا تار رات کو نفلی عبادت (تہجد) میں مشغول ہوتا ہو، یا جیسے کوئی مسلسل نفلی روزے رکھتا ہو۔''

کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض محدثین کے نزدیک یہ سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے الفاظ ہیں جو اس حدیث کے پہلے راوی ہیں۔ لیکن بعض علماء نے ان الفاظ کو اس حدیث کے ایک درمیانی راوی عبداللہ بن سلمہ رحمہ اللہ

کی طرف منسوب کیا ہے کہ انہوں نے اپنے شیخ سے یوں سنا۔

4: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو مسلمان کسی بیوہ یا مسکین شخص کی مالی امداد کرتا ہے اُسے جہاد کا ثواب ملتا ہے۔

جہاد کی ایک قسم مالی جہاد (جہاد بالمال) ہے۔ اس لیے غریبوں محتاجوں کی مالی ضروریات پوری کرنے سے بھی جہاد کا ثواب ملتا ہے۔

پھر راوی کا خیال ہے کہ یہ بھی فرمایا گیا تھا کہ ایسے شخص کو لگاتار نفل نماز پڑھنے یا مسلسل روزے رکھنے کے برابر ثواب ملتا ہے۔

5: اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ اسلام میں ہر وہ کام عبادت اور باعث اجر وثواب ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اُس کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کی نیت سے کیا جائے خواہ اس کام کا تعلق دین سے ہو، یا دنیا سے۔ گویا خدمت خلق پر بھی عبادت کا ثواب ملتا ہے۔

13: یتیم کی پرورش کا ثواب

13...... ((عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيْمِ لَهٗ، وَلِغَيْرِهٖ، فِي الْجَنَّةِ هٰكَذَا. وَاَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى وَفَرَّجَ بَيْنَهُمَا شَيْئًا .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4952 — صحیح بخاری، رقم 5304 — صحیح مسلم، رقم 7469
ابوداؤد، رقم: 5150 — ترمذی، رقم 1918

''حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا، خواہ وہ یتیم اُس کا عزیز ہو یا غیر رشتہ دار ہو، جنت میں اس طرح ہوں گے۔ اور آپ ﷺ نے شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی کے ساتھ اشارہ فرمایا اور پھر ان دونوں انگلیوں کے درمیان کچھ خلا رکھا۔''

تشریح:

1: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کسی یتیم، خواہ وہ رشتہ دار ہو یا رشتہ دار نہ ہو، کی پرورش کرنے والے مسلمان کو جنت میں نبی ﷺ کا اتنا قرب حاصل ہوگا جتنا انگشت شہادت یعنی کلمے والی انگلی اور اس کے ساتھ کی درمیانی انگلی کے درمیان فاصلہ ہوتا ہے۔ یہ بات حضور ﷺ نے اپنی انگلیوں کے اشارے سے سمجھائی۔

2: قرآنِ مجید میں بھی یتیموں سے حسن سلوک کی تاکید موجود ہے۔ مثال کے طور پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:
﴿وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ .... ﴾ (النساء: 36)
''اور تم اللہ کی عبادت کرو اور کسی کو اُس کا شریک نہ بناؤ۔ اور اچھا سلوک کرو اپنے والدین، رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں سے......''

بچپن میں نبی ﷺ خود یتیم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

﴿فَاَمَّا الۡیَتِیۡمَ فَلَا تَقۡهَرۡ ۝﴾ (الضحی: 9)

''لہذا آپ ﷺ کسی یتیم کو نہ ڈانٹیں۔''

ارشاد ہوا کہ یتیموں کا مال ناحق طور پر کھانے والے آخرت میں دوزخ کی آگ میں جلیں گے:

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ یَاۡکُلُوۡنَ اَمۡوَالَ الۡیَتٰمٰی ظُلۡمًا اِنَّمَا یَاۡکُلُوۡنَ فِیۡ بُطُوۡنِهِمۡ نَارًا ؕ وَ سَیَصۡلَوۡنَ سَعِیۡرًا ۝﴾ (النساء: 10)

''بے شک جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں اور عنقریب دوزخ کی بھڑکتی آگ میں ڈالے جائیں گے۔''

3: یتیم وہ ہے جو ابھی نابالغ ہو اور اُس کے سر سے باپ کا سایہ اُٹھ گیا ہو۔ یاد رہے کہ شریعت میں اُس بچے کو یتیم نہیں کہتے جس کی صرف ماں فوت ہوگئی ہو بلکہ صرف اُس بچے کو یتیم کہا جاتا ہے جس کا باپ فوت ہوگیا ہو، خواہ ماں زندہ ہو یا فوت ہو چکی ہو۔

4: اسلام سے پہلے دورِ جاہلیت میں یتیموں سے اچھا سلوک نہیں کیا جاتا تھا۔ اسلام نے یتیموں کے حقوق مقرر کیے۔ اُن پر شفقت کرنا، اُن کی پرورش کرنا اور اُن کے مال کی حفاظت کرنا نیکی قرار دیا۔

5: دنیا میں سب سے پہلے غالباً بنو عباس کے زمانے میں بغداد میں یتیم خانہ قائم ہوا تھا اور بعد میں اسپین میں بھی مسلمانوں نے یتیم خانے بنائے تھے۔

14: بچوں کو بوسہ دینا

14...... ((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: جَآءَ اَعْرَابِیٌّ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ: اَتُقَبِّلُوْنَ الصِّبْیَانَ فَمَا نُقَبِّلُهُمْ؟ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ: اَوَ اَمْلِكُ لَكَ اِنْ نَزَعَ اللّٰهُ مِنْ قَلْبِكَ الرَّحْمَةَ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4948 صحیح بخاری، رقم 5998 صحیح مسلم، رقم 6027

ابن ماجہ، رقم 3665 اللؤلؤ والمرجان، رقم 1496

''سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اُس نے پوچھا: کیا تم لوگ بچوں کا بوسہ لیتے ہو، ہم تو بچوں کا بوسہ نہیں لیتے۔ اس پر نبی ﷺ نے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ نے تیرے دل سے رحمت نکال دی ہے تو میں کیا کرسکتا ہوں؟''

تشریح:

1: اس حدیث میں ایک دیہاتی (بدو) کا ذکر ہے جس نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ کیا تم لوگ بچوں کا بوسہ لیتے ہو، ہم تو بچوں کا بوسہ نہیں لیتے۔

اس پر نبی ﷺ نے فرمایا: اگر تمہارے دل سے اللہ تعالیٰ نے رحمت کا جذبہ نکال دیا ہے تو میرا کیا زور ہے، میں پھر کیا کرسکتا ہوں۔

2: بچوں پر شفقت اور اُن کو پیار سے چوم لینا دراصل رحم اور رحم دلی کا وہ فطری جذبہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو عطا کیا ہے۔ مگر بعض سخت دل اور سنگ دل لوگوں کو اس سے محروم بھی کردیا جاتا ہے۔

نوٹ: مزید تفصیل کے لیے دیکھیے حدیث نمبر 15 کی تشریح۔

15: جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا اُس پر رحم نہیں کیا جاتا

15...... ((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَبَّلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ وَّعِنْدَهُ الْاَقْرَعُ بْنُ حَابِسٍ، فَقَالَ الْاَقْرَعُ: اِنَّ لِیْ عَشَرَةً مِّنَ الْوَلَدِ مَاقَبَّلْتُ مِنْهُمْ اَحَدًا، فَنَظَرَ اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ، ثُمَّ قَالَ:
مَنْ لَّا يَرْحَمْ لَا يُرْحَمْ .))

مشکوٰة المصابیح، رقم 4678 صحیح بخاری، رقم 5997 صحیح مسلم، رقم 6028
ابو داؤد، رقم 5218 ترمذی، رقم 1911 اللولو والمرجان، رقم 1497

''سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا بوسہ لیا۔ اُس وقت حضرت اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ وہاں موجود تھے۔ انہوں نے عرض کیا: میرے دس (10) بچے ہیں۔ میں نے کبھی اُن کا بوسہ نہیں لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے تعجب سے اُس کی طرف دیکھا اور پھر فرمایا:
جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا، اُس پر رحم نہیں کیا جاتا۔''

تشریح:

1: اس حدیث میں ایک واقعے کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے نواسے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا بوسہ لیا۔ اُس وقت اقرع بن حابس جو ایک سخت مزاج بدو تھے، آپ ﷺ کے پاس بیٹھے تھے۔ وہ یہ منظر دیکھ کر بولے کہ:

''میرے دس (10) بچے ہیں مگر میں نے آج تک ان میں سے کسی کا بوسہ نہیں لیا۔''

یہ سن کر نبی ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص دوسروں پر رحم نہیں کرتا، اُس پر رحم نہیں کیا جائے گا۔'' مطلب یہ ہے کہ جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا، اس کا حق دار نہیں رہتا کہ اللہ تعالیٰ اُس پر رحم کرے۔''

2: اسی مضمون کی یہ حدیث بھی ہے:

((عَنْ عَائِشَةَ رَضِىَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: جَآءَ اَعْرَابِیٌّ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: تُقَبِّلُوْنَ الصِّبْيَانَ؟

فَمَا نُقَبِّلُهُمْ ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: اَوَ اَمْلِكُ لَكَ اِنْ نَزَعَ اللّٰهُ مِنْ قَلْبِكَ الرَّحْمَةَ .))

(صحیح بخاری، رقم: 5998)

''سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک بدو شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: کیا تم لوگ بچوں کا بوسہ لیتے ہو؟ ہم تو اُن کا بوسہ نہیں لیتے۔ اس پر نبی ﷺ نے فرمایا: جب اللہ نے تمہارے دل سے رحم کو نکال لیا ہے تو میں کیا کرسکتا ہوں۔''

3: ترمذی کی ایک حدیث میں ہے کہ:

((اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمُكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ .))

(ترمذی، رقم: 1924)

''تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔''

مطلب یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ رحمدلی کا برتاؤ کرو گے تو اللہ تعالیٰ بھی تم پر رحم فرمائے گا۔

کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر

4: رحم یا رحم دلی کا تعلق رشتہ داروں سے بھی ہے جسے صلہ رحمی کہتے ہیں۔ اس میں ان کی ہر طرح سے مدد کرنا شامل ہے۔

5: رحم یا رحم دلی کا تعلق جانوروں سے بھی ہے انسان کو چاہیے کہ وہ جانوروں پر بھی رحم کرے اور اُن سے بے رحمی سے پیش نہ آئے۔

صحیح حدیث میں ہے کہ:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ: اَنَّ رَسُوْلَ ﷺ: قَالَ بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِيْ بِطَرِيقٍ ، اِشْتَدَّ عَلَيْهِ الْعَطَشُ ، فَوَجَدَ بِئْرًا فَنَزَلَ فِيهَا ، فَشَرِبَ ، ثُمَّ خَرَجَ ، فَإِذَا كَلْبٌ يَلْهَثُ يَأْكُلُ الثَّرٰى مِنَ الْعَطَشِ ، فَقَالَ الرَّجُلُ: لَقَدْ بَلَغَ هٰذَا الْكَلْبَ مِنَ الْعَطَشِ مِثْلُ الَّذِي كَانَ بَلَغَ بِيْ ، فَنَزَلَ الْبِئْرَ فَمَلَأَ خُفَّهُ ، ثُمَّ اَمْسَكَهُ بِفِيْهِ ، فَسَقَى الْكَلْبَ ، فَشَكَرَ اللّٰهُ لَهُ ، فَغَفَرَ لَهُ قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! وَإِنَّ لَنَا فِي الْبَهَائِمِ لَأَجْرًا؟ فَقَالَ: فِي كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ .))

(صحیح بخاری، رقم: 6009)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک مرتبہ ایک آدمی راستے پر جا رہا تھا۔ اُسے سخت پیاس لگی۔ اُسے راہ میں ایک کنواں نظر آیا۔ وہ اُس کے اندر اترا اور پانی پی کر باہر آ گیا۔ پھر اُس نے دیکھا کہ ایک کتا ہے جس کی زبان باہر نکلی ہوئی ہے۔ وہ پیاس کی شدت سے کیچڑ چاٹ رہا ہے۔ اس آدمی نے دل میں کہا کہ اس کتے کو بھی پیاس کی تکلیف ایسی ہی ہے جیسے مجھے تھی۔ اُس نے کتے پر رحم کھایا اور کنوئیں میں اترا۔ اپنے چمڑے کے موزے میں پانی بھر کر اُسے منہ میں تھام لیا اور کنوئیں سے باہر آ گیا۔ پھر اُس نے وہ پانی کتے کو پلا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کی اس رحم دلی کی قدر فرمائی اور اس پر اُسے بخش دیا۔ بعض صحابہ کرام نے حضور ﷺ سے یہ واقعہ سن کر پوچھا: یا رسول اللہ! کیا جانوروں پر ترس کھانے میں بھی ہمیں ثواب ملتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، ہر زندہ اور تر جگر رکھنے والے جانور (جاندار) کی تکلیف دور کرنے میں ثواب ہے۔''

6: خود جانوروں میں بھی رحم اور رحم دلی کا جذبہ پایا جاتا ہے ایک حدیث میں ہے کہ:

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ یَقُولُ: جَعَلَ اللّٰهُ الرَّحْمَةَ فِیْ مِائَةِ جُزْءٍ فَأَمْسَكَ عِنْدَهُ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ جُزْءًا، وَاَنْزَلَ فِی الْأَرْضِ جُزْءًا وَاحِدًا، فَمِنْ ذٰلِكَ الْجُزْءِ تَتَرَاحَمُ الْخَلْقُ، حَتّٰى تَرْفَعَ الْفَرَسُ حَافِرَهَا عَنْ وَلَدِهَا خَشْيَةَ أَنْ تُصِيبَهُ .))

(صحیح بخاری، رقم: 6000)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ: اللہ تعالیٰ نے رحمت کے سو (100) حصے بنائے۔ ان میں سے ننانوے (99) اپنے پاس رکھے اور ایک حصہ زمین پر اُتارا۔ اسی ایک حصے کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ گھوڑا اس اندیشے سے اپنے بچے پر پاؤں نہیں رکھتا کہ کہیں اس کو تکلیف نہ پہنچے۔''

7: اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں رحم کا تعلق مسلمانوں، رشتہ داروں، ہمسایوں، محتاجوں، مظلوموں اور جانوروں سب سے ہے اور انسانیت یہی ہے کہ دوسروں پر رحم کیا جائے۔

16۔حضور ﷺ کا اپنی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے پیار

16...... ((عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: مَا رَءَيْتُ اَحَدًا كَانَ اَشْبَهَ سَمْتًا وَّهَدْيًا وَّ دَلًّا ...... وَفِیْ رِوَايَةٍ: حَدِيْثًا وَكَلَامًا بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مِنْ فَاطِمَةَ ، كَانَتْ اِذَا دَخَلَتْ عَلَيْهِ ، قَامَ اِلَيْهَا ، فَاَخَذَ بِيَدِهَا فَقَبَّلَهَا ، وَاَجْلَسَهَا فِیْ مَجْلِسِهٖ . وَكَانَ اِذَا دَخَلَ عَلَيْهَا ، قَامَتْ اِلَيْهِ ، فَاَخَذَتْ بِيَدِهٖ ، فَقَبَّلَتْهُ ، وَاَجْلَسَتْهُ فِیْ مَجْلِسِهَا . "

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4689 ابوداؤد، رقم 5217 ترمذی، رقم 3872

''سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو اخلاق وعادات میں ...... ایک اور روایت کے مطابق ...... گفتگو اور بات چیت میں رسول اللہ ﷺ سے مشابہت رکھتا ہو، سوائے سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے۔ جب وہ حضور ﷺ کے ہاں آتیں تو آپ ﷺ اُن کے لیے کھڑے ہوجاتے، اُن کا ہاتھ پکڑ کر اُن کا بوسہ لیتے اور اُنہیں اپنی جگہ پر بٹھاتے۔ جب حضور ﷺ اُن کے ہاں تشریف لے جاتے تو وہ آپ ﷺ کے لیے کھڑی ہوجاتیں، آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر اُس کا بوسہ لیتیں اور آپ ﷺ کو اپنی جگہ پر بٹھاتیں۔''

تشریح:

رسول اللہ ﷺ کو اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بہت پیار تھا۔

صحیح بخاری میں حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِّنِّیْ ، فَمَنْ اَغْضَبَهَا اَغْضَبَنِیْ))

(صحیح بخاری، رقم : 3714)

''فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے جس نے اس کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔''

مسند احمد میں ہے کہ:

''حضرت جعفر، حضرت علی اور حضرت زید رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا:

آپ ﷺ کو سب سے زیادہ کس سے محبت ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: فاطمہ رضی اللہ عنہا سے۔''

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں سب سے چھوٹی تھیں۔ آپ جنت میں عورتوں کی سردار ہوں گی۔ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ آپ اعلیٰ اخلاق اور عمدہ اوصاف رکھتی تھیں۔ آپ کا لقب زہرہ اور بتول بھی ہے۔ علم و فضل اور فہم و فراست میں بھی بہت نمایاں تھیں۔

2ھ میں غزوۂ بدر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نکاح حضرت علیؓ سے کیا۔ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے دنیا کے بہترین انسان سے فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح کیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے محبت کرتے تھے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی محبوب شخصیت تھے۔

یہ نکاح نہایت سادگی سے ہوا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سب سے پیاری بیٹی کو اس موقع پر درج ذیل سامان دیا تھا کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پہلے سے کوئی گھر بار نہ تھا۔

1: کپڑے کا بستر جس میں اُون بھری ہوئی تھی۔

2: ایک چارپائی۔

3: چمڑے کا تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔

4: مٹی کے دو برتن یا گھڑے جن میں پانی بھرا جاتا تھا۔

5: چمڑے کا مشکیزہ۔

6: ایک پیالہ۔

7: ایک چکی، گندم یا جو پیس کر آٹا تیار کرنے کے لیے۔

8: ایک جائے نماز۔

9: دو چادریں۔

10: چاندی کے دو بازو بند

نکاح ہوگیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ولیمہ بھی کرو۔ چنانچہ مہر ادا کرنے کے بعد جو رقم بچی اس سے ولیمے کا بندوبست کیا گیا۔ ولیمے میں جَو کی روٹی، گوشت، کھجور اور پنیر شامل تھا۔ بچپن ہی سے حضرت فاطمہ بڑی باہمت تھیں۔ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کے پاس نماز میں مشغول تھے۔ قریش

کے چند مشرک سرداروں نے آپ ﷺ پر اونٹ کی اوجھڑی ڈالنے کی ناپاک جسارت کی جبکہ آپ سجدے کی حالت میں تھے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو پتہ چلا تو وہ دوڑی چلی آئیں اور آ کر آپ ﷺ کے اوپر سے اوجھڑی ہٹائی۔ پھر قریش کے سرداروں کو ان کی اس شرارت پر ڈانٹا اور برا بھلا کہا۔ ان میں سے کسی کو جواب میں کچھ کہنے کی ہمت نہیں ہوئی۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے اٹھارہ (18) احادیث مروی ہیں۔ آپ صداقت اور راست گوئی کا پیکر تھیں۔
حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہر بات میں اپنے والد ماجد سے مشابہ تھیں۔ چال ڈھال، اٹھنا بیٹھنا' اخلاق و عادات میں بالکل نبی ﷺ کی طرح تھیں۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں پانچ بچے پیدا ہوئے۔ تین لڑکے حسن، حسین اور محسن' دو لڑکیاں اُمّ کلثوم اور زینب۔ البتہ محسن بچپن ہی میں فوت ہو گئے تھے۔

حضرت محمد ﷺ کی اولاد میں سے صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو یہ شرف حاصل ہے کہ ان سے حضور ﷺ کی نسل باقی رہی، دنیا بھر میں پھیلی اور سادات کہلائی۔

چونکہ آپ کو نبی ﷺ سے بہت پیار تھا اس لیے حضور ﷺ کی وفات کے بعد بہت مغموم رہتی تھیں اور جب تک زندہ رہیں کبھی ہنسیں' نہ کبھی مسکرائیں۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا گھر کا کام کاج خود کرتی تھیں۔ نبی ﷺ نے آپ کو سونے سے پہلے یہ تسبیح پڑھنی سکھائی تھی۔ سبحان اللہ 33 بار' الحمد للہ 33 بار اور اللہ اکبر 34 بار پڑھنا۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جب نبی ﷺ کے مرض الموت میں آپ ﷺ کی عیادت کے لیے آئیں تو نبی ﷺ نے ان سے ایک ایسی راز کی بات کہی جو آپ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات سے نہیں کہی تھی۔
چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیح مسلم میں یہ روایت ہے کہ:

''نبی ﷺ کی تمام ازواج جمع تھیں۔ اتنے میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا چلتی ہوئی آئیں تو وہ بالکل نبی ﷺ کی طرح چلتی تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میری بیٹی کو خوش آمدید! پھر ان کو اپنے پاس بٹھایا اور ان کے کان میں ایک بات کہی تو وہ رونے لگیں۔ پھر دوبارہ ان کے کان میں بات فرمائی تو وہ مسکرانے لگیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے ان سے پوچھا: آپ کیوں روئیں اور پھر کیوں ہنسیں؟ انہوں نے جواب دیا: میں رسول اللہ ﷺ کا راز فاش نہیں کروں گی۔ پھر میں نے حضور ﷺ کے انتقال کے بعد فاطمہ رضی اللہ عنہا سے

اس بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: حضرت جبریل علیہ السلام ہر سال میرے ساتھ (رمضان میں) ایک دفعہ قرآن مجید کا دَور کرتے تھے۔ اس سال انہوں نے قرآن کا دَور دو دفعہ کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ میرا وقت قریب آ گیا ہے اور سب سے پہلے تم میرے ساتھ آملو گی اور میں تمہارے لیے سب سے بہتر آگے جانے والا ہوں۔ یہ سن کر میں رونے لگی۔ پھر نبی ﷺ نے دوبارہ مجھ سے سرگوشی کی اور فرمایا: کیا تو اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تم (جنت میں) مومنین کی عورتوں کی سردار ہو یا یہ فرمایا کہ اس امت کی عورتوں کی سردار ہو؟ تو یہ بات سن کر میں ہنس پڑی۔'' (صحیح مسلم' رقم: 6313)

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال نبی ﷺ کی رحلت کے چھ 6 ماہ بعد 11ھ کو ہوا۔ اس وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عمر 34 برس تھی۔ آپ کو مدینے کے قبرستان جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

17: جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ بھی اُس پر رحم نہیں کرے گا

17...... ((عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
لَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4947 صحیح بخاری، رقم 7376 صحیح مسلم، رقم 6030
ترمذی، رقم 1922 اللؤلؤ والمرجان، رقم 1498

''حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر رحم نہیں فرماتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔''

تشریح:

1: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو دوسرے انسانوں پر رحم نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ بھی اُس پر رحم نہیں کرے گا اور اُس کی بخشش نہ ہوگی۔

گویا جب کوئی شخص کسی اور کو اُس کا یہ حق نہیں دیتا کہ اُس پر رحم کرے تو وہ اپنا یہ حق بھی کھو دیتا ہے کہ اُس پر رحم کیا جائے۔ اس لیے ایسے شخص پر اللہ تعالیٰ بھی رحم نہیں کرتا۔

2: اس حدیث میں اَلنَّاسَ یعنی لوگوں کا ذکر ہے جن میں مسلمان اور غیر مسلم سب شامل ہیں۔ غیر مسلموں پر رحم اُن کو دین کی دعوت دینا اور اُن کو کسی دنیوی یا جسمانی تکلیف سے بچانا ہے۔

3: اس حدیث میں جانوروں کا ذکر نہیں ہے مگر اُن پر بھی رحم کیا جائے گا۔

نوٹ: مزید تفصیل کے لیے دیکھیے حدیث نمبر 15 کی تشریح۔

18: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے

18...... ((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
اَلْمُسْلِمُ اَخُ الْمُسْلِمِ، لا یَظْلِمُهٗ، وَلا یَخْذُلُهٗ، وَلا یَحْقِرُهٗ، اَلتَّقْوٰی هٰهُنَا. وَیُشِیْرُ اِلٰی صَدْرِهٖ ثَلٰثَ مِرَارٍ. بِحَسْبِ امْرِءٍ مِّنَ الشَّرِّ اَنْ یَحْقِرَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ، کُلُّ الْمُسْلِمِ حَرَامٌ: دَمُهٗ، وَمَالُهٗ، وَعِرْضُهٗ.))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4959 صحیح مسلم، رقم 6514 ابو داؤد، رقم: 4882
ترمذی، رقم 1927

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اُس پر ظلم کرتا ہے، نہ اُسے بے سہارا چھوڑتا ہے اور نہ اُسے حقیر سمجھتا ہے۔ تقویٰ یہاں ہے...... اور آپ ﷺ نے اپنے سینے کی طرف تین بار اشارہ کیا...... کسی شخص کے برا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ ہر مسلمان کا خون، اُس کا مال اور اُس کی عزت دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔''

تشریح:

اس حدیث میں کئی باتیں بیان ہوئی ہیں:

1: ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ سب کو ایک دوسرے سے بھائیوں کی طرح پیار محبت سے رہنا چاہیے۔

2: کوئی مسلمان دوسرے مسلمان بھائی پر ظلم و زیادتی نہ کرے۔

3: ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو اُس کی کسی مشکل میں تنہا اور بے سہارا نہ چھوڑے بلکہ اُس کی ہر ممکن مدد کرے۔

4: کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کو حقیر اور کمتر سمجھے۔ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور اپنے حقوق کے لحاظ سے برابر ہیں۔ صرف تقویٰ سے ایک کو دوسرے پر فضیلت

حاصل ہے اور تقویٰ ایسی چیز ہے جو بظاہر نظر نہیں آتی۔

5: تقویٰ اور پرہیزگاری کا مقام دل ہے۔ ہوسکتا ہے جس کو ہم حقیر سمجھیں اللہ تعالیٰ کے ہاں وہی متقی، پرہیزگار، معزز اور عزت والا ہو۔ کسی کی ظاہری حالت سے اُس کی باطنی حالت کا صحیح اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔

6: آدمی کے برا ہونے کے لیے یہی گناہ اور برائی کافی ہے کہ وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کو حقارت سے دیکھتا ہے۔

7: ہر مسلمان کی جان کا احترام کرنا ضروری ہے اور اُس کی جان لینا حرام ہے۔

8: ہر مسلمان کے مال کا احترام واجب ہے اور کسی ناحق طریقے سے اُس کا مال ہتھیا لینا حرام ہے۔

9: ہر مسلمان کی عزت وآبرو کا احترام لازمی ہے۔ اور اُس کی عزت سے کھیلنا حرام ہے۔

10: ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ دوسرے مسلمان بھائی کی جان، اُس کے مال اور اُس کی عزت وآبرو کا احترام کرے۔

19: مسلمان ایک جسم کی طرح ہیں

19...... ((عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكٰى عُضْوًا تَدَاعٰى لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4953 صحیح بخاری، رقم 6011 صحیح مسلم، رقم 6586
اللؤلؤ والمرجان، رقم 1671

''حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
تم دیکھو گے کہ مومنین باہمی رحم دلی، محبت والفت اور شفقت میں ایک ہی جسم کی طرح ہیں کہ جب کسی عضو کو تکلیف پہنچتی ہے تو اس کی وجہ سے سارا جسم رت جگے اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔''

تشریح:

1: اس حدیث میں مسلمانوں کے باہمی برادرانہ تعلقات کو ایک مثال کے ذریعے واضح کیا گیا ہے کہ جس طرح بدن کے ایک عضو کی تکلیف سے سارا بدن تڑپ اٹھتا ہے اسی طرح ایک مسلمان کی تکلیف سے پوری مسلم دنیا کو تڑپ اٹھنا چاہیے۔

2: ''تم دیکھو گے'' کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو ایسا ہونا چاہیے۔ ورنہ آج اگر دیکھا جائے تو مسلمانوں کے درمیان بھائی چارہ اور باہمی الفت ختم ہو چکی ہے، انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی۔ یہاں تک کہ کفار جب کسی مسلمان ملک پر حملہ کرتے ہیں تو باقی مسلمان ممالک اس کا تماشا دیکھتے ہیں اور بعض اوقات تو مسلمانوں کے خلاف کافروں کا ساتھ دیتے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

3: قرآنِ مجید نے مسلمانوں کے باہمی تعلقات کو رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ (الفتح:29) ''آپس میں رحم دل'' سے تعبیر کیا ہے کہ مسلمان ایک دوسرے کا ہم درد اور غم خوار ہوتا ہے۔

4: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مسلمانوں کو متحد اور متفق ہونے کی تاکید فرمائی ہے:
ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿وَ اعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ جَمِیۡعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوۡا۪﴾ (آل عمران : 103)

''اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو اور الگ الگ نہ ہو''

5: ایک اور مقام پر ارشاد ہوا کہ:

﴿اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَۃٌ ﴾ (الحجرات : 10)

''بے شک مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان کو ایک متحدہ جماعت کی شکل میں رہنے کا حکم دیا ہے اور فرقہ بندی سے روکا ہے اور ان کو آپس میں بھائی بھائی قرار دیا ہے۔ گویا امت مسلمہ کو امت واحدہ بننا چاہیے اور آپس میں بھائیوں کی طرح رہنا چاہیے۔

مگر بدقسمتی سے آج مسلمان سیاسی اور مذہبی لحاظ سے نااتفاقی کا شکار ہیں اور گروہوں اور قوموں میں بٹ کر دشمنانِ دین کے لیے تر نوالہ بنے ہوئے ہیں۔

6: اسی مضمون کی ایک حدیث یہ ہے:

((اَلۡمُؤۡمِنُ لِلۡمُؤۡمِنِ کَالۡبُنۡیَانِ یَشُدُّ بَعۡضُہٗ بَعۡضًا ، ثُمَّ شَبَّکَ بَیۡنَ اَصَابِعَہٗ .))

(صحیح بخاری' رقم: 6026۔ صحیح مسلم' رقم: 6585)

''مسلمان آپس میں ایک عمارت کی طرح ہیں جس کا ایک فرد دوسرے کو مضبوط کرتا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اپنی انگلیوں کو ملا کر دکھایا۔''

7: اسی طرح سنن ابی داؤد میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ:

((دَخَلَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ ﷺ الۡمَسۡجِدَ وَھُمۡ حِلَقٌ فَقَالَ: مَا لِیۡ اَرَاکُمۡ عِزِیۡنَ؟))

(ابو داؤد رقم: 4823)

''ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ مسجد نبوی میں تشریف لائے اس وقت ہم لوگ مختلف حلقے بنا کر بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا: میں کیا دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ الگ الگ ٹولیوں میں بیٹھے ہو؟''

گویا آپ ﷺ نے صحابہ کرام کے الگ الگ ٹولیوں میں بیٹھنے کو ناپسند فرمایا اور آپ ﷺ کو یہ پسند تھا کہ صحابہ کرام ایک جماعت ہو کر اکٹھے بیٹھیں۔

8: بھائی چارے، اخوت اور ایک جماعت بن کر رہنے کے لیے مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ نے یہ ہدایات بھی دی ہیں:

1: ((اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لا یَظْلِمُهٗ وَلا یُسْلِمُهٗ......)) (صحیح مسلم، رقم: 6578)

''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے وہ اس پر ظلم نہیں کرتا اور نہ اسے بے سہارا چھوڑتا ہے''

2: ((لا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ))

(صحیح مسلم، رقم: 170-171)

''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے وہی کچھ پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔''

9: نبی ﷺ نے مسلمانوں کی اخوت کا عملی مظاہرہ ہجرت کے بعد مدینے میں کیا جب آپ ﷺ نے انصار اور مہاجرین کے درمیان مواخات، یعنی بھائی چارہ قائم کیا تھا۔

20: مسلمان ایک عمارت کی مانند ہیں

20...... ((عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ:
الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ کَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهٗ بَعْضًا ، ثُمَّ شَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4955 — صحیح بخاری، رقم 6026 — صحیح مسلم، رقم 6585
نسائی، رقم 2560 — اللؤلؤ والمرجان، رقم 1670

''حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
ہر مومن دوسرے مومن کے لیے ایسی عمارت کی طرح ہوتا ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو مضبوط کرتا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں ڈال کر ملایا۔''

تشریح:

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی جماعت کو ایک ایسی عمارت سے تشبیہ دی ہے جس کا ہر حصہ دوسرے حصے کو تقویت دیتا اور اُس کے لیے سہارا بنتا ہے۔ گویا مسلمانوں کو ایک دوسرے سے مل جل کر بھائیوں کی طرح رہنا چاہیے۔ اسی سے وہ ایک مضبوط طاقت بن سکتے ہیں۔ ورنہ اگر وہ الگ الگ ہو گئے تو عمارت قائم نہیں رہ سکے گی اور وہ کمزور ہو جائیں گے۔ آخر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے سے پیوست کر کے ملا کر دکھایا کہ ان کو اس طرح باہم متحد اور متفق ہو کر رہنا چاہیے کیونکہ ان کی قوت کا اصل راز اُن کے باہمی اتحاد و اتفاق میں ہے۔

افسوس، آج مسلمان اس حدیث کی خلاف ورزی کر کے باہمی جنگ وجدال، فرقہ پرستی اور پارٹی بازی کا شکار ہو کر اپنی قوت کھو چکے ہیں اور اُمت ذلت وزوال میں گھری ہوئی ہے۔

نوٹ: مزید تفصیل کے لیے دیکھیے حدیث نمبر 19 کی تشریح۔

21: مسلمان ایک ہی فرد کی طرح ہیں

21...... ((عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
اَلْمُؤْمِنُوْنَ كَرَجُلٍ وَاحِدٍ، اِنِ اشْتَكٰى عَيْنُهٗ، اِشْتَكٰى كُلُّهٗ، وَاِنِ اشْتَكٰى رَاْسُهٗ، اِشْتَكٰى كُلُّهٗ.))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4954 صحیح مسلم، رقم 6589,6588
مسند احمد، رقم 18624

''سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
تمام اہل ایمان ایک فرد کی طرح ہیں کہ اگر اُس کی آنکھ دکھتی ہے تو سارا جسم دکھتا ہے اور اگر سر کو تکلیف ہوتی ہے تو پورے جسم کو تکلیف پہنچتی ہے۔''

تشریح:

1: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تمام مسلمان ایک فرد کی طرح ہیں اور پوری امت مسلمہ گویا ایک شخص ہے جس کی آنکھ میں کوئی تکلیف ہوجائے تو پورے انسان کو تکلیف پہنچتی ہے۔اور اگر اُس کے سر میں درد ہوتو پورا انسان اُس درد کو محسوس کرتا ہے۔

2: یہ حدیث مسلمانوں کو باہمی اتحاد اور بھائی چارے کا سبق دیتی ہے۔

3: ایک اور حدیث میں پوری امت کو ایک جسم قرار دیا گیا ہے جس کے کسی عضو کو کوئی تکلیف پہنچے تو سارا جسم اُس تکلیف میں مبتلا ہوجاتا ہے۔

4: اس حدیث سے یہ درس بھی ملتا ہے کہ تمام مسلمانوں کو یک جان، باہم متحد اور ایک مضبوط جماعت بن کر رہنا چاہیے۔

نوٹ: مزید تفصیل کے لیے دیکھیے حدیث نمبر 19 کی تشریح۔

22: ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر حقوق

22...... ((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
لِلْمُوْمِنِ عَلَى الْمُؤْمِنِ سِتُّ خِصَالٍ: يَعُوْدُهُ إِذَا مَرِضَ ، وَيَشْهَدُهُ إِذَا مَاتَ ، وَيُجِيْبُهُ إِذَادَعَاهُ ، وَيُسَلِّمُ عَلَيْهِ إِذَا لَقِيَهُ ، وَيُشَمِّتُهُ إِذَا عَطَسَ ، وَيَنْصَحُ لَهُ إِذَا غَابَ اَوْشَهِدَ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4630 صحیح مسلم، رقم 5651 ترمذی، رقم 2737
نسائی، رقم 1938 دارمی، رقم 2633

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
ایک مومن کے دوسرے مومن پر چھ (6) حقوق ہیں:

(1) جب وہ بیمار ہو تو اُس کی بیمار پرسی کرے۔
(2) جب وہ فوت ہو جائے تو اُس کے جنازے میں شریک ہو۔
(3) جب وہ دعوت دے تو اسے قبول کرے۔
(4) جب اُس سے ملے تو اُس کو سلام کرے۔
(5) جب اُسے چھینک آئے (اور وہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہے) تو اُس کے جواب میں یَرْحَمُكَ اللّٰهُ کہے۔
(6) اُس کی خیر خواہی کرے خواہ وہ موجود ہو یا غیر حاضر ہو۔

تشریح:

1: اس حدیث میں ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ (6) حقوق کا ذکر ہے۔ لیکن بعض دوسری احادیث میں صرف پانچ (5) حقوق کا ذکر بھی آیا ہے۔ ایسی صورت میں زیادہ حقوق والی حدیث، کم حقوق والی حدیث کی تشریح سمجھی جائے گی۔

2: ان حقوق کا مطلب یہ ہے کہ یہ فرائض یا کم سے کم واجبات ہیں جو ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو دینے کا پابند ہے۔

3: قرآن وسنت کی روشنی میں علمائے اسلام نے مسلمانوں کے ایک دوسرے پر حقوق کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے:

(1) وہ ایک دوسرے کی خیر خواہی کریں۔

(2) وہ ایک دوسرے کا اکرام واحترام کریں۔

(3) وہ ایک دوسرے کے کام آئیں۔

(4) وہ ایک دوسرے پر ظلم وزیادتی نہ کریں۔

(5) دو بھائیوں یا دو پارٹیوں کے درمیان لڑائی ہو جائے تو ان میں صلح کرائیں۔

(6) وہ ایک دوسرے کی جان' مال اور عزت وآبرو کی حفاظت کریں۔

(7) وہ ایک دوسرے کے بارے میں بدگمانی نہ کریں۔

(8) کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔

(9) کوئی دوسرے کی جاسوسی نہ کرے۔

(10) وہ ایک دوسرے کے عیبوں کی پردہ پوشی کریں۔

(11) وہ ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہوں۔

(12) وہ ملاقات کے وقت ایک دوسرے کو سلام کریں۔

(13) وہ ایک دوسرے کی دعوت قبول کریں۔

(14) جب کوئی مسلمان بیمار ہو تو اس کی عیادت کریں۔

(15) جب کوئی مسلمان مرجائے تو اس کے جنازے میں شرکت کریں۔

(16) چھینک کا جواب دیں۔

(17) آپس میں تحفے تحائف دیں تاکہ باہمی محبت بڑھے۔

(18) وہ کفار کے خلاف ایک اور متحد ہوں۔

23: کسی مسلمان سے قطع تعلقی تین دن تک ہے

23...... ((عَنْ اَبِی اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ:
لَا یَحِلُّ لِلرَّجُلِ اَنْ یَّھْجُرَ اَخَاہُ فَوْقَ ثَلٰثِ لَیَالٍ ، یَلْتَقِیَانِ فَیُعْرِضُ ھٰذَا وَیُعْرِضُ ھٰذَا ، وَخَیْرُ ھُمَا الَّذِیْ یَبْدَءُ بِالسَّلَامِ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 5027 | صحیح بخاری، رقم 6077 | صحیح مسلم، رقم 6532
ابوداؤد، رقم 4911 | ترمذی، رقم 1932 | اللؤلؤ والمرجان، رقم 1659

''حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
کسی آدمی کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلقی کرے۔ وہ اگر کہیں ملتے ہیں تو ایک دوسرے سے منہ پھیر لیتے ہیں لیکن اُن میں سے بہتر وہ ہوگا جو سلام کرنے میں پہل کرے۔''

تشریح:

1: اس حدیث میں مسلمانوں کے باہمی تعلقات کی درستی کی تعلیم ہے۔

2: کبھی کبھار باہم ناراض ہونے کے باوجود مسلمانوں کو ایک دوسرے سے قطع تعلقی نہیں کرنی چاہیے۔

3: دو روٹھے ہوئے مسلمانوں کو تین دنوں کے بعد ضرور صلح کر لینی چاہیے۔ اُن کی ناراضی ختم ہونی چاہیے کیونکہ ایک دوسرے کو چھوڑے رکھنے کی مدت زیادہ سے زیادہ تین دن راتیں ہیں۔

4: دو ناراض مسلمانوں میں سے جو ناراضی دور کرنے میں پہل کرے گا اور دوسرے کو سلام کرے گا، اُس کا درجہ بہتر اور افضل ہوگا۔

5: اس حدیث میں اگرچہ مسلمان مرد کا ذکر ہے لیکن اس حکم میں عورت بھی شامل ہے۔

نوٹ: مزید تفصیل کے لیے دیکھیے حدیث نمبر 22 کی تشریح۔

24: اپنے مسلمان بھائی کے لیے وہی کچھ پسند کرو جو خود اپنے لیے پسند کرتے ہو

24...... ((عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ! لَا یُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4961 — صحیح بخاری، رقم 13 — صحیح مسلم، رقم 171
نسائی، رقم 5039 — اللؤلؤ والمرجان، رقم 28

''سیّدنا انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
قسم اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! کوئی بندہ اُس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لے وہی کچھ پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔''

تشریح:

1: اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر یہ فرمایا ہے کہ کوئی بندہ اُس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی کچھ پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے کیونکہ مسلمانوں کی باہمی خیر خواہی، اخوت اور بھائی چارے کا یہی تقاضا ہے۔

2: بعض علماء اس طرح کی تمام احادیث جن میں "لَا یُؤْمِنُ" (وہ مومن نہیں) آیا ہے، سے یہ مراد لیتے ہیں کہ ایسا شخص کامل اور پورا مومن نہیں ہوتا جس میں فلاں صفت نہ پائی جائے اور اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اگر اُس میں یہ صفت نہیں پائی جاتی تو وہ کافر ہے۔

نوٹ: مزید تفصیل کے لیے دیکھیے حدیث نمبر 22 کی تشریح۔

25: مسلمان کی پردہ پوشی کرنا

25...... ((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ:
اَلْمُسْلِمُ اَخُ الْمُسْلِمِ ، لا يَظْلِمُهٗ ، وَلا يُسْلِمُهٗ ، وَمَنْ كَانَ فِيْ حَاجَةِ اَخِيْهِ كَانَ اللّٰهُ فِيْ حَاجَتِهٖ ، وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ كَرْبَةً مِنْ كُرُبَاتِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4958 صحیح بخاری، رقم 2442 صحیح مسلم، رقم 6578
ترمذی، رقم 1426 اللؤلؤ والمرجان، رقم 1667

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ وہ اُس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اُسے بے سہارا چھوڑتا ہے۔ جو اپنے کسی مسلمان بھائی کی ضرورت پوری کرے گا تو اللہ تعالیٰ بھی اُس کی ضرورت پوری کرے گا۔ جو اپنے کسی مسلمان بھائی کی کوئی پریشانی دور کرے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی بھی کوئی پریشانی دور فرمائے گا۔ جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بھی اُس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔“

تشریح:

اس حدیث سے درج ذیل باتیں معلوم ہوئیں:

1: ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ گویا دو مسلمانوں کا باہمی رشتہ دو بھائیوں جیسا ہوتا ہے۔

2: پھر جب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں تو ضروری ہے کہ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان بھائی پر کسی قسم کی زیادتی یا ظلم نہ کرے۔ اُسے مشکل اور مصیبت میں تنہا اور بے سہارا نہ چھوڑے بلکہ ایسے موقع پر اپنے بھائی کی پوری مدد کرے۔

3: مسلمانوں کو ایک دوسرے کی جائز حاجت اور ضرورت پوری کرنی چاہیے۔ یہ خدمت بے لوث ہونی چاہیے کسی دنیوی مفاد یا ریاکاری کے طور پر نہیں ہونی چاہیے اور نہ ہی احسان جتلانا چاہیے۔

4: جو مسلمان دوسرے مسلمان بھائی کی کوئی جائز حاجت یا ضرورت پوری کرتا ہے اور اُسے کسی مشکل سے

نجات دلاتا ہے تو آخرت میں اللہ تعالیٰ بھی اُس کی مشکلات آسان فرمائے گا۔

5: جو مسلمان دوسرے مسلمان کے کسی عیب کی پردہ پوشی کرے گا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بھی اُس کے عیبوں کی پردہ پوشی فرمائے گا۔

نوٹ: مزید تفصیل کے لیے دیکھیے حدیث نمبر 22 کی تشریح۔

26: حیا ایمان کا حصہ ہے

26...... ((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَرَّ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ وَهُوَ يَعِظُ اَخَاهُ فِی الْحَيَاءِ ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
دَعْهُ فَاِنَّ الْحَيَاءَ مِنَ الْاِيْمَانِ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 5070 صحیح بخاری، رقم 24 صحیح مسلم، رقم 154
اللؤلؤ والمرجان، رقم 22

''سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک انصاری کے پاس سے گزرے جو اپنے بھائی کو حیا کے بارے میں نصیحت کر رہا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:
اسے چھوڑ دو، حیا تو ایمان کا حصہ ہے۔''

تشریح:

قرآن و حدیث کی اصطلاح میں حیا کا لفظ بہت وسیع معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔شرم، غیرت، مروّت اور ہر برائی سے جھجھک کا نام حیا ہے۔ یہ ایک فطری اور اعلیٰ اخلاقی وصف ہے۔مردوں کے لیے حیا ضروری ہے مگر عورتوں کے لیے ان سے بھی زیادہ ضروری ہے۔

نبی کریم ﷺ کے بارے میں صحیح بخاری کی حدیث موجود ہے کہ آپ ﷺ کنواری لڑکی سے زیادہ حیا دار تھے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں حدیث ہے کہ ان سے فرشتے بھی حیا کرتے تھے۔

حیا کی صفت میں خیر اور بھلائی ہے۔ بے حیائی ایسی برائی ہے جس سے اور بہت سی برائیاں جنم لیتی ہیں اور جو انسان کی شخصیت، اُس کے خاندان اور پوری قوم کے لیے تباہ کن ہوتی ہے۔

ذیل میں شرم و حیا کے بارے میں چند قرآنی آیات اور چند احادیث پیش کی جاتی ہیں:

1۔شرم و حیا کے بارے میں قرآنی آیات:

شرم وحیا، غضِ بصر یعنی نگاہیں نیچی رکھنا، عورتوں کے لیے پردے کا اہتمام، ان سب امور کے لیے ذیل

میں چند قرآنی آیات دی جاتی ہیں:

1: ﴿ قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَo وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّo﴾

(النور: 30-31)

''(اے نبی ﷺ) آپ ﷺ مومن مردوں سے کہیں کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنے ستر کی حفاظت کریں۔ یہ ان کے لیے پاکیزہ طریقہ ہے۔ بے شک اللہ باخبر ہے اُس سے جو وہ کرتے ہیں۔ اور (اے نبی ﷺ) آپ ﷺ مومن عورتوں سے کہیں کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں، اپنے ستر کی حفاظت کریں اور اپنا بناؤ سنگھار ظاہر نہ کریں مگر جو اس میں سے خود بخود ظاہر ہو جائے۔ اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رکھیں......''

2۔ ﴿ يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ط وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًاo﴾

(الاحزاب: 59)

''اے نبی ﷺ! آپ ﷺ اپنی بیویوں سے، اپنی بیٹیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہیں کہ وہ گھر سے باہر نکلتے وقت اپنی چادروں کے گھونگھٹ لٹکا لیا کریں۔ اس سے جلدی پہچان ہو جائے گی اور انہیں کوئی چھیڑے گا نہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

3۔ ﴿ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ط ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّo﴾ (الاحزاب: 53)

''اور جب تم اُن (ازواج نبی ﷺ) سے کوئی چیز مانگو تو پردے کی اوٹ سے مانگو۔ یہ طریقہ تمہارے دلوں کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے اور ان کے دلوں کے لیے بھی۔''

4۔ ﴿ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ط وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌo﴾ (الاعراف: 26)

''اے آدم علیہ السلام کی اولاد! ہم نے ایسا لباس پیدا کیا جو تمہارے جسم کی ستر پوشی کرتا ہے اور

زینت بھی ہے۔لیکن پرہیزگاری کا لباس سب سے بہتر ہے۔''

2۔شرم وحیا کے بارے میں احادیث:

صحیح احادیث میں بھی شرم وحیا کے بارے میں احکام اور ہدایات موجود ہیں۔

1۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ شُعْبَةً ، فَاَفْضَلُهَا: قَوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَاَدْنَاهَا: اِمَاطَةُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ ، وَالْحَیَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ .))

(مشکوٰۃ المصابیح، رقم 5۔ صحیح بخاری، رقم 9۔ صحیح مسلم، رقم 152,153۔ ابو داؤد، رقم 4676۔ نسائی، رقم 5005۔ ترمذی، رقم 2614۔ ابن ماجه، رقم 57۔ اللؤلؤ والمرجان، رقم 21)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:
ایمان کی شاخیں ستر (70) سے کچھ اوپر ہیں۔ان میں سب سے افضل یہ کہنا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور سب سے ادنی یہ ہے کہ راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹا دی جائے اور حیاء بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔''

2۔ صحیح بخاری میں حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:
((اِنَّ مِمَّا اَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الْاُوْلٰی: اِذَا لَمْ تَسْتَحِ ، فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ)) (صحیح بخاری، رقم : 6120)
''لوگوں نے پہلے انبیاء کرام کے کلام میں یہ بات بھی پائی کہ: جب تو حیا نہ کرے تو پھر جو چاہے کر۔''

3۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی متفق علیہ حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:
((اَلْحَیَاءُ لَا یَاْتِیْ اِلَّا بِخَیْرٍ))

(صحیح بخاری، رقم 6117۔ صحیح مسلم، رقم156)

''حیا میں بھلائی ہی بھلائی ہے۔''

4۔ صحیح مسلم میں حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:
((لَا تَمْشُوْا عُرَاةً)) (صحیح مسلم، رقم 773)

''ننگے نہ چلو۔''

5۔ ابن ماجہ اور موطا (امام مالک) میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ لِكُلِّ دِينٍ خُلُقًا وَاِنَّ خُلُقَ الْاِسْلَامِ الْحَيَاءُ))

(ابن ماجه، رقم 4181۔ موطا، كتاب حسن الخلق)

''ہر دین کی ایک خاص صفت اور خوبی ہے اور اسلام کی صفت اور خوبی حیا ہے۔''

6۔ جامع ترمذی میں ہے کہ:

((اَرْبَعٌ مِنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِينَ: اَلْحَيَاءُ وَالتَّعَطُّرُ وَالسِّوَاكُ وَالنِّكَاحُ))

(جامع ترمذی، ابواب النكاح، حديث 1)

''چار چیزیں پیغمبروں کی سنت میں سے ہیں: حیا، خوشبو، مسواک اور نکاح کرنا۔''

7۔ سنن ابی داؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ حَيِيٌّ سِتِّيْرٌ يُحِبُّ الْحَيَاءَ وَالسَّتْرَ ......))

(سنن ابی داؤد، رقم 4012۔ سنن نسائی، رقم 406)

''بے شک اللہ تعالیٰ حیادار اور پردہ دار ہے، وہ حیا اور پردے کو پسند کرتا ہے۔''

حیا کو انسان کے اخلاق و کردار کی تعمیر میں بڑا دخل ہے۔ حیا کی وجہ سے انسان بہت سے گناہوں سے بچتا ہے اور تقویٰ اختیار کرتا ہے۔

27: اگر حیا نہیں، پھر جو چاہے کرو

27...... ((عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
اِنَّ مِمَّا اَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الْاُوْلٰى: اِذَا لَمْ تَسْتَحِيْ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 5072 صحیح بخاری، رقم 6120 ابوداؤد، رقم 4797 ابن ماجہ، رقم 4183

''سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
گزشتہ زمانے کے نبیوں کے کلام میں سے لوگوں نے یہ بات بھی پائی ہے کہ جب تو حیا نہیں کرتا تو پھر جو چاہے کر۔''

تشریح:

اس حدیث سے درج ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں:

1: اللہ تعالیٰ کے تمام پیغمبروں نے لوگوں کو شرم وحیا اختیار کرنے کی دعوت وتعلیم دی ہے۔ گویا پہلی تمام شریعتوں میں اس بارے میں حکم موجود رہا ہے۔

2: اللہ سبحانہٗ کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ جو شریعت لائے، اس میں بھی شرم وحیا کی تعلیم دی گئی ہے اور اسے اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

3: پھر یہ جو فرمایا گیا ہے کہ
''جب تو حیا نہیں کرتا تو پھر جو چاہے کر۔''
تو یہ اسی طرح کی تنبیہ کا اسلوبِ بیان ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

﴿اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ٥﴾ (حٰمٓ السجدہ: 40)

''تم لوگ جو چاہتے ہو، کرلو۔ یاد رکھو تم جو بھی کرتے ہو اللہ اُسے دیکھ رہا ہے۔''

اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز انسان کو برائی اور گناہ سے باز رکھتی ہے وہ شرم وحیا ہے۔ جب یہ نہ رہی تو آدمی ہر برائی اور گناہ کرلیتا ہے۔ لیکن ایسے بے شرم کو معلوم ہونا چاہیے کہ ایک ایسا دن بہت جلد آنے والا ہے جب اس کو اپنی ساری بے شرمیوں اور بے حیائیوں کی سخت سزا بھگتنی پڑے گی۔

نوٹ: مزید تفصیل کے لیے دیکھیے حدیث نمبر 26 کی تشریح۔

28: صبر اور شکر

28...... ((عَنْ صُهَيْبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:

عَجَبًا لِاَمْرِ الْمُؤْمِنِ! اِنَّ اَمْرَهٗ كُلَّهٗ لَهٗ خَيْرٌ، وَلَيْسَ ذَالِكَ لِاَحَدٍ اِلَّا لِلْمُؤْمِنِ، اِنْ اَصَابَتْهُ سَرَّآءُ شَكَرَ، فَكَانَ خَيْرًا لَهٗ، وَاِنْ اَصَابَتْهُ ضَرَّآءُ صَبَرَ، فَكَانَ خَيْرًا لَهٗ.))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 5297 — صحیح مسلم، رقم 7500 — دارمی، رقم 2777

''حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ اُس کے ہر کام میں خیر و برکت ہے اور یہ بات صرف مومن ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ اُسے جب کوئی نعمت ملتی ہے تو شکر کرتا ہے جو کہ اس کے لیے بہتر ہے۔ اور جب اُسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ صبر کرتا ہے اور یہ چیز بھی اُس کے حق میں بہتر ہے۔''

تشریح:

1: انسانی طبیعت دو حالتوں سے خالی نہیں ہوتی۔ یا تو وہ خوش گواری (Pleasantness) اور خوشی کی حالت میں ہوتی ہے، یا پھر ناخوش گواری (Unpleasantness) اور غم کی حالت میں ہوتی ہے۔

2: پھر جس شخص کا اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ ہو وہ خوشی میں اِتراتا اور آپے سے باہر ہوتا ہے جس پر اسے گناہ ملتا ہے۔ اگر وہ کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائے تو مایوس ہوتا، واویلا کرتا اور بعض اوقات خودکشی بھی کر لیتا ہے اور اس طرح وہ گناہ کا مرتکب ہو جاتا ہے۔

لیکن اس کے برعکس مومن کا معاملہ اور ہے۔ وہ خوشی میں اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کرتا اور اجر پاتا ہے اور غمی کی حالت میں صبر سے کام لیتا اور ثواب کماتا ہے۔ گویا ایک صاحب ایمان ہر حال اور ہر کیفیت میں سراسر فائدے میں رہتا ہے اور اپنے اجر و ثواب میں اضافہ کرتا رہتا ہے۔

شکر اور صبر کے بارے میں مزید تفصیل:

پہلے شکر کے بارے میں وضاحت دیکھیے:

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

((عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُومُ مِنَ اللَّيْلِ حَتّٰى تَفَطَّرَ قَدَمَاهُ فَقَالَتْ عَائِشَةُ: لِمَ تَصْنَعُ هٰذَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَقَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ؟ قَالَ: أَفَلَا أُحِبُّ أَنْ أَكُونَ عَبْدًا شَكُورًا؟......)) (صحيح بخاری، رقم : 4837)

''نبی ﷺ رات کو (نماز میں) اس قدر قیام فرماتے کہ آپ ﷺ کے پاؤں مبارک پھٹ جاتے اور ان پر ورم آ جاتا اور وہ سوجھ جاتے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف کر دیے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں نہیں چاہتا کہ اللہ کا شکر گزار بندہ بن جاؤں۔''

اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو آخری نبی بنا کر بھیجا اور آپ ﷺ کی تمام پچھلی خطائیں معاف فرما دیں جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ ۝﴾ (الفتح: 2)

''تاکہ اللہ آپ ﷺ کی اگلی پچھلی خطائیں معاف فرمادے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ یہ جو نبی ﷺ نفلی عبادت میں مشقت اٹھاتے تو اس لیے کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ بننا پسند تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو شکر گزار بندے پسند ہیں اور ناشکرے ناپسند ہیں اس حوالے سے چند قرآنی آیات ملاحظہ ہوں:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

1. ﴿فَاذْكُرُونِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ۝﴾ (البقرة: 152)

''لہٰذا تم مجھے یاد رکھو میں تمہیں یاد رکھوں گا اور میرا شکر ادا کرو اور میری ناشکری نہ کرو۔''

2. ﴿وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝﴾ (النحل: 114)

''اور اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو اگر تم واقعی اس کی عبادت کرتے ہو۔''

3. ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ۝﴾ (الحج: 38)

''بے شک اللہ خیانت کرنے والوں اور ناشکروں کو پسند نہیں کرتا۔''

4. ﴿وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ

الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ۝﴾ (ابراھیم: 34)

''اور اس (اللہ) نے تمہاری تمام ضروریات پوری کیں۔ اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گنو تو شمار نہیں کر سکتے۔ بے شک انسان بہت بے انصاف اور ناشکرا ہے۔''

ایک حدیث ہے کہ:

((مَنْ لَّا يَشْكُرِ النَّاسَ لَا يَشْكُرِ اللّٰهَ)) (ترمذی، رقم: 1954)

''ہمیں بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر کرنا چاہیے اور ناشکری نہیں کرنی چاہیے۔''

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ۝﴾ (البقرہ: 276)

''اور اللہ کسی ناشکرے اور گناہ گار کو پسند نہیں کرتا۔''

اللہ تعالیٰ کے احسانات اور اُس کی نعمتوں کی قدر نہ کرنا ناشکری ہے۔ اسے کفرانِ نعمت بھی کہتے ہیں اور یہ سخت گناہ ہے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی نعمتوں کا ہر وقت شکر ادا کرنا چاہیے۔ اس سے اللہ سبحانہٗ راضی اور خوش ہوتا ہے۔ پھر وہ ہمیں مزید نعمتوں سے نوازتا ہے اور اسی کی بدولت وہ آخرت میں جنت کی نعمتیں عطا فرمائے گا۔ قرآن مجید میں شکر کی تعریف اور ناشکری کی مذمت کی گئی ہے۔

قرآنی آیات:

ناشکری کے حوالے سے چند آیات ذیل ہیں:

1۔ ﴿فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ۝﴾ (البقرۃ: 152)

''لہٰذا تم مجھے یاد رکھو، میں تمہیں یاد رکھوں گا۔ میرا شکر کرو اور میری ناشکری نہ کرو۔''

2۔ ﴿وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ۝﴾ (ابراھیم: 34)

''اور اُس (اللہ) نے تمہاری تمام ضروریات پوری کیں۔ اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گنو تو شمار نہیں کر سکتے۔ بے شک انسان بہت بے انصاف اور ناشکرا ہے۔''

3۔ ﴿وَاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝﴾ (النحل: 114)

''اور اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو اگر تم واقعی اُسی کی عبادت کرتے ہو۔''

ہمیں اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا چاہیے اور ناشکری نہیں کرنی چاہیے۔ شکر گزاری اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ اسی سے وہ خوش اور راضی ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ہمیں انسانوں کے احسانات کا شکریہ بھی ادا کرنا چاہیے۔

اب صبر کے بارے میں تفصیل:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ۝﴾ (آل عمران: 146)

''اور اللہ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ صبر بے بسی اور بے چارگی کی، اُس کیفیت کا نام ہے جب کوئی شخص اپنے دشمن سے کسی مجبوری کی وجہ سے بدلہ نہ لے سکتا ہو۔ لیکن یہ صبر کا صحیح مفہوم نہیں ہے۔

عربی زبان میں ''صبر'' کے لفظی معنی ''روکنے'' اور ''سہارنے'' کے ہیں۔ اس کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو پریشانی، گھبراہٹ اور بے قراری سے روکے۔ دشمن سے جنگ کے وقت ثابت قدمی او راستقامت دکھائے۔ مشکل حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرے۔ اپنے موقف پر مضبوطی سے قائم رہے اور تحمل و برداشت سے کام لے۔

اسلامی تعلیمات میں صبر کی بڑی اہمیت اور فضیلت ہے۔ قرآن و حدیث میں جا بجا اہل ایمان کو صبر کرنے کی بہت تاکید کی گئی ہے۔ حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ کو بھی صبر کرنے کی تلقین کی گئی۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾ (الاحقاف: 35)

''اے نبیؐ! آپ صبر کریں جیسے ہمت والے رسولوں نے صبر کیا۔''

ذیل میں صبر کے حوالے سے چند قرآنی آیات دی جا رہی ہیں ان سے صبر کی اہمیت اور فضیلت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

1. ﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ۝﴾ (آل عمران: 146)

''اور اللہ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

2. ﴿وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝﴾ (البقرۃ: 249)

''بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

3. ﴿وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝﴾ (الانفال: 46)

''اور صبر کرو۔ بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

4. ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝﴾

(البقرۃ: 153)

''اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد لو۔ بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

5. ﴿اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝﴾ (الزمر: 10)

''بے شک صبر کرنے والوں کو اُن کا اجر بے حساب دیا جائے گا۔''

6. ﴿اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۝﴾ (الفرقان: 75)

''یہی لوگ ہیں جنہیں اُن کے صبر کے بدلے میں جنت کے اُونچے بالا خانے ملیں گے جہاں ان کا استقبال دعا اور سلام کے ساتھ ہوگا۔ وہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہ کیسی عمدہ جگہ ہے ٹھہرنے کی اور کیسی اچھی جگہ ہے رہنے کی۔''

ان تمام آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو صبر اور صبر کرنے والے لوگ پسند ہیں۔

صبر کی حقیقت میں یہ شامل ہے کہ آدمی کسی مصیبت کے وقت بے قرار نہ ہو، وہ مشکلات کو خاطر میں نہ لائے، برائی کرنے والوں سے درگزر کرے اور جہاد میں ثابت قدم رہے۔ گویا صبر ضبطِ نفس کا دوسرا نام ہے۔

صبر کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ کر رکھا ہے۔ صبر سے گناہ معاف ہوتے ہیں، درجات بلند ہوتے ہیں اور فتح و کامیابی حاصل ہوتی ہے۔

آج دنیا میں نیکی کے کام نفس کو ناگوار محسوس ہوتے ہیں مگر ان کا انجام دوزخ ہے کیونکہ صادق و مصدوق نبی ﷺ نے فرمایا کہ:

((حُجِبَتِ (حُفَّتِ) الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ وَحُجِبَتِ (حُفَّتِ) النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ))

(صحیح بخاری، رقم 6487۔ صحیح مسلم، رقم 7130)

''جنت ناگواری اور ناخوشی کے کاموں میں اور دوزخ نفسانی خواہشات کے کاموں میں ڈھانپی گئی ہے۔''

29: اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا (1)

29...... ((عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: لَوْ اَنَّكُمْ تَتَوَكَّلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ حَقَّ تَوَكُّلِهٖ، لَرَزَقَكُمْ كَمَا يَرْزُقُ الطَّيْرَ، تَغْدُوْ خِمَاصًا وَّتَرُوْحُ بِطَانًا.))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 5299 ترمذی، رقم 2344 ابن ماجہ، رقم 4164

''سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا:
اگر تم لوگ اللہ پر اس طرح توکل کرو جیسے اُس پر توکل کرنے کا حق ہے تو وہ تمہیں اسی طرح روزی دے جس طرح وہ پرندوں کو روزی دیتا ہے، جو صبح کو بھوکے پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو سیر ہو کر واپس آ جاتے ہیں۔''

تشریح:

اِس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر بندے اللہ تعالیٰ پر صحیح توکل کریں تو اللہ تعالیٰ اُن کو ضرور روزی عطا فرمائے گا۔ صحیح توکل یہ ہے کہ کسی کام کو کرنے کے لیے پوری کوشش کی جائے۔ ساری تدبیریں اختیار کی جائیں۔ سارے وسائل و ذرائع بروئے کار لائے جائیں اور پھر نتیجہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ سے اُمید رکھی جائے کہ وہ ہمارا مددگار ہے۔ ہمیں کامیابی عطا فرمائے گا۔ اگر اُسے ہماری کامیابی منظور نہیں تو کوئی اور کامیابی نہیں دے سکتا۔

پھر اس حدیث میں پرندوں کی مثال دے کر سمجھایا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے صبح سویرے خالی پیٹ اپنے گھونسلوں سے باہر نکلتے ہیں اور اِدھر اُدھر دانہ چگ کر اپنا پیٹ بھر لیتے ہیں اور شام کو واپس اپنے گھونسلوں میں پہنچ جاتے ہیں۔ مگر ایسا نہیں ہوتا کہ وہ اپنے گھونسلوں میں بیٹھے رہیں اور محنت ومشقت نہ کریں اور اُن کو وہیں روزی مل جائے بلکہ اُن کو بھی گھونسلوں سے اُڑ کر باہر کھیتوں اور باغوں وغیرہ میں جانا پڑتا ہے اور اپنی روزی تلاش کرنی پڑتی ہے۔

توکل کے حوالے سے مزید تفصیل:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ﴾ (آل عمران : 159)

''بے شک اللہ توکل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

توکل کے لفظی معنیٰ ''بھروسا کرنے'' کے ہیں۔اصطلاح میں توکل سے مراد اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرنا ہے۔

ہمارے ہاں عام لوگوں اور جھوٹے صوفیوں میں توکل کا یہ مطلب لیا جاتا ہے کہ کسی کام کے لیے کوئی محنت اور کوشش نہ کی جائے اور یہ سمجھا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ کرنا ہو گا وہ خود کر دے گا۔گویا جو کچھ تقدیر میں ہے وہ ہو کر رہے گا۔کسی کام کی تدبیر اور اس کے لیے اسباب و وسائل کی کوئی ضرورت نہیں۔

لیکن توکل کا مذکورہ بالا مفہوم سراسر غیر اسلامی ہے۔اسے توکل کی بجائے تعطل کہنا چاہیے ؎

خبر نہیں کیا ہے نام اس کا ، خدا فریبی کہ خود فریبی
عمل سے فارغ ہوا مسلماں ، بنا کے تقدیر کا بہانہ

(اقبال)

مومن کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے ہر کام میں صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھے۔دل کے اسی یقین کا نام توکل ہے۔مولانا ظفر علی خاں کا ایک شعر ہے:

توکل کا یہ مطلب ہے کہ خنجر تیز رکھ اپنا
پھر انجام اُس کی تیزی کا مقدر کے حوالے کر

اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول حضرت محمد ﷺ کو حکم دیا ہے کہ وہ معاملات میں صحابہ کرام سے مشورہ کریں۔پھر جب کسی کام کے کرنے کا فیصلہ اور عزم کر لیں تو اس کے لیے پوری کوشش کریں۔تمام اسباب و وسائل کام میں لائیں اور پھر نتیجہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں۔یہ توکل ہے۔اس طرح کا توکل کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے۔چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے کہ:

﴿وَ شَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِیْنَ۝﴾ (آل عمران: 159)

''اور آپؐ معاملات میں اُن سے مشورہ کریں۔پھر جب کسی کام کا فیصلہ کر لیں تو اللہ کے بھروسے پر اُسے کر گزریں۔بے شک اللہ اُن لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اُس پر توکل کرتے ہیں۔''

توکل اور بھروسے کے حوالے سے ذیل میں چند قرآنی آیات لکھی جاتی ہیں:

1۔ ﴿وَمَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ﴾ (الطلاق: 3)

''اور جو اللہ پر بھروسا کرے تو وہ اُس کے لیے کافی ہے۔''

2. ﴿فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا۝﴾ (النسآء: 81)

''لہٰذا آپ ﷺ اُن سے منہ موڑ لیں اور اللہ پر توکل کریں اور اللہ ہی بھروسے کے لیے کافی ہے۔''

3. ﴿وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۝﴾ (الانفال: 81)

''اور اللہ پر بھروسا کر۔ بے شک وہ سننے والا جاننے والا ہے۔''

4. ﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ۝﴾ (التوبہ: 129)

''پھر اگر وہ منہ پھیر لیں تو آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ میرے لیے اللہ کافی ہے۔اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔اُسی پر میرا بھروسا ہے اور وہ عرشِ عظیم کا مالک ہے۔''

5. ﴿فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ۝﴾ (النمل: 79)

''لہٰذا آپ ﷺ اللہ پر بھروسا کریں بے شک آپ ﷺ واضح حق پر ہیں۔''

6. ﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ﴾ (الفرقان: 58)

''اور آپ ﷺ اُس زندہ خدا پر بھروسا کریں جو لافانی ہے اور اُسی کی حمد و ثنا کے ساتھ تسبیح کریں۔''

7. ﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ۝﴾ (الشعراء: 217)

''اور آپ ﷺ اُس اللہ پر توکل کریں جو بڑا زبردست بھی ہے اور نہایت مہربان بھی۔''

صحیح احادیث میں بھی توکل کی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے۔

ایک ضعیف حدیث میں ہے کہ ایک بدوی اونٹ پر سوار ہو کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میں اونٹ کو یونہی چھوڑ کر اللہ پر توکل کروں، یا اُسے باندھ کر رکھوں؟

حضور ﷺ نے فرمایا:

''اُسے باندھو اور پھر اللہ پر توکل کر۔'' (ترمذی، شعب الایمان، کنزالعمال)

نوٹ: توکل کے بارے میں مزید تفصیل کے لیے دیکھیے حدیث نمبر 30 کی تشریح۔

30: توکل کرنا (2)

30...... ((عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ:
یَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ اُمَّتِی سَبْعُوْنَ اَلْفًا بِغَیْرِ حِسَابٍ، هُمُ الَّذِیْنَ لَا یَسْتَرْقُوْنَ، وَلَا یَتَطَیَّرُوْنَ، وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ.))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 5295 صحیح بخاری، رقم 6472 صحیح مسلم، رقم 527,525
اللؤلؤ والمرجان، رقم 131

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
میری اُمت کے ستر ہزار (70,000) افراد بغیر کسی حساب کتاب کے جنت میں جائیں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو جھاڑ پھونک نہیں کراتے اور نہ بدشگونی لیتے ہیں بلکہ صرف اپنے ربّ پر بھروسا کرتے ہیں۔''

تشریح:

1: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ امتِ مسلمہ میں سے ایسے ستر ہزار (70,000) افراد بغیر حساب جنت میں جائیں گے جو کسی مشکل کے وقت مشرکانہ جھاڑ پھونک اور تعویذ گنڈا نہیں کراتے اور نہ بدشگونی لیتے ہیں بلکہ صرف اپنے ربّ پر بھروسا رکھتے ہیں۔

2: اس حدیث میں جتنی تعداد کے افراد کا بغیر حساب جنت میں داخل ہونے کا ذکر ہے بعض دوسری احادیث میں ان کے علاوہ بھی بہت بڑی تعداد بغیر حساب جنت میں جائے گی۔

3: توکل کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اپنی طرف سے پوری محنت اور کوشش کرے اور تمام متعلقہ وسائل واسباب کام میں لائے اور پھر نتیجہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دے ۔

مالی دا کم پانی دینا بھر بھر مشکاں پاوے
مالک دا کم پھل پھل لانا لاوے یا نہ لاوے

(محمد بخش)

توکل کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ سرے سے کوئی محنت نہ کی جائے، نہ اسباب ووسائل سے کام لیا

جائے اور محض ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہا جائے۔ظاہر ہے یہ توکل نہیں بلکہ تعطل ہے۔

4: قرآنی یا مسنون دعاؤں کے الفاظ یا ایسے الفاظ سے دم کرنا درست ہے جن میں شرک نہ پایا جاتا ہو، یا جو شریعت کے خلاف نہ ہوں۔

5: پرندوں، جانوروں، بلیوں اور کووں وغیرہ سے شگون یا بدفالی لینا جائز نہیں۔ یہ سب توہمات (Superstitions) میں سے ہے۔

6: کسی اچھے واقعے سے نیک فال یا مثبت (Positive) شگون لینا جائز ہے۔

نوٹ: مزید تفصیل کے لیے دیکھیے حدیث نمبر 29 کی تشریح۔

31: تواضع اور انکساری

31...... ((عَنْ عِيَاضِ بْنِ حِمَارِ الْمُجَاشِعِيِّ رضي الله عنه اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اِنَّ اللّٰـهَ اَوْحٰـى اِلَيَّ: اَنْ تَوَاضَعُوْا حَتّٰى لَا يَفْخَرَ اَحَدٌ عَلٰى اَحَدٍ، وَلَا يَبْغِيْ اَحَدٌ عَلٰى اَحَدٍ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4898 — صحیح مسلم، رقم 7210
ابن ماجه، رقم 4179 — ابوداؤد، رقم 4895

''حضرت عیاض بن حمار مجاشعی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی بھیجی ہے کہ تم تواضع اختیار کرو تا کہ کوئی کسی پر فخر وغرور کا اظہار نہ کرے اور نہ کسی پر ظلم کرے۔''

تشریح:

1: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وحی (خفی) کے ذریعے نبی ﷺ کی طرف لوگوں کے لیے یہ حکم بھیجا ہے کہ وہ تواضع اور خاکساری اختیار کیا کریں، تکبر اور سرکشی سے بچیں، دوسروں پر فخر وغرور کا اظہار نہ کریں اور کوئی شخص دوسرے پر ظلم وزیادتی نہ کرے۔

2: بڑائی اور کبریائی صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ بندے کو اپنی اوقات میں رہتے ہوئے عاجزی، تواضع اور خاکساری اختیار کرنی چاہیے۔

3: تواضع اور خاکساری اختیار کرنے کا مطلب ہے کہ بندے کی چال ڈھال میں غرور نہ ہو، بول چال میں سختی اور کرختگی نہ ہو، دوسروں کا احترام کیا جائے، لوگوں سے بے رُخی نہ برتی جائے اور زمین پر اکڑ کر نہ چلا جائے۔

4: یاد رہے تواضع اور خاکساری کا مطلب ذلت، پستی اور بے بسی نہیں ہے۔ ان دونوں کا فرق ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہیے۔ پہلی چیز شرافت ہے اور دوسری کمینگی ہے۔

5: لیکن جہاد کے وقت میدانِ جنگ میں قوت وطاقت اور سختی کا مظاہرہ ہونا چاہیے وہاں تواضع کام نہیں دیتی۔

32۔قناعت پسندی

32...... ((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
قَدْ اَفْلَحَ مَنْ اَسْلَمَ، وَرُزِقَ كَفَافًا، وَقَنَّعَهُ اللّٰهُ بِمَا آتَاهُ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 5165 صحیح مسلم، رقم 2426 ترمذی، رقم 2348
ابن ماجه، رقم 4138

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
وہ شخص کامیاب ہوگیا جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی، جسے ضرورت کے مطابق روزی مل گئی اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اُسے دیا اُس نے اُسی پر قناعت کر لی۔''

تشریح:

1: یہ حدیث قناعت پسندی کا درس دیتی ہے۔قناعت یہ ہے کہ جو تھوڑا بہت ملا ہے اسی پر مطمئن رہا جائے اور زیادہ کی حرص اور لالچ سے بچا جائے۔

2: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کامیاب اسلامی زندگی وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہو، ضرورت کے مطابق روزی میسر ہو اور بندہ اسی پر قناعت کرلے۔ رہا دنیا کا مال ودولت تو وہ ایک پسندیدہ اور مرغوب چیز ہے۔ جو شخص اسے کھلے دل کے ساتھ لیتا ہے اس کے لیے اس میں برکت ہوتی ہے اور جو لالچ اور طمع سے لیتا ہے اس کی ہوس کبھی ختم نہیں ہوتی۔ پھر وہ ایسے آدمی کی طرح ہوجاتا ہے جو کھاتا رہتا ہے مگر اس کا پیٹ نہیں بھرتا۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے۔
نبی کریم ﷺ نے اپنے ایک صحابی حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کو بھی یہ ساری نصیحتیں فرمائی تھیں لیکن یہ سب لوگوں کے لیے ہیں۔

3: اصل نکتہ یہ ہے کہ دولت مندی کا تعلق مال سے نہیں ہے بلکہ دل سے ہے۔غنی وہ ہے جس کا دل غنی ہے۔حریص اور لالچی شخص ہمیشہ غریب ہی رہتا ہے، چاہے اس کے پاس قارون کا خزانہ ہو۔
ایک اور حدیث میں اسی حقیقت کو واضح کیا گیا ہے۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ

نے فرمایا:

((لَيْسَ الْغِنٰى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ، وَلٰكِنَّ الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ .))

(صحیح بخاری، رقم 6446)

''امیری اور دولت مندی مال واسباب کی کثرت کا نام نہیں ہے، بلکہ اصلی امیری اور دولت مندی دل کی بے نیازی ہے۔''

اسی حدیث کے مفہوم کو شیخ سعدی رحمہ اللہ نے اپنی فارسی کتاب ''گلستان'' میں یوں بیان کیا ہے:

تونگری بدل است نہ بہ مال

(دولت مندی کا تعلق دل سے ہے، مال سے نہیں ہے)

کسی نے کیا خوب واعظانہ بات کہی ہے کہ ''زندگی اعمال سے بنتی ہے، مال سے نہیں۔''

اس سلسلے میں درج ذیل حدیث بھی پیش نظر رکھنی چاہیے:

((اِذَا نَظَرَ اَحَدُكُمْ اِلٰى مَنْ هُوَ فُضِّلَ عَلَيْهِ فِي الْمَالِ وَالْخَلْقِ فَلْيَنْظُرْ اِلٰى مَنْ هُوَ اَسْفَلَ مِنْهُ مِمَّنْ فُضِّلَ عَلَيْهِ .))

(صحیح بخاری، رقم 6490، صحیح مسلم، رقم 7428)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب تم میں سے کوئی ایسے شخص کو دیکھے جو اس سے مال اور جسم میں بڑھ کر ہے تو اسے چاہیے کہ اپنے سے کمتر شخص کی طرف بھی دیکھ لے۔''

یہ حدیث بھی انسان میں صبر اور شکر کے اعلیٰ اوصاف پیدا کرتی ہے جو اگر ایک مسلمان میں جمع ہو جائیں تو وہ کامل ایمان والا اور خوش قسمت انسان بن جاتا ہے۔

بندے کو چاہیے کہ وہ مال و دولت کے معاملے میں اپنے سے زیادہ امیروں کو نہ دیکھے بلکہ اپنے سے کم مال والوں اور غریبوں کو دیکھے۔ اس سے اس کے اندر صبر اور شکر کا جذبہ پیدا ہوگا۔ وہ یہ سمجھے گا کہ دنیا میں کتنے ہی لوگ ہیں جو اس سے کم وسائل رکھتے ہیں اور پھر بھی جی رہے ہیں اور مجھے زیادہ دولت کے اسباب میسر ہیں۔ لہٰذا مجھے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس نے مجھے دوسروں سے زیادہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں اور زیادہ دولت والوں کے مقابلے میں صبر سے کام لینا چاہیے۔

اس کے علاوہ جامع ترمذی کی ایک حدیث میں یہ مضمون زیادہ ہے کہ دین کے معاملے میں اپنے سے اوپر والوں کی طرف دیکھنا چاہیے تاکہ نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ان کے برابر ہونے کی کوشش کی جائے، بلکہ اُن سے بھی آگے بڑھنے کی ہمت کی جائے تاکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بندے کا مرتبہ بلند ہو جائے۔

33: رفق اور نرم مزاجی

33...... ((عَنْ جَرِيْرٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ:
مَنْ يُحْرَمِ الرِّفْقَ يُحْرَمِ الْخَيْرَ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 5069 صحیح مسلم، رقم 6598 ابو داؤد، رقم 4809
ابن ماجہ، رقم 3687

''حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جوشخص نرم مزاجی سے محروم ہوا وہ ہر بھلائی سے محروم ہوگیا۔''

تشریح:

1: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ رفق اور نرمی اتنی بڑی بھلائی اور نعمت ہے کہ جو اس سے محروم اور خالی رہا وہ گویا ہر قسم کی اچھائی اور بھلائی سے خالی ہاتھ رہ گیا۔

دوسرے الفاظ میں چونکہ انسان کی اکثر نیکیوں اور بھلائیوں کا سرچشمہ اور سبب نرم مزاجی اور رفق ہے اس لیے نرم مزاجی سے محرومی کا مطلب ہر قسم کی اچھائی اور بھلائی سے محروم ہونا ہے۔

2: ایک اور حدیث میں ہے کہ:

((اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْاَمْرِ كُلِّهٖ))

(صحیح بخاری، رقم6024۔ صحیح مسلم، رقم 5656۔ ترمذی، رقم 2701۔ ابن ماجہ: 3689)

''بے شک اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں نرم خوئی کو پسند کرتا ہے۔''

3: ایک اور حدیث میں ہے کہ:

((اِنَّ اللّٰهَ رَفِيْقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ)) (صحیح مسلم، رقم6601۔ ابو داؤد، رقم 4807)

''بے شک اللہ تعالیٰ نرم خو ہے اور نرم خوئی کو پسند کرتا ہے۔''

4: معاملات میں سختی برتنے کی بجائے نرمی برتنے کو رفق اور نرم خوئی کہا جاتا ہے۔ بات میں نرمی، سمجھانے میں نرمی اور لین دین میں نرمی، رفق اور نرم خوئی ہیں اور اللہ تعالیٰ کو یہ رفق اور نرم خوئی پسند ہے۔

5: اللہ تعالیٰ خود ''رفیق'' ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ہر حال میں اپنے بندوں سے نرمی اور شفقت کا معاملہ کرتا ہے۔وہ اُن کو روزی دیتا ہے،اُن کی ضروریات پوری کرتا ہے خواہ وہ اُس کی اطاعت کریں یا نہ کریں۔

6: اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کے بارے میں فرمایا ہے کہ:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا انْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ﴾ (آل عمران: 159)

''یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ آپ (ﷺ) ان لوگوں کے لیے بہت نرم ہیں۔اگر آپ (ﷺ) تُند خو اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ (ﷺ) کے پاس سے بھاگ جاتے۔''

7: حضور ﷺ چونکہ ایک مبلغ اور داعی تھے اور دعوت وتبلیغ کے لیے نرمی اور نرم خوئی ضروری ہے۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو نرم مزاج بنا کر بھیجا،سخت مزاج بنا کر نہیں بھیجا۔

8: ایک صحیح حدیث میں ہے کہ:

''رفق یعنی نرمی جس چیز میں ہو اُسے زینت دیتی ہے اور جس چیز سے اسے الگ کر لیا جائے اُسے بدنما بنا دیتی ہے۔'' (صحیح مسلم، رقم6602۔ ابو داؤد، رقم 4808)

9: حضور ﷺ صحابہ کرام سے فرمایا کرتے تھے کہ:

''آسانی کرو،سختی نہ کرو۔''

(صحیح بخاری، رقم69۔ صحیح مسلم، رقم 4525۔ ابو داؤد، رقم 4835)

10: البتہ جہاں دین میں سختی کرنے کا حکم ہے وہاں سختی کی جائے گی جیسے شرعی حدود اور سزاؤں میں نرمی نہیں برتی جائے گی۔

34: رفق، نرمی اور تحمل

34...... ((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: اسْتَأْذَنَ رَهْطٌ مِنَ الْيَهُوْدِ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالُوْا: اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ، فَقُلْتُ: بَلْ عَلَيْكُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ، فَقَالَ: يَا عَائِشَةُ! إِنَّ اللّٰهَ رَفِيْقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْاَمْرِ كُلِّهِ. قُلْتُ: اَوَ لَمْ تَسْمَعْ مَا قَالُوْا؟ قَالَ: قَدْ قُلْتُ: وَعَلَيْكُمْ.
وَفِيْ رِوَايَةٍ: عَلَيْكُمْ، وَلَمْ يَذْكُرِ الْوَاوَ.))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4638 صحیح بخاری، رقم 6401 صحیح مسلم، رقم 5657,5656
ترمذی، رقم 2701 اللؤلؤ والمرجان، رقم 1400

''سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت نے گھر میں داخل ہونے کے لیے نبی ﷺ سے اجازت مانگی۔ پھر انہوں نے کہا: تم پر موت آئے۔ میں نے جواب میں کہا: بلکہ تم لوگوں پر موت آئے اور لعنت ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! بے شک اللہ تعالیٰ مہربان ہے۔ وہ ہر معاملے میں مہربانی اور نرمی کو پسند کرتا فرماتا ہے۔ میں نے عرض کیا: کیا آپ ﷺ نے نہیں سنا کہ انہوں نے کیا کہا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے جواب میں کہہ دیا تھا اور تم پر (موت آئے)۔
ایک اور روایت میں ''اور تم پر'' کی بجائے صرف 'تم پر' کے الفاظ آئے ہیں۔

تشریح:

1: اس حدیث میں یہودیوں کی ایک شرارت کا واقعہ بیان ہوا ہے۔

کچھ یہودی حضرت محمد ﷺ کے ہاں ملنے آئے اور انہوں نے آتے ہی آپ ﷺ کو 'اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ' کہنے کی بجائے 'اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ' (تم پر موت آئے) کہا۔ پاس ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا موجود تھیں۔ انہوں نے یہ سنا تو فوراً پلٹ کر اُن کو جواب دیا کہ: تم کو موت بھی آئے اور تم پر لعنت بھی ہو۔ اس پر نبی ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سمجھایا کہ اللہ تعالیٰ ہر کام میں نرم خوئی کو پسند فرماتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ ﷺ کو معلوم ہے کہ ان یہودیوں نے آپ ﷺ کو کیا کہا؟ اس پر نبی ﷺ نے فرمایا کہ ہاں، میں نے بھی اُن کو یہ کہا تھا کہ "وَعَلَيْكُمْ" (اور تم پر ہو۔)

ایک اور روایت میں صرف 'عَلَیْکُمْ' (تم پر ہو) آیا ہے۔

2: یہودیوں کی شرارت اور بد دعا سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے برداشت نہ ہوسکا اور انہوں نے غصے میں آ کر اُن کو سخت جواب دیا۔ لیکن حضور ﷺ نے آپ کو سمجھایا کہ اللہ تعالیٰ نرمی کو پسند کرتا ہے سختی کو پسند نہیں کرتا۔ اس لیے تمہیں تحمل اور برداشت سے کام لینا چاہیے تھا اور جواب میں زیادہ سختی سے کام نہیں لینا چاہیے تھا۔

نوٹ: مزید تفصیل کے لیے دیکھیے حدیث نمبر 33 کی تشریح۔

35: دو اچھی خصلتیں

35...... ((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ لِاَشَجِّ عَبْدِ الْقَیْسِ: اِنَّ فِیْكَ لَخَصْلَتَیْنِ یُحِبُّهُمَا اللّٰهُ: اَلْحِلْمُ وَالْاَنَاةُ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 5054 صحیح مسلم، رقم 117 ابن ماجہ، رقم 4187

ترمذی، رقم 2011 ابو داؤد، رقم 5225 مسند احمد: 206:4

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے وفد عبدالقیس کے سردار اشج سے فرمایا: تم میں دو خصلتیں ایسی پائی جاتی ہیں جو اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہیں: ایک تحمل و بردباری اور دوسری معاملات پر غور وفکر کرنا۔

تشریح:

وفد عبدالقیس کا تعلق بحرین کے علاقے سے تھا۔ اس علاقے میں 8 سن ہجری میں اسلام پھیل چکا تھا۔ مذکورہ وفد کا سردار منذر بن حارث تھا جس کا لقب اشج اور عبدالقیس تھا۔ ان کا قافلہ دربارِ رسالت مآب ﷺ کے قریب پہنچا تو یہ لوگ اس قدر بے تاب تھے کہ اپنی سواریوں سے کود پڑے اور جلدی سے جا کر نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پاؤں چومنے لگے۔ لیکن منذر نے پہلے اپنی قیام گاہ میں جا کر کپڑے بدلے اور پھر اطمینان سے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ کے ہاتھ چومے۔ اس پر آپ ﷺ نے منذر کی دو اچھی صفات کی تعریف فرمائی اور ان کو پسند فرمایا: ایک تحمل و بردباری اور دوسری وقار و متانت۔

36: وہ شخص جھوٹا نہیں جو لوگوں کے درمیان صلح کراتا ہو

36...... ((عَنْ اُمِّ کَلْثُوْمٍ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ:
لَیْسَ الْکَذَّابُ الَّذِیْ یُصْلِحُ بَیْنَ النَّاسِ ، وَیَقُوْلُ خَیْرًا وَّیَنْمِیْ خَیْرًا .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4825 صحیح بخاری، رقم 2692 صحیح مسلم، رقم 6633
اللؤلؤ والمرجان، رقم 1674

''وہ شخص ہرگز جھوٹا نہیں ہے جو لوگوں کے درمیان صلح کراتا ہے۔ وہ بھلائی ہی کی بات کرتا ہے اور بھلائی ہی کی بات آگے پہنچاتا ہے۔''

تشریح:

1: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص لوگوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے تھوڑا بہت جھوٹ سے بھی کام لے لے تو اس کی اجازت ہے۔ ایسا شخص نہ تو گناہ گار ہوگا اور نہ اسے جھوٹا قرار دیا جاسکتا ہے۔

2: اسی سے ملتی جلتی یہ حدیث بھی ہے:

((عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ یَزِیْدَ قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ:
لَا یَحِلُّ الْکَذِبُ اِلَّا فِیْ ثَلَاثٍ: یُحَدِّثُ الرَّجُلُ امْرَءَ تَہٗ لِیُرْضِیَھَا ، وَالْکَذِبُ فِی الْحَرْبِ ، وَالْکَذِبُ لِیُصْلِحَ بَیْنَ النَّاسِ .)) (ترمذی، رقم 1939)

''سیّدہ اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
تین موقعوں کے سوا جھوٹ بولنے کی اجازت نہیں ہے:
(1) خاوند کا اپنی بیوی کو راضی کرنے کے لیے۔
(2) جنگ کی حالت میں دشمن سے بچاؤ کے لیے۔
(3) لوگوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے۔
اس سے معلوم ہوا کہ ان تین موقعوں پر جھوٹ سے کام لینے کی اجازت ہے۔

3: اسلام میں سچ بولنے اور جھوٹ نہ بولنے کا حکم ہے۔ مگر عملی زندگی کی بعض ضرورتیں اور مجبوریاں ایسی ہیں جن میں ایک حد تک جھوٹ بولنے کی اجازت اور رخصت دی گئی ہے۔ مذکورہ حدیث میں انہی کو بیان کیا گیا ہے۔

4: فقہائے اسلام نے ان احادیث کی روشنی میں بعض اور مواقع پر بھی جھوٹ بولنے کی رخصت اور اجازت بھی دی ہے۔ مثال کے طور پر:

(1) اگر کوئی ظالم کسی بے قصور شخص کو قتل کرنے کی خاطر اُس کا پیچھا کر رہا ہو اور وہ بے قصور شخص کہیں چھپ جائے تو سچ بول کر اُس کے چھپنے کی اطلاع ظالم کو نہیں دی جائے گی بلکہ جھوٹ بول کر بے قصور شخص کی جان بچائی جائے گی اور ایسا کرنا واجب اور ضروری ہو جائے گا۔

(2) یا اگر کوئی سپاہی دشمن کی قید میں ہو اور دشمن اس سے اسلامی فوج کے بارے میں اہم راز معلوم کرنا چاہے تو اس سپاہی کو چاہیے کہ وہ دشمن کو کوئی راز نہ بتائے۔ بلکہ ہو سکے تو دشمن کو کوئی جھوٹی اطلاع دے کر اپنی فوج کا دفاع کرے۔

5: بعض دوسری احادیث میں بھی اس سے ملتی جلتی مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً:

جب نبی ﷺ نے یہودی سردار کعب بن اشرف کو قتل کرنے کے لیے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا تو انہوں نے آپ ﷺ سے اجازت مانگی کہ اگر اس کام کے لیے مجھے کچھ جھوٹ بولنا پڑے تو کیا اس کی اجازت ہے؟ اس پر حضور ﷺ نے واضح الفاظ میں اُن کو ایسا کرنے کی اجازت دی۔

یہ واقعہ صحیح بخاری، رقم 4037 میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔

6: اس کے علاوہ اسلام نے بعض حالات میں 'توریہ' کی بھی اجازت دی ہے۔ ''توریہ'' یہ ہے کہ خطرے کے وقت مخالف کے سوال کا جواب اس انداز سے دیا جائے کہ اُسے کوئی فائدہ نہ پہنچ سکے اور وہ مناسب جواب سننے کے باوجود اصل حقیقت یا معاملے سے بے خبر رہے۔ اس کی چند مثالیں یہ ہیں:

(1) مشہور تابعی سعید بن جبیر رحمہ اللہ کو جب اُموی حکمران حجاج بن یوسف نے شہید کرنا چاہا تو ان سے کئی سوالات کیے۔ ایک سوال یہ تھا: ''میرے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟'' اس پر آپ نے جواب دیا کہ: ''اَنْتَ عَادِلٌ قَاسِطٌ'' ۔ یہ ذومعنی جواب تھا جس کا یہ مطلب بھی تھا کہ تم بڑے انصاف والے ہو اور یہ مطلب بھی تھا کہ تم گمراہ اور ظالم ہو۔

(2) جیسے کوئی ظالم خوشامد پسند حکمران کسی شخص سے کہے کہ ''میرے بارے میں تمہاری رائے کیا ہے؟'' تو وہ شخص جواب میں کہہ دے: ''آپ جیسا میں نے کبھی دیکھا ہی نہیں۔''

ظاہر ہے اس جواب کے اچھے معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ آپ جیسا نیک اور عادل تو میں نے کبھی دیکھا ہی نہیں۔لیکن اس کے یہ برے معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ تم جیسا برا اور ظالم تو میں نے کبھی نہیں دیکھا۔

(3) مولانا محمود حسن رحمہ اللہ (دیوبندی) کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ کچھ انگریز سپاہی اُن کی گرفتاری کے لیے دیوبند پہنچے۔ وہ آپ کی شکل وصورت سے واقف نہ تھے۔ اتفاق سے انہوں نے مولانا صاحب ہی سے پوچھ لیا کہ ''مولوی محمود حسن کہاں ہے؟'' اس پر مولانا صاحب نے کمال ہوشیاری سے دو چار قدم ایک طرف ہو کر فرمایا:

''ابھی ادھر ہی تھے۔''

یہ سن کر وہ اُن کو چھوڑ کر آگے چلے گئے۔اس طرح اس موقع پر مولانا صاحب نے انگریز سپاہیوں کو جُل دے کر اپنے آپ کو گرفتاری سے بچالیا۔ یہ بھی ''توریہ'' کی ایک مثال ہے۔

37: زبان کی حفاظت

37...... ((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
اِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ رِضْوَانِ اللّٰهِ لا يُلْقِىْ لَهَا بَالًا ، يَرْفَعُ اللّٰهُ بِهَا دَرَجَاتٍ . وَاِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ سَخَطِ اللّٰهِ لا يُلْقِى لَهَا بَالًا ، يَهْوِىْ بِهَا فِىْ جَهَنَّمَ .)) رَوَاهُ الْبُخَارِىُّ .
وَفِىْ رِوَايَةٍ لَّهُمَا: يَهْوِىْ بِهَا فِى النَّارِ اَبْعَدَ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ .))

مشكوٰة المصابيح، رقم 4813 — صحيح بخارى، رقم 6478,6477

صحيح مسلم، رقم 7481,7482 — ترمذى، رقم 2319 — اللؤلؤ والمرجان، رقم 1881

''سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
بے شک بندہ کبھی ایسی بات کرتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی رضا ہوتی ہے حالاں کہ وہ اس کو کوئی اہمیت نہیں دیتا لیکن اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اُس کے درجات بلند کر دیتا ہے۔ اسی طرح بندہ کبھی ایسی بات منہ سے نکالتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی ناراضی ہوتی ہے حالاں کہ وہ اسے معمولی سمجھتا ہے لیکن اسی معمولی بات کے سبب سے وہ دوزخ میں گر جاتا ہے۔ یہ صحیح بخاری کے الفاظ ہیں لیکن صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ایک متفق علیہ حدیث میں ہے کہ اس بات کی وجہ سے وہ دوزخ میں اتنی گہرائی میں گر جاتا ہے جتنا مشرق اور مغرب کے درمیان فاصلہ ہے۔

تشریح:

1: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کوئی بندہ اپنی زبان سے ایسی اچھی بات کہتا ہے (جیسے جابر وظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنا) جس کی اہمیت اور اس کے ثواب سے وہ آگاہ نہیں ہوتا مگر اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اُس سے ہمیشہ کے لیے راضی ہو جاتا ہے اور آخرت میں اُسے جنت کی نعمتیں اور درجات عطا فرمائے گا۔
اس کے برعکس کبھی انسان کے منہ سے ایسی (کفریہ یا شرکیہ) بات نکل جاتی ہے جس کی برائی اور سنگینی

سے وہ خود واقف نہیں ہوتا لیکن اس کے سبب سے اللہ سبحانہٗ اُس سے ہمیشہ کے لیے ناراض ہوجاتا ہے اور آخرت میں اُسے دوزخ کا عذاب چکھائے گا۔

2: اس حدیث سے زبان کی حفاظت کا سبق ملتا ہے کہ آدمی جب بات کرے تو اچھی بات کرے ورنہ چپ رہے۔ پہلے بات کو تولے پھر منہ سے بولے۔ بہت سے لوگ اس لیے بھی جہنم میں جائیں گے کہ وہ زبان کا غلط استعمال کرتے تھے۔

باب 2......رذائل اخلاق (برے اخلاق)

38:والدین کی نافرمانی حرام ہے

38...... ((عَنِ الْمُغِيْرَةِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوْقَ الْاُمَّهَاتِ، وَوَأْدَ الْبَنَاتِ، وَمَنْعَ وَهَاتِ، وَكَرِهَ لَكُمْ قِيْلَ وَقَالَ، وَكَثْرَةَ السُّوَالِ، وَاِضَاعَةَ الْمَالِ.))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4915 صحیح بخاری، رقم 5975 صحیح مسلم، رقم 4483
دارمی، رقم 2751 اللؤلؤ والمرجان، رقم 1117

''حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
بے شک اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ماؤں کی نافرمانی کرنے کو، بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے کو، بخل کو اور بے جا مانگنے کو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ناپسند فرمایا فضول باتوں کو، فضول سوالات کو اور مال ضائع کرنے کو۔''

تشریح:

1: اس حدیث میں تین باتوں کو حرام اور تین چیزوں کو مکروہ اور ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔

2: جن تین باتوں کو حرام کہا گیا ہے اُن میں پہلی یہ ہے کہ والدین کی نافرمانی کرنا حرام ہے۔ ہر جائز اور مشروع کام میں والدین کی اطاعت کرنی چاہیے۔ ایسا کرنا اولاد پر فرض ہے۔ یاد رہے کہ والدین کی اطاعت تو مشروط ہے معروف سے مگر اُن کی خدمت کرنا ہر حال میں ضروری اور واجب ہے خواہ والدین مسلمان ہوں یا غیر مسلم ہوں۔

3: پھر اس حدیث میں جس چیز کو حرام قرار دیا گیا ہے وہ اپنی بچیوں کو زندہ درگور کر دینا ہے۔ اسلام سے پہلے دورِ جاہلیت میں بعض لوگ یہ سنگ دلانہ اور گھناؤنا فعل بھی کرتے تھے اور اپنی اولاد (بچیاں بھی اولاد ہوتی ہیں) کو اپنے ہاتھوں زمین میں زندہ گاڑ دیتے تھے۔ ایسے بھیانک قسم کے قتل کا حرام ہونا

بالکل واضح ہے۔

4: اس کے بعد جس چیز کو حرام بتایا گیا وہ منع یعنی بخل اور کنجوسی ہے کہ آدمی اپنی ضروریات پر بھی اپنا مال خرچ نہ کرے۔قرآنِ مجید میں بخل کی بہت مذمت کی گئی ہے۔"منع" کے ساتھ "ھات" کا ذکر آیا ہے جو اصل میں "اٰتِ" ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنے حق سے زیادہ مانگے اور دوسروں کا حق مارنے کی کوشش کرے۔ظاہر ہے اسلام میں دوسروں کا حق غصب کرنا حرام ہے۔

5: اس کے بعد حدیث میں جن تین چیزوں کو مکروہ اور ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے اُن میں سے ایک "قیل وقال" ہے۔یہ ایک محاورہ بھی ہے جس کا مطلب فضول بحث وتکرار کرنا ہے اور یہ مکروہ اور ناپسندیدہ ہے۔

6: اس کے بعد جس چیز کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا اور مکروہ قرار دیتا ہے وہ ہے لوگوں کا فضول، غیر ضروری اور بے مقصد سوالات کرنا۔یہ نبی ﷺ کے زمانے میں آپ کے سامنے خاص طور پر سختی سے منع تھا اور آج بھی یہ مکروہ اور ناپسندیدہ ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَلَکُمْ تَسُؤْکُمْ.....o﴾

(المائدہ : 101)

"اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرو جو تمہیں بتائی جائیں تو تمہیں بری لگیں۔"

لہٰذا اسلام میں فضول سوالات منع ہیں اور کثرتِ سوال بھی منع ہے۔

فضول سوالات کرنے کی ایک مثال بنی اسرائیل کا وہ واقعہ ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے بے مقصد سوالات کرنے شروع کر دیے اس گائے کا رنگ کیسا ہو، اس کی عمر کیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔یہ واقعہ قرآنِ مجید کی سورۃ البقرہ کی آیات 67 تا 71 میں مذکور ہے۔

دراصل دین نام ہے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی کامل اور غیر مشروط اطاعت کا، اپنی خواہش کو اللہ کی مرضی کے تابع کردینے کا، یہ جذبہ نہ ہو تو دین داری کی روح باقی نہیں رہتی۔اس لیے دین کے معاملے میں غیر ضروری اور فضول سوالات کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

البتہ ضروری سوالات جو دین کو سمجھنے کے لیے کیے جائیں اُن کی اجازت ہے۔

7: آخری بات جسے مکروہ اور ناپسندیدہ کہا گیا ہے وہ ہے مال ضائع کرنا۔ اسراف اور تبذیر کے ذریعے فضول خرچی کرنا اور عیاشی میں مال اڑانا۔ ظاہر ہے یہ چیز بھی اسلام میں ناپسندیدہ، مکروہ اور بعض صورتوں میں حرام ہے۔

8: یہ حدیث جوامع الکلم میں سے ہے۔ صرف چند الفاظ میں نہایت قیمتی اور مفید ہدایات دی گئی ہیں جن پر عمل کر کے دنیا اور آخرت بہتر بنائی جا سکتی ہے۔

39: قطع رحمی کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا

39...... ((عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ ﷛ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
لا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4922 — صحیح بخاری، رقم 5984 — صحیح مسلم، رقم 6520
ترمذی، رقم 1909 — ابوداؤد، رقم 1696 — اللؤلؤ والمرجان، رقم 1656

''حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
قطع رحمی کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔''

تشریح:

1: اس حدیث کی وعید اور تنبیہ سے صلۂ رحمی کی اہمیت اور قطع رحمی کی سنگینی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قطع رحمی کا گناہ اتنا بڑا اور سخت ہے کہ اس کی گندگی کے ساتھ کوئی شخص جنت میں داخل نہیں ہوسکتا۔

2: البتہ جب ایسے گناہ گار کو اپنے گناہ کی سزا مل جائے گی یا کسی اور وجہ جیسے توبہ اور شفاعت کے ذریعے اُسے معاف کردیا گیا تو پھر ہوسکتا ہے کہ وہ جنت میں جاسکے۔

نوٹ: مزید تفصیل کے لیے دیکھیے حدیث نمبر 10 اور حدیث نمبر 11 کی تشریحات۔

40: چغل خور جنت میں نہیں جاسکے گا

40...... ((عَنْ حُذَیْفَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ:
لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ .)) مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ
وَفِیْ رِوَایَةِ مُسْلِمٍ: نَمَّامٌ .

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4823 — صحیح بخاری، رقم 6056 — صحیح مسلم، رقم 291
ابو داؤد، رقم 4871 — ترمذی، رقم 2026 — اللؤلؤ والمرجان، رقم 67

''حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ:
چغل خور جنت میں نہیں جاسکے گا۔(متفق علیہ)
اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں قَتَّاتٌ (چغل خور) کی جگہ نَمَّامٌ (چغل خور) کا لفظ آیا ہے۔''

تشریح:

1: اس حدیث میں چغل خور کے لیے دو الفاظ آئے ہیں قَتَّاتٌ اور نَمَّامٌ اور دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ اس کے علاوہ عربی زبان میں چغل خور کو "حَمَّالُ الْحَطَبِ" (لگائی بجھائی کرنے والا) بھی کہتے ہیں۔

2: چغلی یہ ہے کہ کسی کے پیٹھ پیچھے اُس کی برائی کسی دوسرے شخص کے سامنے اس لیے بیان کرنا تاکہ ان دونوں کے درمیان نفرت پیدا ہو اور وہ آپس میں لڑیں جھگڑیں۔

3: مسلمانوں کے باہمی برادرانہ تعلقات کو جو چیزیں خراب کرنے والی ہیں اُن میں سے ایک چغلی بھی ہے۔

4: اس حدیث میں چغل خوری کا انجام دوزخ بتایا گیا ہے کہ یہ گناہ ایسا ہے جو بندے کو جہنم میں پہنچا دیتا ہے اس لیے اس سے بچنا چاہیے۔

5: افسوس آج غیبت اور بہتان کی طرح چغل خوری کو بھی گناہ نہیں سمجھا جاتا حالاں کہ ان سب کے بارے میں سخت وعید آئی ہے کہ آخرت میں ان کا انجام بہت برا ہوگا۔

41: غیبت کرنا

41...... ((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ:
اَتَدْرُوْنَ مَا الْغِیْبَةُ؟ قَالُوْا: اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ. قَالَ: ذِكْرُكَ اَخَاكَ بِمَا یَكْرَهُ. قِیْلَ: اَفَرَاَیْتَ اِنْ كَانَ فِیْ اَخِیْ مَا اَقُوْلُ؟ قَالَ: اِنْ كَانَ فِیْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدِ اغْتَبْتَهٗ، وَاِنْ لَمْ یَكُنْ فِیْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدْ بَهَتَّهٗ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.
وَفِیْ رِوَایَةٍ: اِذَا قُلْتَ لِاَخِیْكَ مَا فِیْهِ فَقَدْ اِغْتَبْتَهٗ، وَاِذَا قُلْتَ مَا لَیْسَ فِیْهِ فَقَدْ بَهَتَّهٗ.))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4828 صحیح مسلم، رقم 6593 ابوداؤد، رقم 4874
ترمذی، رقم 1934

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
کیا تم جانتے ہو غیبت کیا ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا: اللہ اور اُس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ یہ ہے کہ تم اپنے کسی بھائی کو ایسے الفاظ کے ساتھ یاد کرو جن کو وہ ناپسند کرتا ہو۔ عرض کیا گیا کہ اگر میرے کسی بھائی میں وہی ناپسندیدہ بات موجود ہو جو میں اُس کے بارے میں کہوں تو پھر کیا حکم ہے؟ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: اگر اُس میں وہ بات موجود ہو جو تو کہہ رہا ہے اس صورت میں تو نے اُس کی غیبت کی اور اگر اُس میں وہ بات موجود نہ تھی جو تو نے کہی تو اس صورت میں تو نے اُس پر بہتان لگایا۔“
ایک اور روایت میں ہے کہ ”جب تو نے اپنے بھائی کے بارے میں ایسی بات کہی جو اُس میں تھی تو تو نے اُس کی غیبت کی اور اگر تو نے ایسی بات کر دی جو اُس میں نہ تھی تو تو نے اُس پر بہتان لگایا۔“

تشریح:

1: غیبت کے بارے میں قرآنِ مجید میں ہے کہ:

﴿وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَیُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ یَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ﴾ (الحجرات: 12)

”اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تم میں سے کوئی یہ بات پسند کرے گا کہ اپنے

مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟ اسے تم خود ناگوار سمجھتے ہو۔‘‘

2: مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ غیبت یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کے پیٹھ پیچھے اُس کی برائی بیان کرے جو اگر اُسے معلوم ہو جائے تو اُسے ناگواری محسوس ہو اور دُکھ اور رنج پہنچے۔

گویا غیبت کرنے والا چوری چھپے بزدلی اور منافقت کے ساتھ کسی شخص کی برائی بیان کرتا ہے تاکہ اُسے اس کی خبر نہ ہو سکے اور وہ دوسروں کی نظر سے گر جائے۔

3: کسی کے پیٹھ پیچھے اُس پر کوئی جھوٹا الزام لگانا بہتان کہلاتا ہے۔

4: کسی کے پیٹھ پیچھے اُس کی برائی کسی دوسرے شخص سے اس لیے بیان کرنا تاکہ ان دونوں میں نفرت پیدا ہو اور وہ آپس میں لڑیں، یہ چغلی کہلاتی ہے۔

5: اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کے پیٹھ پیچھے اُس کی کوئی ایسی برائی بیان کی جائے جو اُس میں واقعی موجود ہو تو یہ غیبت ہے۔ اگر اُس میں وہ برائی موجود نہ ہو تو بہتان ہے اور اگر دو آدمیوں کو لڑانے کے لیے ایسا کیا جائے تو یہ چغلی ہے۔

6: چغلی، غیبت اور بہتان تینوں حرام اور کبیرہ گناہ ہیں کیونکہ ان کی وجہ سے دلوں میں نفرت پیدا ہوتی ہے۔ البتہ چغلی سے بڑا گناہ غیبت ہے اور غیبت سے بڑا گناہ بہتان ہے۔

7: غیبت کرنے والا گناہ گار ہے لیکن اگر وہ توبہ کرلے اور جو نقصان پہنچایا، اُس کی تلافی کردے تو اُس کے لیے معافی ہو سکتی ہے۔

8: غیبت پر کوئی حد یا شرعی سزا نہیں ہے۔ یہ ایک اخلاقی برائی ہے جو حرام ہے اور اگر اس پر توبہ نہیں کی تو آخرت میں باز پرس ہوگی۔

9: اللہ تعالیٰ نے غیبت کو مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہ دی ہے۔ گویا یہ ایک قابل نفرت اور گھناؤنا کام ہے۔ مردار کا گوشت اور وہ بھی کسی جانور کا نہیں بلکہ مردہ انسان کا گوشت۔ پھر مردہ انسان کون، خود اُس کا اپنا بھائی، اور آخر میں سوالیہ انداز کہ کون ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے؟ ظاہر ہے کوئی بھی اسے پسند نہیں کرتا۔ گویا غیبت کسی مسلمان بھائی کی غیر موجودگی میں اُس کی عزت و آبرو پر حملہ ہے اور چونکہ وہ اس حملے سے بے خبر ہے اس لیے وہ اپنا دفاع اور بچاؤ بھی نہیں کرسکتا۔

10: لیکن ہر قسم کی برائی کے بیان کرنے کو غیبت نہیں کہا جاسکتا۔ مثلاً علم حدیث میں محدثین کا راویوں پر جرح کرنا اور اُن کو معتبر یا غیر معتبر ٹھہرانا، کسی کے خلاف عدالت میں گواہی دینا، ظالم کے خلاف مظلوم کی شکایت کرنا، رشوت لینے والے بدعنوان (Corrupt) افسروں اور حاکموں کو بے نقاب کرنا، نکاح کے حوالے سے کسی مشورہ دینے والے کا دوسرے فریق کی کوئی برائی ظاہر کردینا وغیرہ ...... یہ سب چیزیں غیبت کے دائرے میں نہیں آتیں بلکہ ان کا تعلق اصلاحِ احوال، مسلمانوں کی خیر خواہی اور نہی عن المنکر سے ہے جو الگ سے دین کے احکام ہیں اور جن پر عمل کرنا واجب اور ضروری ہے۔ ان کو پہلے غیبت میں شمار کرکے پھر اس سے مستثنیٰ قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ بلکہ یہ مسلمانوں پر الگ سے فرض یا واجب احکام ہیں۔

11: اگر آپ کے سامنے کوئی شخص کسی دوسرے کی غیبت کرتا ہے تو چاہیے کہ اُسے اللہ تعالیٰ سے ڈرایا جائے اور اس گناہ سے باز رہنے کی نصیحت کی جائے کیونکہ ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنا واجب اور ضروری ہے۔

42: بدگمانی اور حسد

42...... ((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
اِیَّاکُمْ وَالظَّنَّ، فَاِنَّ الظَّنَّ اَکْذَبُ الْحَدِیْثِ، وَلَا تَحَسَّسُوْا، وَلَا تَجَسَّسُوْا، وَلَا تَنَاجَشُوْا، وَلَا تَحَاسَدُوْا، وَلَا تَبَاغَضُوْا، وَلَا تَدَابَرُوْا، وَکُوْنُوْا عِبَادَاللّٰهِ اِخْوَانًا.
وَفِیْ رِوَایَةٍ وَلَا تَنَافَسُوْا.

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 5028 صحیح بخاری، رقم 6066 صحیح مسلم، رقم 6536
اللؤلؤ والمرجان، رقم 1660

''سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
بدگمانی سے بچو۔ کیونکہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ کسی کے عیب تلاش نہ کرو۔ جاسوسی نہ کرو، دھوکا فریب نہ دو (یا جعلی بولی نہ دو)۔ ایک دوسرے سے حسد نہ کرو۔ باہم بغض نہ رکھو۔ آپس میں قطع تعلقی (یا دشمنی) نہ کرو۔ اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن کر رہو۔
ایک اور روایت میں یہ بھی ہے کہ: ایک دوسرے کی ریس نہ کرو (باہم جھگڑا نہ کرو۔)''

تشریح:

اس حدیث میں چند ایسی چیزوں کی ممانعت کی گئی ہے جو مسلمانوں کے درمیان نفرت اور دشمنی کا سبب بنتی ہیں:

1: سب سے پہلے بدگمانی کرنے سے روکا گیا ہے۔ بدگمانی کیا ہے دوسرے کے بارے میں جھوٹا وہم ہے جو جھوٹ ہی کی ایک قسم ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا....﴾ (الحجرات: 12)

''اے ایمان والو! زیادہ بدگمانی کرنے سے بچو۔ بے شک بعض بدگمانیاں گناہ ہوتی ہیں۔ اور

ایک دوسرے کی ٹوہ میں نہ رہو۔''

بدگمانی کرنے والے کو دوسرے شخص کے ہر کام میں بدنیتی نظر آتی ہے جس کے نتیجے میں دو افراد کے درمیان برادرانہ تعلقات خراب ہوجاتے ہیں۔ اس لیے دوسروں کے بارے میں بدگمانی کرنے سے بچنا چاہیے اور حسن ظن یعنی اچھے گمان سے کام لینا چاہیے۔

2: پھر ''نجش'' یعنی لین دین میں دھوکا کرنے سے منع فرمایا گیا۔ اس میں جعلی بولی دینا بھی شامل ہے۔ کیونکہ اس سے بھی مسلمانوں کے باہمی تعلقات بگڑتے ہیں۔

3: پھر ایک دوسرے سے حسد کرنے سے منع کیا گیا۔

4: پھر ایک دوسرے کی ریس کرنے سے منع کیا گیا۔ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر دنیا کا مال و دولت حاصل کرنے کی کوشش اور دوڑ سے منع کیا گیا۔

5: پھر ایک دوسرے سے بغض رکھنے اور نفرت کرنے سے روکا گیا۔ کیونکہ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ بھائیوں کو ایک دوسرے سے نفرت نہیں کرنی چاہیے۔

6: پھر ایک دوسرے سے قطع تعلقی کرنے سے منع کیا گیا۔

7: اور آخر میں بھائی بھائی بن کر رہنے کا حکم دیا گیا تاکہ مسلمان آپس میں متحد اور مضبوط رہیں۔

43: دوغلا شخص قیامت کے دن سب سے برا ہوگا

43...... ((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
تَجِدُوْنَ شَرَّ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ذَا الْوَجْهَيْنِ ، الَّذِیْ يَأْتِیْ هٰٓؤُلَاءِ بِوَجْهٍ ، وَهٰٓؤُلَاءِ بِوَجْهٍ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4822 صحیح بخاری، رقم 6058 صحیح مسلم، رقم 6632
ابو داؤد، رقم 4872 ترمذی، رقم 2025 موطا، کتاب الجامع، باب 77

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
تم قیامت کے دن سب سے برا شخص اُس کو پاؤ گے جو دوغلا ہے۔ جو ایک طرف لوگوں سے کچھ بات کرتا ہے اور دوسری طرف لوگوں سے کچھ بات کرتا ہے۔''

تشریح:

اس حدیث میں ایسے شخص کا برا انجام بتایا گیا ہے جو دوسرون کے سامنے اُن کی تعریف اور خوشامد کرے اور اُن سے ہمدردی اور خیر خواہی کا اظہار کرے مگر بعد میں اُن کی برائی اور بدخواہی کی باتیں کرے۔ ایسے شخص کو اُردو میں دو رُخا، یا 'دوغلا' کہا جاتا ہے اور عربی میں اسے ذُوالْوَجْهَيْنِ (دو چہروں والا۔ دو منہ والا) کہتے ہیں۔ ظاہر ہے ایسی حرکت منافقت ہے اور ایک قسم کا دھوکا ہے۔ ؏

ایک چہرے پر کئی چہرے سجا لیتے ہیں لوگ

ایسے دو رُخے شخص کا آخرت میں کیا انجام ہوگا؟ اس سلسلے میں ابو داوٗد میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''دنیا میں جو شخص (منافقوں کی طرح) دو رُخا ہوگا تو قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی دو زبانیں ہوں گی۔'' (ابو داوٗد، رقم: 4873)

اللہ تعالیٰ نے آخرت کا ثواب وعذاب دنیا کے اچھے برے اعمال واخلاق کے مطابق اور مناسب رکھا ہے۔ اور منافقت اور دو رُخا پن کی یہ سزا رکھی ہے کہ اس شخص کے منہ میں آگ کی دو زبانیں ہوں گی۔ یاد

رہے کہ بعض جانوروں مثلاً کچھ سانپوں کی بھی دوزبانیں ہوتی ہیں۔لوگ عام طور پر اس بری عادت (دوزخا پن) کو معمولی بات سمجھتے ہیں لیکن حقیقت میں یہ بہت سنگین اور خطرناک ہے جس سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

منافق کے بارے ایک صحیح حدیث یہ ہے کہ:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ((اَرْبَعٌ مَّنْ كُنَّ فِيْهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا ، وَّمَنْ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِّنْهُنَّ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ حَتّٰى يَدَعَهَا: اِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ ، وَاِذَا حَدَّثَ كَذَبَ ، وَاِذَا عَاهَدَ غَدَرَ ، وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ .))

(صحیح بخاری، رقم 34۔ صحیح مسلم، رقم 210۔ ابوداؤد، رقم 4688۔ نسائی، رقم 5020۔ ترمذی، رقم 2632۔ مسند احمد، رقم 6768۔ اللؤلؤ والمرجان، رقم 37، مشکوٰۃ المصابیح، رقم 56)

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس شخص میں چار خصلتیں ہوں وہ پکا منافق ہے۔جس میں اُن میں سے کوئی ایک خصلت ہو تو وہ منافقت کی خصلت ہے یہاں تک کہ وہ اسے چھوڑ دے۔جب اُس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب عہد کرے تو عہد شکنی کرے اور جب جھگڑا کرے تو گالی گلوچ پر اُتر آئے۔''

تشریح:

نفاق دو قسم کا ہے، ایک اعتقادی، دوسرا عملی۔

اعتقادی نفاق یہ ہے کہ کوئی شخص دل سے اسلام کو قبول نہ کرے مگر زبان سے اپنے آپ کو مومن ظاہر کرے۔

عقیدے کا یہ نفاق نہایت ذلیل، گھٹیا اور بدترین قسم کا کفر ہے اور اس طرح کے منافقوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ (النساء: 145)

''بے شک منافق لوگ دوزخ کے سب سے نیچے کے طبقے میں ہوں گے۔''

عملی نفاق یہ ہے کہ آدمی ہو تو مسلمان، مگر اُس کے اعمال سچے مسلمانوں جیسے نہ ہوں بلکہ منافقوں جیسے

اعمال ہوں۔

پھر جیسا کہ ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اعتقادی نفاق یعنی کفر و شرک کی گندگی سے بچے، اسی طرح اُس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ منافقوں جیسے اعمال نہ کرے۔

مذکورہ حدیث میں نبی ﷺ نے عملی نفاق کی چار خصلتوں یا نشانیوں کا ذکر فرمایا ہے کہ جس شخص میں وہ چاروں جمع ہو جائیں تو وہ پکا منافق ہے اور جس میں اُن میں سے کوئی ایک پائی جائے گی تو وہ اسی نسبت سے اتنا عملی منافق ہوگا، جب تک کہ وہ اسے چھوڑ نہ دے۔ دوسرے لفظوں میں کہا جاسکتا ہے کہ ایک خصلت یا نشانی والا ایک چوتھائی (1/4) عملی منافق ہے۔ دو والا آدھا (1/2) اور تین خصلتوں یا نشانیوں والا تین چوتھائی (3/4) عملی منافق ہے۔

اس حدیث میں عملی نفاق کی درج ذیل چار خصلتیں یا نشانیاں بیان ہوئی ہیں:

1: امانت میں خیانت کرنا

2: جھوٹ بولنا

3: وعدہ خلافی کرنا

4: بدزبانی کرنا

5: شریعت میں یہ چاروں کام گناہ کے کام ہیں اور ان سے بچنا ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے۔

اس حدیث میں اگرچہ عملی نفاق کی چار ہی خصلتوں اور نشانیوں کا ذکر ہے اور ان کا مجموعہ بھی کسی شخص کو پکا منافق بنا دینے کے لیے کافی قرار دیا گیا ہے، تاہم قرآنِ مجید اور بعض دوسری احادیث میں عملی نفاق کی کئی اور خصلتیں اور نشانیاں بھی بیان ہوئی ہیں۔ مثال کے طور پر:

1: نماز میں سستی کرنا۔ (النساء، آیت:142)

2: نیکی سے روکنا اور برائی کا حکم دینا۔ (التوبہ، آیت:67)

3: اللہ کی راہ میں مال خرچ نہ کرنا۔ (التوبہ، آیت:54۔ المنافقون، آیت:7)

4: جہاد سے جی چرانا۔ (التوبہ، آیت:45,81)

افسوس، آج مسلمانوں میں سب سے بڑا مرض یہی منافقت اور دو رُخا پن ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس مرض سے بچنے کی توفیق دے، آمین!

44: اپنے والدین کو گالی نہ دینا

44...... ((عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
مِنَ الْكَبَائِرِ شَتْمُ الرَّجُلِ وَالِدَيْهِ . قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! وَهَلْ يَشْتِمُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ؟ قَالَ:
نَعَمْ ، يَسُبُّ اَبَا الرَّجُلِ ، فَيَسُبُّ اَبَاهُ ، وَيَسُبُّ اُمَّهُ ، فَيَسُبُّ اُمَّهُ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4916 صحیح بخاری، رقم 5973 صحیح مسلم، رقم 263
ابوداؤد، رقم 5141 ترمذی، رقم 1902 اللؤلؤ والمرجان، رقم 57

''سیّدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
یہ کبیرہ گناہ ہے کہ کوئی آدمی اپنے والدین کو گالی دے۔
صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا کوئی آدمی اپنے والدین کو بھی گالی دیتا ہے؟
آپ ﷺ نے فرمایا: جی ہاں، جب وہ کسی کے باپ کو گالی دیتا ہے تو اُس کے بدلے میں دوسرا اُس کے باپ کو گالی دیتا ہے۔ اور جب وہ کسی کی ماں کو گالی دیتا ہے تو دوسرا اُس کی ماں کو گالی دیتا ہے۔ (یہ گویا اپنے والدین کو گالی دینا ہوا۔)''

تشریح:

1: قرآن وحدیث میں والدین سے اچھا سلوک کرنے کی تاکید موجود ہے۔

2: اس حدیث میں نبی ﷺ نے ایک بار صحابہ کرام کو مخاطب کرکے فرمایا: دیکھو، اپنے ماں باپ کو گالی دینا بہت بڑا گناہ ہے۔ صحابہ کرام نے تعجب سے پوچھا: کیا کوئی شخص اپنے ماں باپ کو بھی گالی دے سکتا ہے؟ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا:

جی ہاں، جب ایک شخص غصے کی حالت میں دوسرے کے ماں باپ کو برا بھلا کہتا اور گالی دیتا ہے اور پلٹ کر دوسرا پہلے کو برا بھلا کہتا اور گالی دیتا ہے تو یہی اپنے ماں باپ کو گالی دینا ہے۔

3: گالی کے حوالے سے ہمارے معاشرے میں باپوں سے زیادہ ماؤں کی شامت آتی ہے۔ چھوٹے بڑے لوگ غصے اور لڑائی جھگڑے میں ایک دوسرے کو باپ کی گالی سے زیادہ ماں کی گالی دیتے ہیں۔ اس طرح یہ بھی گویا اپنی ماں کو گالی دینے کے برابر ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اچھے اسلامی آداب واخلاق اپنانے کی توفیق عطا فرمائے!

45: مسلمان کو گالی دینا گناہ اور اُسے قتل کرنا کفر ہے

45...... ((عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ، وَ قِتَالُهُ كُفْرٌ.))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4814 — صحیح بخاری، رقم 48 — صحیح مسلم، رقم 221
ترمذی، رقم 1983 — نسائی، رقم 4105 — اللؤلؤ والمرجان، رقم 43

''سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
کسی مسلمان کو گالی دینا گناہ ہے اور اُس کو قتل کرنا کفر ہے۔''

تشریح:

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ:

1: کسی مسلمان کو گالی دینا گناہ اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔

2: کسی مسلمان کو قتل کرنا انتہائی سنگین جرم، کبیرہ گناہ اور کافرانہ عمل ہے۔

3: لیکن عام حالات میں کسی مسلمان کو قتل کرنے سے کوئی مسلمان کافر نہیں ہوجاتا بلکہ بڑا مجرم اور گناہ گار ہوتا ہے۔

4: لیکن اگر کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو صرف اس وجہ سے قتل کردے کہ وہ مسلمان کیوں ہے اور کیوں اسلام لایا ہے تو ایسی صورت میں وہ قاتل مسلمان واقعی کافر ہوجائے گا، بلکہ وہ ایسا مرتد ہوجائے گا جو واجب القتل ہوتا ہے۔

46: غصہ نہ کرنا

46...... ((عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِیِّ ﷺ: اَوْصِنِیْ . قَالَ: لَا تَغْضَبْ . فَرَدَّدَ ذٰلِكَ مِرَارًا . قَالَ: لَا تَغْضَبْ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 5104 صحیح بخاری، رقم 6116 · ترمذی، رقم 2020

موطا، کتاب الجامع، باب 12

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ سے عرض کیا: ''مجھے کوئی نصیحت فرمایئے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''غصہ نہ کیا کرو۔'' اُس آدمی نے اپنا سوال کئی بار دہرایا۔ آپ ﷺ نے ہر بار یہی فرمایا: غصہ نہ کیا کرو۔''

تشریح:

1: اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسے شخص کو جو بہت غصے والا تھا، غصہ نہ کرنے کی بار بار تاکید فرمائی۔

2: غصہ ایک فطری جذبہ ہے جو انسان کو اُس کے دفاع اور حفاظت کے لیے دیا گیا ہے۔ لیکن اگر یہی جذبہ اعتدال پر نہ رہے اور بے قابو ہو جائے تو پھر یہ ایک ایسی اخلاقی برائی بن جاتی ہے جو انتہائی نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔ غصے کی حالت میں آدمی سے بعض ایسی حرکتیں اور غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں جن پر بعد میں اُسے اکثر ندامت اور پشیمانی ہوتی ہے۔ غصے کی حالت میں انسان کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت عارضی طور پر بے کار ہو جاتی ہے۔ عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ گویا غصے کا جوش انسان کے ہوش پر غالب آ کر اُسے اغوا (Hijack) کر لیتا ہے۔ ایسی حالت میں وہ گالی گلوچ، مار پیٹ، قتل اور طلاق وغیرہ کا ارتکاب کر لیتا ہے جس کے بعد وہ اکثر عمر بھر پچھتاتا ہے۔

3: قرآنِ مجید میں جنتی مسلمانوں کی ایک صفت یہ بھی بیان ہوئی ہے کہ وہ اپنے غصے پر قابو رکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ الْكٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَ الْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَ اللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ۝﴾

(آلِ عمران : 134)

''اور غصے کو قابو میں رکھنے والے اور لوگوں کی غلطیوں سے درگزر کرنے والے۔ اور اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

ایک اور مقام پر فرمایا کہ نیک مسلمان وہ ہیں جو غصے کی حالت میں دوسروں کو معاف کر دیتے ہیں۔

﴿وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ﴾ (الشوریٰ: 37)

''اور جب اُنہیں غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ قرآنِ مجید کے نزدیک اچھا مسلمان وہی ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھے اور دوسروں کی غلطی معاف کرے۔

4: غصے کے بارے میں اور بھی احادیث موجود ہیں۔ سنن ابی داوٗد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ الْغَضَبَ مِنَ الشَّيْطَانِ، وَإِنَّ الشَّيْطَانَ خُلِقَ مِنَ النَّارِ، وَإِنَّمَا تُطْفَىءُ النَّارُ بِالْمَاءِ، فَإِذَا غَضِبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَتَوَضَّأْ)) (ابوداؤد، رقم: 4784)

''بے شک غصہ شیطان کی طرف سے ہے اور شیطان آگ سے پیدا ہوا ہے۔ آگ کو پانی سے بجھایا جاتا ہے۔ اس لیے جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو چاہیے کہ وہ وضو کرلے۔''

اس حدیث میں پہلے غصے کو شیطان کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ یہ اُس کی طرف سے ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ شیطان آگ سے پیدا ہوا ہے اور غصہ بھی آگ کی طرح ہوتا ہے۔

دوسرے اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ غصے اور آگ میں مشابہت پائی جاتی ہے۔ جس طرح آگ بھڑک اُٹھنے کے بعد بے قابو ہوجاتی ہے اسی طرح غصے کی حالت میں انسان بھی بے قابو ہوجاتا ہے۔ پھر جیسا کہ آگ کو پانی سے بجھایا جاتا ہے اس لیے انسان کے غصے کا علاج بھی یہی ہے کہ اسے پانی سے بجھایا جائے جس کی بہترین صورت اُس وقت وضو کر لینا ہے۔

5: غصے کے بارے میں ایک اور حدیث یہ ہے:

((إِذَا غَضِبَ أَحَدُكُمْ وَهُوَ قَائِمٌ فَلْيَجْلِسْ فَإِنْ ذَهَبَ عَنْهُ الْغَضَبُ وَإِلَّا فَلْيَضْطَجِعْ.)) (ابوداؤد، رقم 4782)

''جب تم میں سے کسی کو غصہ آجائے اور وہ اُس وقت کھڑا ہو تو چاہیے کہ بیٹھ جائے۔ اس کے بعد بھی اگر اُس کا غصہ ختم نہ ہو تو چاہیے کہ وہ لیٹ جائے۔''

اس حدیث میں غصے کا ایک اور علاج یہ بتایا گیا ہے کہ جس شخص کو غصہ آ جائے تو چاہیے کہ اگر وہ کھڑا ہے تو فوراً بیٹھ جائے۔ اگر بیٹھا ہوا ہے تو چاہیے کہ جلد لیٹ جائے۔ اس طرح حالت بدلنے سے طبیعت بدلنے میں مدد ملتی ہے اور خون کا دباؤ کم ہو جاتا ہے جس سے آدمی نارمل (Normal) ہو سکتا ہے۔

اُوپر کی احادیث میں غصے پر قابو پانے کے دو مادی اور ظاہری علاج بیان ہوئے ہیں لیکن ایک متفق علیہ حدیث میں اس کا ایک روحانی علاج بھی بتایا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ غصے کے وقت تعوذ یعنی اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھی جائے تا کہ غصے کا باعث بننے والے شیطان سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی پناہ حاصل کی جائے۔ وہ حدیث یہ ہے:

((عَنْ سُلَیْمَانَ بْنِ صُرَدٍ قَالَ: اسْتَبَّ رَجُلَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ وَنَحْنُ عِنْدَهُ جُلُوسٌ، وَأَحَدُهُمَا يَسُبُّ صَاحِبَهُ مُغْضَبًا قَدِ احْمَرَّ وَجْهُهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: إِنِّي لَأَعْلَمُ كَلِمَةً لَوْ قَالَهَا لَذَهَبَ عَنْهُ مَا يَجِدُ، لَوْ قَالَ: أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ......))(صحيح بخاری، رقم: 6115۔ صحیح مسلم، رقم: 6646۔ ابوداؤد، رقم: 4781)

’’سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی ﷺ کے سامنے دو آدمیوں نے ایک دوسرے کو برا بھلا کہا۔ ان میں سے ایک کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ نبی ﷺ نے اُسے دیکھ کر فرمایا: مجھے ایک ایسا کلمہ معلوم ہے جسے اگر یہ آدمی پڑھ لے تو اس کا غصہ ختم ہو جائے۔ وہ کلمہ یہ ہے: أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ۔

اس حدیث کا مضمون قرآنِ مجید میں بھی موجود ہے:

﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ○ وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ط إِنَّهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○﴾ (الاعراف: 199,200)

’’(اے نبی ﷺ) آپ ﷺ درگزر کریں، نیکی کا حکم دیں اور جاہلوں سے نہ اُلجھیں۔ اگر کبھی شیطان وسوسہ ڈالے تو اللہ کی پناہ مانگیں، بے شک وہ سننے والا جاننے والا ہے۔‘‘

گویا احادیث میں غصے پر قابو پانے کے تین علاج بیان ہوئے ہیں:

1: غصے کے وقت وضو کر لینا۔

2: غصے کے وقت اگر کوئی کھڑا ہے تو بیٹھ جائے اور بیٹھا ہے تو لیٹ جائے۔

3: غصے کے وقت تعوذ یعنی أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ پڑھ لی جائے۔

47: پہلوان وہ ہے جو غصے پر قابو رکھے

47...... ((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
لَیْسَ الشَّدِیْدُ بِالصُّرْعَةِ ، اِنَّمَا الشَّدِیْدُ الَّذِیْ یَمْلِكُ نَفْسَهٗ عِنْدَ الْغَضَبِ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 5105 صحیح بخاری، رقم 6114 صحیح مسلم، رقم 6643
اللؤلؤ والمرجان، رقم 1676

''سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
پہلوان وہ نہیں جو کشتی میں دوسرے کو پچھاڑ دے۔ اصل پہلوان وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھے۔''

تشریح:

1: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ طاقت ور اور پہلوان صرف وہی نہیں جو مقابلے میں دوسرے کو گرا دیتا ہے بلکہ اصلی اور حقیقی پہلوان وہ ہے جو اپنے غصے پر قابو رکھتا ہے۔

2: انسان کا اپنا نفس اُس کا سب سے بڑا دشمن ہے جس پر قابو پانا بہت مشکل کام ہے۔ خاص طور پر غصے کی حالت میں اپنے آپ کو قابو میں رکھنا اور کوئی غلط حرکت نہ کر بیٹھنا نہایت دشوار ہے۔

اسلام دینِ فطرت ہے۔ اس کا مطالبہ یہ نہیں ہے کہ مومن کو کبھی غصہ نہیں آنا چاہیے کیوں کہ غصے کا جذبہ ایک فطری جذبہ ہے اور اسلام فطری جذبوں کو کچلنے کے لیے نہیں آیا ہے بلکہ وہ اُن کی اصلاح کرتا اور اُن کا صحیح استعمال سکھاتا ہے۔ اس لیے اسلام یہ چاہتا ہے کہ غصے کی حالت میں بندہ اپنے آپ کو قابو میں رکھے اور اس وقت کوئی غیر اخلاقی یا غیر شرعی حرکت نہ کر بیٹھے۔

3: نبی کریم ﷺ نے انسانی معاشرے کی اصلاح کرتے ہوئے اُن کے رسمی، مصنوعی اور عارضی معیارات بھی بدل ڈالے تھے اور ان کی جگہ اصلی اور حقیقی معیارات بیان فرمائے تھے۔ مثال کے طور پر لوگ ایسے شخص کو مفلس کہتے ہیں جس کے پاس مال و دولت نہ ہو۔ مگر صحیح مسلم میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ مفلس صرف وہی نہیں جو مال و دولت سے محروم ہے بلکہ اصلی اور حقیقی مسکین تو آخرت میں ایسا

شخص ہوگا جو اپنی نیکیوں سے محروم ہو جائے گا کیونکہ اُس نے دوسرے انسانوں کی حق تلفی کی ہوگی اور پھر وہ نہ صرف اپنی نیکیاں بدلے میں دے بیٹھے گا بلکہ دوسروں کے گناہ اس پر لاد دیے جائیں گے اور اسے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

4: اسی طرح دولت مندی کے بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ دولت مند وہ نہیں جس کے پاس مال ودولت کی کثرت ہو بلکہ حقیقی دولت مند وہ ہے جس کا دل غنی ہے۔

((لَيْسَ الْغِنٰى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ، وَلٰكِنَّ الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ .))

(صحيح بخاری، رقم: 6446)

"امیری اور دولت مندی مال واسباب کی کثرت کا نام نہیں ہے بلکہ اصلی امیری اور دولت مندی دل کی بے نیازی ہے۔"

5: خود قرآنِ مجید نے خاندان یا دولت وغیرہ کی بجائے تقویٰ کو عزت وشرف کا معیار قرار دیا ہے۔ سورۃ الحجرات میں ہے:

﴿ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ ﴾ (الحجرات: 13)

"بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔"

نوٹ: مزید تفصیل کے لیے گزشتہ حدیث نمبر 46 کی تشریح دیکھ لیجیے۔

48: ظلم کرنا

48...... ((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ:
اَلظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ یَوْمَ الْقِیَامَةِ .))

مشکوٰة المصابیح، رقم 5123 صحیح بخاری، رقم 2447 صحیح مسلم، رقم 6577
ترمذی، رقم 2030 اللؤلؤ والمرجان، رقم 1666

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:
قیامت کے دن ظلم کئی اندھیروں کی شکل میں ظاہر ہوگا۔''

تشریح:

مطلب یہ ہے کہ آخرت میں ظلم کا انجام اندھیرے ہیں۔ حشر کے میدان میں ظلم اندھیروں کا باعث ہوگا۔ ظالم شخص ان اندھیروں ہی میں بھٹکتا رہے گا۔ جب کہ نیک لوگوں کو وہاں ایسا نُور عطا ہوگا جو اُن کو اپنے جلوؤں کے ساتھ جنت تک لے جائے گا جیسا کہ سورۃ الحدید میں ہے کہ:

﴿یَسْعٰی نُوْرُهُمْ بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَبِاَیْمَانِهِمْ﴾ (الحدید: 12)

''اُن (مومنین) کا نُور اُن کے آگے آگے اور دائیں طرف دوڑتا ہوگا۔''

بعض علما اس حدیث کے لفظ 'ظلمات' کے معنی ''مصیبتوں اور عذابوں'' کے لیتے ہیں کہ ظلم کا نتیجہ آخرت میں مختلف قسم کی تکلیفوں اور عذابوں کی صورت میں نکلے گا۔

ظلم یہ ہے کہ آدمی دوسروں کو اُن کا حق نہ دے اور اُن پر زیادتی کرے۔

ظلم حقوق اللہ میں بھی ہوتا ہے اور حقوق العباد میں بھی۔

توحید اللہ تعالیٰ کا حق ہے جو شخص شرک کرتا ہے وہ ظلم کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے شرک کو ''ظلم عظیم'' کہا ہے:

﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ﴾ (لقمان: 13)

''بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔''

حقوق العباد کے ظلم میں دوسرے انسانوں کی ہر قسم کی حق تلفی اور زیادتی شامل ہے۔ جیسے چوری، ناحق قتل اور بہتان وغیرہ۔

ظلم کے بارے میں چند قرآنی آیات:

1. ﴿وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (آلِ عمران : 57-140)

''اور اللہ ظالموں کو ناپسند کرتا ہے۔''

2. ﴿لَا تَظْلِمُوْنَ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ o﴾ (البقرة : 279)

''نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔''

3. ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ﴾ (النسآء : 40)

''بے شک اللہ ذرا بھی ظلم نہیں کرتا۔''

4. ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَّ لٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ o﴾

(یونس : 44)

''بے شک اللہ تو لوگوں پر کچھ بھی ظلم نہیں کرتا مگر لوگ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔''

5. ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ o﴾ (لقمان : 13)

''بے شک شرک بڑا ظلم ہے۔''

6. ﴿اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ o﴾ (ابراهيم : 22)

''بے شک ظالموں کو دردناک عذاب ملے گا۔''

7. ﴿اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ o﴾ (الشوریٰ : 45)

''یاد رکھو، ظالموں کو ہمیشہ کا عذاب ہوگا۔''

ظلم کے بارے میں چند احادیث:

احادیث میں بھی ظلم و زیادتی کی مذمت کی گئی ہے اور اسے سخت ناپسند کیا گیا ہے۔ ذیل میں چند احادیث درج کی جا رہی ہیں:

1: ایک متفق علیہ حدیث میں ہے کہ:

''اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر وہ مظلوم ہے تو اس کی مدد کی جا سکتی ہے لیکن ظالم کی مدد کیسے کی جائے؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس کی مدد یہ ہے کہ اسے ظلم سے روکا جائے۔''

(صحیح بخاری، رقم:6952۔ صحیح مسلم، رقم:6582۔ ترمذی:2255)

2: ایک حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''اے میرے بندو! میں نے اپنے لیے بھی اور تمہارے لیے بھی ظلم کو حرام قرار دیا ہے تو تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔'' (صحیح مسلم، رقم:6572)

3: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے اپنے بھائی کی عزت و آبرو یا کسی چیز پر ظلم کیا ہو، اُسے چاہیے کہ آج ہی اس کی تلافی کر دے، اُس دن سے پہلے کہ جب اُس کے پاس دینے کے لیے نہ درہم ہو گا اور نہ دینار۔ بلکہ ظلم کے بدلے میں ظلم کے برابر مظلوم کو نیکیاں دلائی جائیں گی اور جب نیکیاں نہ ہوں گی تو مظلوم کے گناہ ظالم پر ڈال دیے جائیں گے۔'' (صحیح بخاری، رقم:2449)

4: ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے پھر جب اُسے پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں۔

(صحیح بخاری، رقم:4686۔ صحیح مسلم، رقم:6581)

5: ایک اور حدیث میں ہے کہ اہل ایمان جب دوزخ سے نکالے جائیں گے تو جنت اور دوزخ کے درمیان ایک پل ہو گا جہاں اُن کو روک لیا جائے گا۔ پھر دنیا میں جس نے کسی پر کوئی ظلم کیا ہو گا۔ اس کا بدلہ ظالم سے دلایا جائے گا۔ جب اس سے پاک ہو جائیں گے تو پھر جنت میں جانے کی اجازت ملے گی۔'' (صحیح بخاری، رقم:2440)

6: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو اُن کو یہ نصیحت فرمائی کہ:

''مظلوم کی بددعا سے بچنا۔ کیونکہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں۔''

(صحیح بخاری، رقم:2448)

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں ظلم و زیادتی بہت ناپسندیدہ ہے اور اللہ تعالیٰ ظلم کو سخت ناپسند کرتا ہے۔

اسلام نے ظلم کے خاتمے کے لیے درج ذیل اقدامات کیے ہیں:

1: مظلوم کو ظالم سے بدلہ لینے کا حق دیا گیا ہے تاکہ کوئی کسی پر ظلم نہ کر سکے۔
لیکن ظلم کا بدلہ لینے کی اتنی ہی اجازت ہے جتنا ظلم ہوا ہے، اس سے زیادہ جو کچھ ہوگا وہ برائی ہے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
﴿وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ o وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا﴾
(الشوریٰ: 36)
''اور جو ایسے ہیں کہ جب اُن پر کوئی زیادتی ہوتی ہے تو بدلہ لیتے ہیں۔ اور برائی کا بدلہ اتنا لیا جا سکتا ہے جتنی برائی کی گئی تھی۔''

2: مظلوم کو اس کی اجازت دی گئی ہے کہ وہ ظلم کے خلاف آواز اُٹھائے اور اسے علانیہ بیان کرے۔
اس کے دو فائدے ہیں: ایک یہ کہ ظالم اپنی بدنامی کے ڈر سے مزید ظلم نہیں کرے گا۔ دوسرے اس طرح مظلوم کو عام لوگوں کی ہمدردیاں حاصل ہو جائیں گی۔
چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:
﴿لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا o﴾
(النسآء: 21)
''اللہ کی یہ پسند نہیں کہ تم کسی کی برائی بیان کرتے پھرو۔ البتہ مظلوم کو ظالم کے خلاف ایسا کرنے کی اجازت ہے۔ اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔''

3: ظلم اور زیادتی کے خاتمے کے لیے ایک مؤثر ہتھیار عدم تعاون (Non-Cooperation) ہے۔
یہی وجہ ہے کہ قرآن نے ظلم و زیادتی اور گناہ کے کاموں میں تعاون نہ کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔
مسلمان کے لیے ہر معاملے میں عدل و انصاف سے کام لینا ضروری ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ظلم ناپسند ہے، اور وہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔
عدل و انصاف کی راہ میں درج ذیل چیزیں رکاوٹ نہیں بنی چاہئیں۔
خواہش پرستی، اقربا نوازی، دباؤ، لالچ، رشوت اور سفارش۔

عدل وانصاف کے بارے میں قرآنی آیات:

عدل و انصاف کے بارے میں چند قرآنی آیات درج ذیل ہیں:

1۔ ﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ........﴾ (النحل: 90)

''بے شک اللہ عدل وانصاف کرنے کا حکم دیتا ہے۔''

2۔ ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا﴾ (الانعام: 116)

''اور تمہارے رب کی بات پوری سچی ہے اور صحیح انصاف کی ہے۔''

3۔ ﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ (المائدہ: 42۔ الحجرات: 9۔ الممتحنہ: 8)

''اور اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

4۔ ﴿اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ (المائدہ: 8)

''انصاف کرو، یہی تقوے سے زیادہ قریب ہے۔''

5۔ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ﴾ (المائدہ: 8)

''اے ایمان والو! اللہ کے لیے قائم رہنے والے اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بنو۔''

اس کے علاوہ ایک صحیح حدیث میں سات ایسے اشخاص کا ذکر کیا گیا ہے جن کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی رحمت کا سایہ نصیب ہوگا۔ ان ساتوں میں سے ایک وہ شخص ہوگا جو ''اِمَامٌ عَادِلٌ'' عادل حکمران ہوگا۔''

(صحیح بخاری، رقم:660۔ صحیح مسلم، رقم:2380۔ ترمذی، رقم:2391۔ نسائی، رقم:5380)

اسلام میں قاضی کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ عدل وانصاف سے فیصلہ کرے۔ ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ عادل ہو لیکن حکمران کے لیے عادل ہونا اور بھی ضروری ہے۔

49: ظالم اور مظلوم کی مدد کرنا

49...... ((عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا . فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَنْصُرُهٗ مَظْلُوْمًا ، فَكَيْفَ اَنْصُرُهٗ ظَالِمًا؟ قَالَ: تَمْنَعُهٗ مِنَ الظُّلْمِ ، فَذَالِكَ نَصْرُكَ اِيَّاهُ .))

مشکوۃ المصابیح، رقم 4957 صحیح بخاری، رقم 6952 صحیح مسلم، رقم 6582
ترمذی، رقم 2255

''سیّدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم ہو۔ اس پر ایک آدمی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں مظلوم کی مدد کروں گا، ظالم کی مدد کیسے کروں؟ حضور ﷺ نے فرمایا: تم اسے ظلم سے روکو، اُس کے لیے یہی تمہارا مدد کرنا ہے۔''

تشریح:

اس حدیث میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا کہ تم ظالم اور مظلوم دونوں کی مدد کیا کرو تو ایک صحابی نے تعجب اور حیرانی سے عرض کیا کہ وہ مظلوم کی مدد تو کرسکتا ہے مگر ظالم کی مدد کیسے کرسکتا ہے؟ اس پر نبی ﷺ نے فرمایا کہ ظالم کو اُس کے ظلم سے روکو۔ یہی تمہاری طرف سے اُس کی مدد کرنا ہے۔

ظالم کو ظلم سے باز رکھنے کے لیے اگر کچھ سختی بھی کی جائے تو وہ بھی اُس کے حق میں نرمی ہے اور اُس کی مدد کرنا ہے کیونکہ اس طرح وہ ظلم کرنے کے گناہ سے بچ جائے گا۔ اس طرح کسی مسلمان بھائی کو گناہ سے بچانا گویا اُس کی مدد کرنا ہے۔ یہ کام پہلے زبان کے ذریعے کیا جائے گا اور آخر میں ہاتھ کے ذریعے سے زبردستی بھی کیا جائے گا۔

حدیث کا یہی مضمون بعض دوسری احادیث میں اس طرح آیا ہے:

1: ((عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا . قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذَا نَصْرُهٗ مَظْلُوْمًا ، فَكَيْفَ نَنْصُرُهٗ ظَالِمًا؟ قَالَ: تَأْخُذُ فَوْقَ يَدَيْهِ .))

(صحیح بخاری، رقم: 2444۔ صحیح مسلم، رقم: 6582)

''سیّدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! مظلوم کی مدد تو ٹھیک ہے مگر ظالم کی مدد ہم کیسے کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اُس ظالم کے ہاتھ پکڑ کر۔''

اسی مضمون کی یہ حدیث بھی ہے:

((عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا ، فَقَالَ رَجُلٌ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَنْصُرُهٗ اِذَا كَانَ مَظْلُوْمًا ، اَفَرَءَیْتَ اِذَا كَانَ ظَالِمًا كَیْفَ اَنْصُرُهٗ؟ قَالَ: تَحْجُزُهٗ اَوْ تَمْنَعُهٗ مِنَ الظُّلْمِ ، فَاِنَّ ذٰلِكَ نَصْرُهٗ.))

(صحیح بخاری، رقم: 6952)

''سیّدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ اس پر ایک آدمی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! جب وہ مظلوم ہو تو میں اُس کی مدد کروں گا مگر جب وہ ظالم ہو تو میں اُس کی مدد کیسے کر سکتا ہوں؟ فرمایا اُسے روکو اور ظلم سے باز رکھو۔ یہی تمہاری طرف سے اُس کی مدد ہے۔''

ایک اور حدیث میں یہی مضمون اس طرح ادا ہوا ہے:

((عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا۔ قِیْلَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! نَصَرْتُهٗ مَظْلُوْمًا فَكَیْفَ اَنْصُرُهٗ ظَالِمًا؟ قَالَ: تَكُفُّهٗ عَنِ الظُّلْمِ فَذَاكَ نَصْرُكَ اِیَّاهُ.)) (ترمذی، رقم: 2255)

''سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! میں اُس کی مدد کروں جب وہ مظلوم ہو لیکن جب وہ ظالم ہو تو میں اُس کی مدد کیسے کروں؟ فرمایا: اُسے ظلم سے روکو۔ اُس کے لیے تمہاری یہی مدد ہے۔''

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مظلوم کی مدد کے ساتھ ساتھ ظالم کا ہاتھ روکنا اور اُس کو ظلم سے باز رکھنا بھی واجب اور ضروری ہے تاکہ معاشرے سے ظلم کا خاتمہ ہو سکے۔

50: ظلم وزیادتی کی معافی مانگنا

50...... ((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
مَنْ كَانَتْ لَهٗ مَظْلِمَةٌ لِاَخِيْهِ مِنْ عِرْضِهٖ اَوْ شَیْءٌ فَلْيَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ الْيَوْمَ قَبْلَ اَنْ لَا يَكُوْنَ دِيْنَارٌ وَّلَا دِرْهَمٌ ، اِنْ كَانَ لَهٗ عَمَلٌ صَالِحٌ اُخِذَ مِنْهُ بِقَدْرِ مَظْلِمَتِهٖ ، وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَهٗ حَسَنَاتٌ اُخِذَ مِنْ سَيِّاٰتِ صَاحِبِهٖ فَحُمِلَ عَلَيْهِ .))

مشکوٰة المصابیح، رقم 5126 صحیح بخاری، رقم 2449

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
جس کسی نے اپنے کسی مسلمان بھائی کی بے عزتی کی یا کچھ زیادتی کی تو اُسے چاہیے کہ آج ہی اُس سے معافی مانگ لے، اس سے پہلے کہ جب نہ درہم ہوں گے اور نہ دینار ہوں گے۔ اگر اُس کے کچھ نیک اعمال ہوں گے تو اُس کے ظلم وزیادتی کے مطابق اُن میں کمی کر دی جائے گی۔ اور اگر اُس کے نیک اعمال نہیں ہوں گے تو اس سے متعلق شخص کی برائیاں لے کر اس پر لاد دی جائیں گی۔''

تشریح:

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں جس شخص نے کسی دوسرے پر کوئی ظلم کیا ہے، یا کوئی زیادتی کی ہے، یا کسی کا حق مارا ہے تو اس ظلم وزیادتی کی تلافی اسی زندگی میں کر دینی ضروری ہے۔ کیونکہ آج روپے پیسے یا دوسرے ذرائع سے مظلوم کو راضی کیا جاسکتا ہے ورنہ قیامت کے دن جب آدمی کے پاس کوئی روپیہ، درہم یا دینار نہ ہوگا تو دوسروں پر کیے گئے ظلم کی تلافی کا اُس کے پاس صرف ایک ہی ذریعہ ہوگا اور وہ بندے کی اپنی نیکیاں ہیں جو مظلوموں اور حق داروں کو دینی پڑیں گی۔ پھر اگر وہ نیکیاں بھی پوری نہ ہوئیں اور ختم ہوگئیں تو حق داروں کے گناہ اس شخص پر لادے جائیں گے اور وہ ان گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں جائے گا۔

نوٹ: مزید تفصیل کے لیے دیکھیے حدیث نمبر 93 کی تشریح۔

51: ظالم کو اللہ تعالیٰ ڈھیل دیتا ہے

51...... ((عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ:
اِنَّ اللّٰہَ لَیُمْلِی الظَّالِمَ حَتّٰی اِذَا اَخَذَہٗ لَمْ یُفْلِتْہُ . ثُمَّ قَرَأَ: وَکَذٰلِکَ اَخْذُ رَبِّکَ اِذَا اَخَذَ الْقُرٰی وَھِیَ ظَالِمَۃٌ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 5124 صحیح بخاری، رقم 4686 صحیح مسلم، رقم 6581
اللؤلؤ والمرجان، رقم 1668

''حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
بے شک اللہ تعالیٰ کسی ظالم کو ڈھیل دیتا ہے مگر جب اُسے پکڑتا ہے تو پھر اُسے نہیں چھوڑتا۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿وَ کَذٰلِکَ اَخْذُ رَبِّکَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰی وَ ھِیَ ظَالِمَۃٌ﴾۔''

تشریح:

1: اس حدیث میں ایک تو مظلوم انسانوں کو تسلی دی گئی ہے کہ ان کو اس پر اجر ملے گا اگر وہ اپنے اُوپر ہونے والے ظلم وستم پر صبر کریں اور اس دن کا انتظار کریں جب اللہ تعالیٰ ظالموں کی گردنیں دبوچے گا اور اُن کو سخت سزا اور عذاب دے گا۔

2: دوسرے اس حدیث میں ظالموں کے لیے تنبیہ اور وارننگ (Warning) ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی مہلت پر مغرور نہ ہوں۔ یہ ڈھیل صرف اس لیے دی گئی ہے کہ وہ ظلم سے باز آجائیں، توبہ کرلیں اور دوسروں کی حق تلفی نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی جو رسّی دراز کر رکھی ہے تو اس سے ناجائز فائدہ نہ اُٹھائیں بلکہ اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے ہر قسم کی زیادتی سے باز آئیں۔

3: ظالم کو اُس کے ظلم سے روکنا چاہیے۔ مظلوم کی مدد کرنی چاہیے۔ خود مظلوم کو بھی چاہیے کہ جتنا ہو سکے وہ اپنے اوپر ہونے والے ظلم کا دفاع کرے اور ظالم کے چنگل سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرے۔ اس حوالے سے سیّد جمال الدین افغانیؒ کا قول بھی قابل غور ہے کہ: میں ظالم اور مظلوم دونوں سے نفرت کرتا ہوں۔ ظالم سے اس لیے کہ وہ ظلم کرتا ہے اور مظلوم سے اس لیے کہ وہ ظالم کو ظلم کرنے کا موقع دیتا ہے۔

4: حدیث کے آخر میں جس قرآنی آیت کا حوالہ ہے وہ پوری آیت یہ ہے:

﴿وَ كَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَ هِيَ ظَالِمَةٌ اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌo﴾

(ھود: 102)

''اور آپ ﷺ کے ربّ کی پکڑ اسی طرح ہوتی ہے جب وہ بستیوں کو اُن کے ظلم پر پکڑتا ہے۔ بے شک اس کی پکڑ بڑی دردناک ہوتی ہے۔''

اسی مضمون کی ایک اور آیت یہ ہے:

﴿وَ لَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُo﴾ (ابراھیم: 42)

''اور مت خیال کرو اللہ اُس سے بے خبر ہے جو ظالم لوگ کر رہے ہیں، وہ اُن کو اُس دن تک کے لیے ڈھیل دے رہا ہے جس دن آنکھیں پتھرا جائیں گی۔''

نوٹ: ظلم کے بارے میں مزید وضاحت کے لیے دیکھیے حدیث نمبر 48 کی تشریح۔

52: متکبر شخص جنت میں نہیں جاسکے گا

52...... ((عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
لا يَـدْخُـلُ النَّارَ اَحَدٌ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِّنْ اِيْمَانٍ . وَ لا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ اَحَدٌ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِّنْ كِبْرٍ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 5107 | صحیح بخاری، رقم 266
ابو داؤد، رقم 4091 | ترمذی، رقم 1998

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
جس شخص کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا وہ دوزخ میں نہیں جائے گا، اور جس شخص کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جاسکے گا۔''

تشریح:

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کے دل میں تکبر ہے اور اس نے مرنے سے پہلے پہلے توبہ نہیں کی تو وہ جنت میں نہیں جاسکے گا۔

تکبر یہ ہے کہ آدمی حق بات کو ٹھکرائے، اپنے آپ کو بڑا جانے اور دوسروں کو حقیر سمجھے۔ اللہ تعالیٰ کو تکبر بالکل پسند نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ۝﴾ (النحل: 23)

''بے شک اللہ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

آدمی کو اپنے مال پر، اقتدار پر، حسن و جمال پر، جائیداد، سواری اور قبیلے برادری پر فخر وغرور اور تکبر نہیں کرنا چاہیے۔ خود کو بڑا اور دوسروں کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے۔

سب سے پہلے ابلیس نے تکبر کیا تھا جیسا کہ قرآن مجید میں اس کی وضاحت موجود ہے۔

﴿اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ۝﴾ (البقرة: 34)

''اُس (شیطان) نے انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے ہوگیا۔''

قرآنی آیات:

غروراور تکبر کے حوالے سے قرآن مجید کی چند آیات ملاحظہ ہوں:

1. ﴿وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا﴾ (بنی اسرائیل: 37)

''اور زمین پر اکڑ کر نہ چل۔ اس طرح نہ تو زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ پہاڑوں کی لمبائی تک پہنچ سکتا ہے۔''

2. ﴿وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۖ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ﴾ (لقمان: 18)

''اور لوگوں سے بے رُخی نہ کر۔ زمین پر اُکڑ کر نہ چل۔ بے شک اللہ کسی اکڑنے والے اور غرور کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔''

3. ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ﴾ (القصص: 76)

''بے شک اللہ اِترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

4. ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا﴾ (النسآء: 36)

''بے شک اللہ پسند نہیں کرتا اُس کو جو تکبر کرنے والا اور شیخی باز ہو۔''

5. ﴿اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ﴾ (الزمر: 60)

''کیا جہنم میں مغروروں کا ٹھکانہ نہیں ہے؟''

احادیث:

احادیث میں بھی فخر وغروراور تکبر کی مذمت کی گئی ہے۔ ذیل میں اس حوالے سے چند احادیث درج کی جاتی ہیں:

1: ''جو آدمی یہ پسند کرے کہ اُس کے سامنے لوگ کھڑے رہیں اُسے اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالینا چاہیے۔''

(ابوداؤد، رقم:5229)

2: ''جو شخص تکبر اور غرور سے اپنے کپڑے گھسیٹے گا، اللہ اس کی طرف قیامت کے دن نہیں دیکھے گا۔''

(صحیح بخاری، رقم:5784۔ صحیح مسلم، رقم:5457۔ ابوداؤد، رقم:4085)

تکبر اور فخر وغرور کی بیماری کا ایک علاج یہ ہے کہ بندہ اپنی کسی خوبی کو اپنی قابلیت اور کوشش کا نتیجہ نہ سمجھے بلکہ اسے اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم سمجھے۔ اسی ایک تصور سے تکبر اور غرور کے مرض کا علاج ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کسی اِترانے والے شیخی باز شخص کو پسند نہیں کرتا۔

قرآن مجید میں ہے کہ:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ۝﴾ (القصص: 76)

''بے شک اللہ تعالیٰ اِترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

اگرچہ قرآن مجید میں یہ آیت قارون کے بارے میں آئی ہے لیکن اس کا حکم اور مضمون عام ہے۔

قارون بنی اسرائیل میں سے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے بہت زیادہ مال و دولت سے نوازا مگر وہ اپنی دولت کے بل بوتے پر اِترانے لگا اور شیخی بگھارنے لگا کہ اُسے یہ دولت اُس کی قابلیت کی وجہ سے ملی ہے۔ اُس نے اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے مال کو اللہ تعالیٰ کی نعمت اور عطیہ نہ سمجھا اور غرور اور گھمنڈ میں مبتلا ہو گیا۔ اُس نے اپنی دولت کی نمائش کی اور پھر اللہ تعالیٰ نے اُسے اُس کے گھر اور ساز و سامان سمیت زمین میں دھنسا دیا۔

بندے کو کوئی نعمت یا انعام ملے تو چاہیے کہ وہ اس پر نہ اِترائے، نہ غرور کرے، نہ گھمنڈ کرے، نہ تکبر کرے اور نہ شیخی بگھارے۔ اُسے اپنی اوقات میں اور اپنے جامے میں رہنا چاہیے۔ ورنہ غرور کا سر ہمیشہ نیچا ہوتا ہے۔ اہل ایمان کسی نعمت اور کمال پر اِتراتے نہیں اور نہ وہ غرور و تکبر کرتے ہیں۔ وہ ہر نعمت کو اللہ تعالیٰ کا احسان مانتے ہیں اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

کبریائی صرف اللہ تعالیٰ ہی کو سزاوار ہے۔ وہی بڑائی کا مستحق ہے۔ انسان تو عاجز ہے۔ اللہ تعالیٰ جو چاہے کر گزرنے والا ہے لیکن انسان کا ارادہ پانی کے بلبلے کی طرح ناپائیدار ہوتا ہے۔

53: تکبر کسے کہتے ہیں؟

53...... ((عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:

لا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ . فَقَالَ رَجُلٌ: اِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ اَنْ يَّكُوْنَ ثَوْبُهٗ حَسَنًا ، وَّ نَعْلُهٗ حَسَنًا . قَالَ: اِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ . اَلْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَ غَمْطُ النَّاسِ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 5108 صحیح مسلم، رقم 265

ترمذی، رقم 1999 ابوداؤد، رقم 4091

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ذرّہ برابر بھی تکبر ہوگا۔ ایک آدمی نے پوچھا: ہر شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اُس کا لباس خوب صورت ہو اور اُس کا جوتا اچھا ہو؟ حضور ﷺ نے فرمایا:

بے شک اللہ تعالیٰ صاحبِ جمال ہے اور وہ جمال کو پسند کرتا ہے۔ تکبر سے مراد ہے حق بات کو ٹھکرانا اور دوسرے لوگوں کو حقیر سمجھنا۔''

تشریح:

چونکہ اپنے آپ کو بڑا سمجھنے اور دوسروں کو حقیر جاننے کا خبط عام طور پر مال داروں اور دولت مندوں میں ہوتا ہے جو اچھا کھاتے اور اچھا پہنتے ہیں اس لیے اُنہی کو متکبر اور مغرور لوگوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ فرمایا کہ جس شخص کے دل میں ذرا بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جا سکے گا تو ایک صحابی نے اسی خیال سے یہ سوال کر دیا کہ ہر شخص چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے جوتے اچھے ہوں تو کیا ایسا شخص بھی جنت میں نہیں جائے گا؟ اس پر نبی کریم ﷺ نے اس صحابی کی یہ غلط فہمی دور کرتے ہوئے فرمایا کہ نہیں، ایسا نہیں ہے۔ عمدہ اور نفیس چیزوں کی خواہش کرنا برا نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ خود اچھا اور خوب صورت ہے جو اچھائی اور خوب صورتی کو پسند فرماتا ہے۔ عمدہ کپڑے یا جوتے پہننا تکبر نہیں ہے بلکہ یہ تو نفاست پسندی اور

پاکیزگی کی علامت ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ تکبر تو یہ ہے کہ آدمی میں احساسِ برتری (Superiority Complex) ہو۔ وہ اپنے اقتدار، خاندان، دولت یا حسن پر مغرور ہو۔ اپنے آپ کو عقلِ کل سمجھے۔ دوسروں کو حقیر جانے اور حق بات کو محض اپنی ضد اور رعونت سے ٹھکرا دے۔ ایسا متکبر اور مغرور شخص جنت میں نہیں جاسکے گا۔

54: تکبر سے کپڑا گھسیٹ کر چلنے والے کا انجام

54...... ((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ:
مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلَاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللّٰهُ اِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4312 صحیح بخاری، رقم 5784 صحیح مسلم، رقم 5457
ابو داؤد، رقم 4058 اللؤلؤ والمرجان، رقم 1349,1350

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:
جو شخص تکبر سے اپنا کپڑا گھسیٹ کر چلتا ہے اُسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن (رحمت کی نظر سے) نہیں دیکھے گا۔''

تشریح:

اسی مضمون کی یہ حدیث بھی ہے کہ:
((اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلَى الْمُسْبِلِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، يَعْنِيْ اِزَارَهٗ .))

(صحیح بخاری، رقم: 3665)

''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایسے شخص کی طرف رحمت کی نظر سے نہیں دیکھے گا جو ٹخنوں سے نیچے تک پاجامہ وغیرہ پہن کر لٹکائے گا۔''

مطلب یہ ہے کہ جو شخص غرور و تکبر کے جذبے سے اپنے کپڑے گھسیٹے گا، اللہ تعالیٰ اس کی طرف قیامت کے دن رحمت کی نگاہ سے نہیں دیکھے گا۔ گویا ایسا کرنا حرام ہے۔ لیکن یہ حکم صرف مردوں کے لیے ہے عورتوں کا معاملہ دوسرا ہے۔ سیرۃ النبی ﷺ (از علامہ شبلی نعمانی، سیّد سلیمان ندوی) میں لکھا ہے کہ:

''عربوں میں لباس کا دامن اتنا لمبا یا تہ بند اتنا نیچے رکھنا کہ زمین پر گھسیٹتا ہوا چلے، بڑائی کی نشانی سمجھی جاتی تھی۔ ان کے بڑے بڑے اُمراء اور رئیس اتنے ہی لمبے دامن رکھتے تھے اور اتنا ہی نیچے تہ بند باندھتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جو کوئی اپنا ازار فخر وغرور اور بڑائی کے اظہار کے لیے گھسیٹ کر چلے گا، اللہ تعالیٰ اُس کی طرف قیامت کے دن نظر نہیں اُٹھائے گا۔ اسی لیے مرد کو پاجامہ کی مہریوں اور تہ بند کو اتنا نیچے نہیں کرنا چاہیے کہ ٹخنے چھپ جائیں، بلکہ

آپ ﷺ نے پسند فرمایا ہے کہ پاجامہ اور تہہ بند نصف ساق (پنڈلی) تک ورنہ کم از کم ٹخنوں سے اونچا رہیں۔ فرمایا: ازار نیچے لٹکانا غرور کی نشانی ہے اور خدا غرور پسند نہیں فرماتا۔ البتہ عورتوں کو دامن یا گھیر نیچے تک لٹکانا بلکہ ایک آدھ بالشت نیچے رکھنا درست ہے۔"

(سیرت النبی، جلد ششم، ص:381، مطبوعہ لاہور)

صحیح بخاری میں ہے کہ حضور ﷺ نے جب یہ حدیث بیان کی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرا تہبند اگر میں اس کا خیال نہ رکھوں تو نیچے لٹک جاتا ہے۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا: تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جو فخر وغرور سے ایسا کرتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر فخر وغرور کا جذبہ کارفرما نہ ہو تو پھر ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اگرچہ اسے بھی بعض علماء نے مکروہ لکھا ہے۔ اس کے علاوہ لباس کے معاملے میں موسمی حالات اور آب وہوا کا خیال بھی رکھنا چاہیے۔

55: ایک متکبر شخص کا انجام

55...... ((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ:
بَیْنَمَا رَجُلٌ یَتَبَخْتَرُ فِیْ بُرْدَیْنِ وَقَدْ اَعْجَبَتْهُ نَفْسُهٗ، خُسِفَ بِهِ الْاَرْضَ، فَهُوَ یَتَجَلْجَلُ فِیْهَا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 5789 — صحیح بخاری، رقم 5789 — صحیح مسلم، رقم 5467
ترمذی، رقم 2491 — اللؤلؤ والمرجان، رقم 1351

''سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
دنیا میں ایک ایسا شخص تھا جو دو چادروں میں اکڑ اکڑ کر چلتا تھا۔ وہ بہت مغرور تھا۔ اُسے زمین میں دھنسا دیا گیا اور وہ قیامت تک اس میں دھنستا چلا جائے گا۔''

تشریح:

اس حدیث میں جس مغرور اور متکبر شخص کا ذکر ہے اُس کے بارے میں کئی اقوال ہیں:

1: یہ بنی اسرائیل کا مشہور دولت مند قارون تھا۔

2: یہ کسی گزشتہ قوم کے آدمی کا قصہ ہے۔

3: یہ کسی خاص شخص کا واقعہ نہیں بلکہ ایسے کئی لوگ مراد ہو سکتے ہیں۔

بہر حال یہ شخص ایک جوڑا پہن کر اِتراتا ہوا نکلا۔ اپنے لباس کو اس نے اللہ کی نعمت نہ سمجھا بلکہ اس پر غرور اور تکبر کیا۔ اور دوسروں کو حقیر جانا تو اللہ تعالیٰ نے اُسے سزا کے طور پر زمین میں دھنسا دیا اور وہ قیامت تک زمین میں دھنستا چلا جائے گا۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو لباس پہن کر مغرور اور متکبر نہیں بن جانا چاہیے۔ نہ دوسروں کو حقیر سمجھنا چاہیے، نہ زمین پر اکڑ اکڑ کر چلنا چاہیے اور نہ اللہ کی ناشکری کرنی چاہیے۔ یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں۔ بلکہ بندے کو چاہیے کہ وہ اچھا لباس پہن کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور دوسروں کو حقیر نہ سمجھے۔

56: مردوں اور عورتوں کا ایک دوسرے کی مشابہت اختیار کرنا

56...... ((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ:
لَعَنَ اللّٰهُ الْمُتَشَبِّهِينَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَآءِ، وَالْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَآءِ بِالرِّجَالِ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4429 صحیح بخاری، رقم 5885 -
ترمذی، رقم 2784 ابن ماجه، رقم 1904

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:
اللہ کی لعنت ہے اُن مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں اور اُن عورتوں پر لعنت ہے جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں۔''

تشریح:

1: اس حدیث میں اُن مردوں پر لعنت کی گئی ہے جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں اور ایسی عورتوں پر لعنت کی گئی ہے جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں۔ایسی مشابہت حرام ہے۔

2: مردوں اور عورتوں کی ایک دوسرے سے مشابہت کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں اور سب کی سب منع ہیں:
جیسے لباس کے رنگوں اور اُس کی تراش خراش (Cutting) کی مشابہت، چال ڈھال، وضع قطع اور رہن سہن کی مشابہت۔اس کے علاوہ مردوں کا ریشمی لباس پہننا یا سونے کے زیورات پہننا (جیسے سونے کی انگوٹھی اور گھڑی وغیرہ) بھی اس میں شامل ہے اور یہ بھی حرام ہے۔

3: عورت اور مرد کا ایک دوسرے کی مشابہت اختیار کرنا فطرت کے خلاف ہے کیونکہ ان دونوں میں اللہ تعالیٰ نے جو فطری نفسیاتی کشش رکھی ہے، یہ مشابہت اُس کو مٹانے کی کوشش کرتی ہے اور اسلام جو کہ دینِ فطرت ہے،اسے باقی رکھنا چاہتا ہے۔

4: مردوں اور عورتوں کا ایک دوسرے سے تشبہ یا مشابہت اختیار کرنا اُن کی شخصیت کی کمزوری اور اُن کے گھٹیا پن کو ظاہر کرتا ہے اور اس میں ایک طرح کا احساسِ کمتری یا احساسِ برتری پایا جاتا ہے جو بیمار شخصیت کی علامت ہے۔

5: مردوں اور عورتوں کی ایک دوسرے سے مشابہت کا فتنہ افسوس آج مغربی تہذیب کے اثر سے مسلم معاشرے میں بھی تیزی سے پھیل رہا ہے اور بعض اوقات ان کی اس حرکت کو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے گویا وہ ایک دوسرے سے زبانِ حال سے کہہ رہے ہوں کہ ؎

من تو شدم تو من شدی، من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں، من دیگرم تو دیگری

اللہ تعالیٰ ہمیں اس فتنے سے اور اس کے برے اثرات سے محفوظ رکھے، آمین!

57: زمانے کو برا نہ کہو

57...... ((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا یَسُبُّ اَحَدُکُمُ الدَّهْرَ، فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الدَّهْرُ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4764 صحیح مسلم، رقم 5867
ابوداؤد، رقم 5274

''سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
تم میں سے کوئی شخص زمانے کو برا نہ کہے۔ کیونکہ اللہ ہی تو زمانہ ہے۔''

تشریح:

اسی مضمون کی ایک حدیث قدسی ہے کہ:

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: یُؤْذِیْنِی ابْنُ آدَمَ یَسُبُّ الدَّهْرَ، وَاَنَا الدَّهْرُ، بِیَدِیَ الْاَمْرُ، اُقَلِّبُ اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ .))

(مشکوۃ المصابیح، رقم: 4764,4763,22۔ صحیح بخاری، رقم: 4826۔ صحیح مسلم، رقم: 5862۔ ابوداؤد، رقم: 5274۔ مسند احمد، رقم: 19818۔ اللؤلؤ والمرجان، رقم: 1449۔ صحیفہ همام بن منبہ، رقم: 118)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
آدمی زمانے کو گالی دے کر مجھے تکلیف پہنچاتا ہے جب کہ زمانہ تو میں خود ہوں۔ سارے معاملات میرے ہاتھ میں ہیں۔ دن رات کو میں ہی بدلتا ہوں۔''

دورِ جاہلیت میں عربوں کا حال یہ تھا کہ مصیبت کے وقت وہ زمانے کو بُرا بھلا کہتے تھے۔ اُن کا اعتقاد تھا کہ زندگی میں جو خوشی غمی بلکہ جو تبدیلیاں آتی ہیں اُن کا سبب بھی زمانے کی گردش ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ بارش ہونے اور کسی کے جینے مرنے کے سبب کو بھی گردشِ زمانہ کہتے تھے۔

قرآن مجید میں بھی اُن کے اس جاہلانہ تصور کا ذکر آیا ہے:

﴿وَقَالُوْا مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیَا وَمَا یُهْلِکُنَا اِلَّا الدَّهْرُ﴾

(الجاثیہ: 24)

''اور وہ کہتے ہیں کہ زندگی صرف اسی دنیا کی زندگی ہے ، یہیں ہم مرتے اور جیتے ہیں اور ہمیں صرف زمانے کی گردش ہلاک کرتی ہے ۔''

پھر چونکہ اُن کا یہ تصور اسلام کے عقیدۂ توحید کے خلاف تھا اس لیے اس کی تردید فرمائی گئی اور واضح کر دیا گیا کہ فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہے ۔ وہی کائنات کا نظام چلا رہا ہے ۔ زندگی اور موت اُسی کے ہاتھ میں ہے ۔ نفع ونقصان کا مالک صرف وہی ہے ۔ وہی نعمتیں دیتا اور عذاب نازل کرتا ہے ۔ وہ کسی کو کم اور کسی کو زیادہ روزی دیتا ہے ۔ وہ جب چاہے دن رات کی گردش کو روک کر ختم کر دے ۔ اب بھی اُسی کے حکم سے سورج نکلتا اور ڈوبتا ہے اور دن رات کا نظام قائم ہے ۔ اس طرح اسلام نے جاہلیت کے غلط مشرکانہ عقیدے کو ختم کر دیا اور اُس کی جگہ مسلمانوں کو توحید کا عقیدہ سکھا دیا۔

یہ سمجھنا گمراہی ہے کہ اس دنیا میں نفع ونقصان، راحت ومصیبت اور خوشی غمی کا تعلق زمانے، حالات اور ماحول کی تبدیلی سے ہے اور اللہ تعالیٰ ان سارے کاموں میں مؤثر اور متصرف نہیں ہے۔

یاد رہے کہ اَلدَّهْرُ یعنی زمانہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے نہیں ہے۔ اَلدَّهْرُ (زمانے) کے بارے میں عربی کا ایک شعر ہے:

هَلِ الدَّهْرُ اِلَّا لَيْلَةٌ وَّنَهَارُهَا
وَاِلَّا طُلُوْعُ الشَّمْسِ ثُمَّ غِيَابُهَا

''زمانہ کیا ہے؟ رات اور دن! یا سورج کا طلوع ہونا اور پھر چھپ جانا!''

58: بلی کو بھوکا پیاسا رکھنے والی عورت کے لیے عذاب

58...... ((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
دَخَلَتِ امْرَءَةٌ النَّارَ مِنْ جَرَّاءِ هِرَّةٍ لَهَا اَوْ هِرٍّ رَبَطَتْهَا ...... فَلَا هِيَ اَطْعَمَتْهَا وَلَا هِيَ اَرْسَلَتْهَا تَتَقَمَّمُ مِنْ خَشَاشِ الْاَرْضِ، حَتّٰى مَاتَتْ هَزْلًا))

صحیح بخاری، رقم 2365 صحیح مسلم، رقم 6679

''ایک عورت اس وجہ سے دوزخ میں چلی گئی، کیونکہ اس نے اپنی ایک بلی (یا بلے) کو باندھ دیا تھا۔ نہ اسے کچھ کھلاتی تھی اور نہ کھلا چھوڑتی تھی کہ وہ خود زمین میں چل پھر کر اپنا پیٹ بھر لیتی۔ یہاں تک کہ وہ بھوک سے مرگئی۔''

تشریح:

اسلام میں جانوروں کے بھی حقوق ہیں۔ان کو ضرورت کے بغیر مار دینا جائز نہیں۔

اس حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایک عورت صرف اس وجہ سے دوزخ میں جائے گی کہ اُس نے اپنی ایک بلی (یا بلے) کو باندھ دیا۔ اسے کچھ کھلایا پلایا نہیں۔ نہ اسے کھلا چھوڑا کہ زمین میں چل پھر کر اپنا پیٹ بھر لیتی۔ یہاں تک کہ وہ بھوکی مرگئی۔

ایک متفق علیہ حدیث میں ہے ک ایک شخص کہیں جا رہا تھا، اسے پیاس لگی۔ اتفاق سے اسے ایک کنواں مل گیا اور اس نے اس میں اُتر کر پانی پی لیا۔ جب وہ کنوئیں سے باہر نکلا تو دیکھا کہ ایک کتا پیاس سے زبان نکالے کیچڑ چاٹ رہا ہے۔ اس کو کتے پر رحم آیا اور اس نے اسے پانی پلایا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا۔ صحابہ کرام نے جب یہ واقعہ سنا تو عرض کیا: ''کیا جانوروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے پر بھی ثواب ملتا ہے؟'' حضور ﷺ نے فرمایا: ''ہر جاندار کے ساتھ اچھا سلوک کرنے پر اجر وثواب ہے۔'' (صحیح بخاری، رقم:6009)

نوٹ: مزید تفصیل کے لیے دیکھیے حدیث نمبر 15 کی تشریح۔

59: خوشامد کرنے والوں کے منہ پر خاک ڈالو

59...... ((عَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
اِذَا رَءَيْتُمُ الْمَدَّاحِيْنَ فَاحْثُوْا فِيْ وُجُوْهِهِمُ التُّرَابَ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4826 صحیح مسلم، رقم 7506

ابو داؤد، رقم 4804 ترمذی، رقم 2393

''حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
جب تم (بے جا) تعریف کرنے والوں کو دیکھو تو اُن کے منہ پر مٹی پھینکو۔''

تشریح:

1: خوشامد یہ ہے کہ کسی کی کوئی ایسی خوبی بیان کی جائے جو اس میں نہ ہو، یا اُس کی حد سے زیادہ تعریف کی جائے۔

2: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی خوشامدی آپ کی خوشامد کرتا ہے تو اسے اس کا یہ انعام دیا جائے کہ اس کے منہ پر مٹی ڈالی جائے اور اسے کچھ نہ دیا جائے۔

3: اس حدیث کے راوی صحابی کے بارے میں ہے کہ انہوں نے ایک خوشامدی کے منہ پر واقعی مٹی ڈال دی تھی۔

4: لیکن اگر کسی شخص میں کوئی خوبی یا کمال پایا جاتا ہو تو اس کی تعریف اور تحسین کرنی چاہیے۔

5: لوگوں کی تعریف میں مبالغہ ہرگز نہیں کرنا چاہیے۔ یہ منع ہے۔ تعریف میں مبالغے کی مثال ''اُلو کو رات کا شہباز'' کہنا ہے۔ ایسی قصیدہ گوئی نہیں کرنی چاہیے۔

6: خوشامد کو پسند کرنا تکبر اور غرور کی نشانی ہے۔ اس کے علاوہ قرآنِ مجید نے اسے منافقین کی ایک علامت بھی قرار دیا ہے۔

7: کسی کی تعریف کرنا گویا اُس کے حق میں گواہی دینا ہے اور ظاہر ہے گواہی اور شہادت دینا کتنی بڑی ذمہ داری ہے۔ ہوسکتا ہے جس کی ناجائز تعریف کی جائے اس میں تکبر اور غرور پیدا ہو جائے۔ اس لیے کسی

کی خوشامد اور چاپلوسی کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔

8: اس حدیث کا ایک مطلب تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ خوشامدی لوگوں (جیسے میراثیوں اور شاعروں وغیرہ) کے منہ پر اُسی وقت مٹی اٹھا کر ڈال دو جب وہ زبان سے خوشامد کریں۔

دوسرا مطلب یہ بھی لیا گیا ہے کہ اُن کے منہ پر مٹی ڈالنے سے مراد محاورے کی زبان میں اُن کو کچھ نہ دینا اور خالی ہاتھ لوٹانا ہے۔

9: بعض حضرات نے ایک تیسرا مطلب بھی اس حدیث کا بیان کیا ہے کہ خوشامد کرنے والوں سے کہہ دیا جائے کہ: ''تمہارے منہ میں خاک۔''

گویا ایسا کہہ دینا ہی اُن کے منہ میں مٹی ڈالنا ہے۔

10: خوشامد کرنا اور خوشامد کرانا دونوں ناجائز اور منع ہیں۔

11: افسوس آج ہمارے معاشرے میں افسروں اور حاکموں وغیرہ کی خوشامد کرنے کو دنیوی ترقی کا زینہ سمجھا جاتا ہے حالانکہ یہ انتہا درجے کی اخلاقی پستی اور میراثیوں کا طریقہ ہے۔

باب 3......آداب

60: پانچ چیزیں فطرت میں سے ہیں

60...... ((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلْفِطْرَةُ خَمْسٌ: اَلْخِتَانُ، وَ الْاِسْتِحْدَادُ، وَ قَصُّ الشَّارِبِ، وَ تَقْلِيْمُ الْاَظْفَارِ، وَ نَتْفُ الْاِبِطِ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4420 — صحیح بخاری، رقم 5891 — صحیح مسلم، رقم 598
ابوداؤد، رقم 4198 — ترمذی، رقم 2756 — نسائی، رقم 5225
اللؤلؤ والمرجان، رقم 145

''سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
پانچ چیزیں فطرت میں سے ہیں: ختنہ کرنا، زیرِ ناف بال صاف کرنا، مونچھیں کترانا، ناخن تراشنا اور بغلوں کے بال اُکھاڑنا۔''

تشریح:

1: اس حدیث میں پانچ ایسے اسلامی آداب کا ذکر ہے جو فطری طور پر پسندیدہ ہیں۔

(1) ختنہ کرنا

(2) زیرِ ناف بال صاف کرنا

(3) مونچھیں کترانا

(4) ناخن تراشنا

(5) بغلوں کے بال اُکھیڑنا یا کاٹنا

2: اسلام دینِ فطرت ہے اس لیے وہ فطری آداب سکھاتا ہے۔ ایسے آداب جو انسان کو جانوروں سے

ممتاز اور نمایاں کرتے ہیں۔ ان آداب میں شائستگی، سلیقہ، صفائی اور نفاست پائی جاتی ہے۔ ان کی خلاف ورزی میں ناشائستگی، پھوہڑپن، گندگی، بداخلاقی، بدتہذیبی اور جہالت ہے۔

3: اسی حدیث سے ملتی جلتی یہ حدیث بھی ہے:

((عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ ، قَالَ: وُقِّتَ لَنَا فِيْ قَصِّ الشَّارِبِ، وَتَقْلِيْمِ الْاَظْفَارِ، وَنَتْفِ الْاِبِطِ، وَحَلْقِ الْعَانَةِ اَنْ لَا نَتْرُكَ اَكْثَرَ مِنْ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً .))

(صحیح مسلم، رقم: 599)

''سیّدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمارے لیے مونچھیں کترانے، ناخن کاٹنے، بغل کے بال اکھیڑنے اور زیر ناف بال مونڈنے کا حکم مقرر کیا گیا ہے کہ چالیس (40) راتوں (دنوں) سے زیادہ نہ ہوں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ دوسرے مذاہب کے مقابلے میں اسلام میں صفائی، پاکیزگی، تہذیب، نفاست اور شائستگی پائی جاتی ہے۔

61: سلام کرنا

61...... ((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ، طُوْلُهٗ سِتُّوْنَ ذِرَاعًا، فَلَمَّا خَلَقَهٗ قَالَ: اذْهَبْ فَسَلِّمْ عَلٰى اُولٰٓئِكَ النَّفَرِ، وَهُمْ نَفَرٌ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ جُلُوْسٌ، فَاسْتَمِعْ مَا يُحَيُّوْنَكَ، فَاِنَّهَا تَحِيَّةُ ذُرِّيَّتِكَ، فَذَهَبَ فَقَالَ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ. فَقَالُوْا: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ. قَالَ: فَزَادُوْهُ: وَرَحْمَةُ اللّٰهِ. قَالَ: فَكُلُّ مَنْ يَّدْخُلُ الْجَنَّةَ عَلٰى صُوْرَةِ اٰدَمَ، وَطُوْلُهٗ سِتُّوْنَ ذِرَاعًا، فَلَمْ يَزَلِ الْخَلْقُ يَنْقُصُ بَعْدَهٗ حَتّٰى الْاٰنَ.))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4628 صحیح بخاری، رقم 6227 صحیح مسلم، رقم 7163
اللؤلؤ والمرجان، رقم 1807

''سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اُن کی صورت پر پیدا فرمایا۔ اُن کا قد ساٹھ (60) ہاتھ تھا۔ پیدا کرنے کے بعد اُن سے فرمایا: جاؤ اس جماعت کو سلام کرو...... وہ جماعت فرشتوں کی تھی جو ایک جگہ بیٹھی ہوئی تھی ...... پھر جو وہ جواب میں کہیں اُسے غور سے سنیں۔ وہی جواب تمہارا اور تمہاری اولاد کا ہوگا۔ انہوں نے اُن سے جا کر کہا: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ ۔ جواب میں اُنہوں نے کہا: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ ۔ اس طرح انہوں نے جواب میں ''رَحْمَةُ اللّٰهِ'' کا اضافہ کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے پھر فرمایا:
جنت میں داخل ہونے والا ہر شخص آدم جیسی صورت کا ہوگا جس کا قد ساٹھ (60) ہاتھ ہوگا۔ آدم علیہ السلام والا قد اب تک مسلسل کم ہوتا چلا آ رہا ہے۔

تشریح:

اس حدیث سے درج ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں:

1: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو عام انسانوں کی پیدائش کے طریقے کے برعکس ایک ہی وقت میں

اچھی شکل وصورت اور قد وقامت کے ساتھ پیدا فرمایا اور وہ ساری عمر ایک ہی حالت پر رہے۔

2: حضرت آدم علیہ السلام کا قد ساٹھ (60) ہاتھ یعنی نوے (90) فٹ لمبا تھا۔

3: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں کی مجلس میں بھیج کر اُن کے ذریعے سلام کرنے اور اس کا جواب دینے کا طریقہ سکھایا۔

4: سلام کرنا سنت اور اس کا جواب دینا واجب ہے۔

5: جنت میں جو لوگ داخل ہوں گے ان کی شکل وصورت بھی اچھی ہوگی اور قد بھی لمبا ہوگا۔

6: آدم علیہ السلام کے بعد اُن کی نسل میں زمانے اور حالات کے ساتھ ساتھ انسانوں کا قد کم ہوتا گیا جو اب مزید کم ہوتا جارہا ہے۔

62: جنت ایمان سے اور باہمی اُلفت سلام سے ملتی ہے

62...... ((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
لا تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا، وَلا تُؤْمِنُوْا حَتّٰى تَحَابُّوْا، اَوَ لا اَدُلُّكُمْ عَلٰى شَیْءٍ اِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ؟ اَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4631 صحیح مسلم، رقم 194 ابوداؤد، رقم 5193
ترمذی، رقم 2510 ابن ماجہ، رقم 3692

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
تم لوگ اُس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک مومن نہ بن جاؤ۔ اور تم اُس وقت تک مومن نہیں بن سکتے جب تک آپس میں محبت و پیار سے نہ رہو۔ کیا میں تمہیں ایسا طریقہ بتاؤں جس سے تمہارے درمیان پیار اور محبت قائم رہے؟ اور وہ یہ ہے کہ تم آپس میں سلام پھیلاؤ۔''

تشریح:

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ:

1: ایمان کے بغیر کوئی شخص جنت میں نہیں جا سکے گا۔

2: ایمان اُس وقت تک معیاری، کامل اور جنت میں جانے کا حق دار نہیں ہو سکتا جب تک اہل ایمان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے دلی محبت اور پیار نہ ہو۔

3: مسلمانوں کے درمیان باہمی الفت و محبت پیدا کرنے کا ایک بڑا مفت کا ذریعہ ایک دوسرے کو سلام کرنا ہے جو خلوص نیت اور دل کی گہرائیوں سے کیا جانا ضروری ہے نہ کہ رسمی دکھاوے کا نمائشی سلام۔

نوٹ: مزید تفصیل کے لیے دیکھیے حدیث نمبر 61 کی تشریح۔

63: اسلام کے دو (2) بہترین اعمال

63...... ((عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو ﷠ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ: اَیُّ الْاِسْلَامِ خَيْرٌ؟ قَالَ تُطْعِمُ الطَّعَامَ ، وَتُقْرِئُ السَّلَامَ عَلٰی مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4629 صحیح بخاری، رقم 6236 صحیح مسلم، رقم 160
ابو داؤد، رقم 5194 نسائی، رقم 5000 اللؤلؤ والمرجان، رقم 24

''سیدنا عبداللہ بن عمرو ﷠ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ اسلام کا کون سا کام بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارا کسی بھوکے کو کھانا کھلانا اور ہر مسلمان کو سلام کرنا خواہ تم اُسے جانتے ہو یا نہیں جانتے۔''

تشریح:

1: اِس حدیث میں صرف دو کاموں...... بھوکوں کو کھانا کھلانا اور مسلمانوں کا ایک دوسرے کو سلام کہنا...... کو اسلام کے بہترین اعمال قرار دیا گیا ہے۔

2: بعض دوسری احادیث میں والدین کی خدمت واطاعت، جہاد فی سبیل اللہ اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کو بہترین اور افضل اعمال بتایا گیا ہے۔

3: لیکن ان میں اگرچہ بظاہر تضاد ہے مگر حقیقت میں کوئی تضاد نہیں۔ کبھی یہ سوال کرنے والے شخص کے لحاظ سے مختلف جوابات ہیں اور کبھی حالات وضروریات کے تحت وقتی طور پر ان میں سے ہر عمل اپنی جگہ خاص اہمیت اور فضیلت رکھتا ہے۔

64: کون کس کو سلام کرے؟

64...... ((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
یُسَلِّمُ الرَّاكِبُ عَلَى الْمَاشِيْ، وَالْمَاشِيْ عَلَى الْقَاعِدِ، وَالْقَلِیْلُ عَلَى الْكَثِیْرِ .))

مشکوۃ المصابیح، رقم 4632 صحیح بخاری، رقم 6232 صحیح مسلم، رقم 5646
ابوداؤد، رقم 5199 ترمذی، رقم 2703 اللؤلؤ والمرجان، رقم 1396

''سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
سوار شخص پیدل چلنے والے کو، پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے کو، اور تھوڑے لوگ زیادہ لوگوں کو سلام کیا کریں۔''

تشریح:

1: اسی مضمون کی یہ حدیث بھی سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
((لِیُسَلِّمِ الصَّغِیْرُ عَلَى الْكَبِیْرِ ، وَالْمَارُّ عَلَى الْقَاعِدِ ، وَالْقَلِیْلُ عَلَى الْكَثِیْرِ .)) (صحیح بخاری، رقم: 6231۔ صحیح مسلم، رقم: 5647)
''چھوٹا بڑے کو، راہ چلنے والا بیٹھے ہوئے کو اور تھوڑے لوگ زیادہ لوگوں کو سلام کیا کریں۔''

2: سلام کرنا سنت ہے اور اس کا جواب دینا واجب ہے۔ پورا سلام یہ ہے:
﴿ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ ﴾
اسی طرح پورا جواب یہ ہے:
﴿ وَعَلَیْکُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ ﴾

3: یہ سلام مسلمانوں کے لیے باہمی ملاقات کے وقت کی دعا ہے کہ تم سلامت رہو۔ چھوٹا بڑے کو سلام کرے۔ چلنے والا بیٹھے ہوئے کو، سوار پیدل کو اور تھوڑے لوگ زیادہ لوگوں کو سلام کریں۔ مجلس کی طرف سے کوئی ایک شخص بھی سلام کہے یا سلام کا جواب دے دے تو کافی ہے۔

4: ہمارے ہاں کی افواج، پولیس اور رینجرز وغیرہ میں سلام کی جگہ سلیوٹ (Salute) کا جو رواج ہے اُس کا اسلامی تہذیب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

5: اسی طرح قومی جھنڈے کو سلامی دینے کا طریقہ بھی غیر اسلامی ہے۔

65: غیر مسلم کے سلام کا جواب

65...... ((عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ:
اِذَا سَلَّمَ عَلَیْکُمْ اَهْلُ الْکِتَابِ فَقُوْلُوْا: وَعَلَیْکُمْ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4637 صحیح بخاری، رقم 6258 صحیح مسلم، رقم 5652
ابو داؤد، رقم 5207 ابن ماجه، رقم 3697 اللؤلؤ والمرجان، رقم 1398

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
جب اہل کتاب تمہیں سلام کہیں تو تم اُن کے جواب میں یہ کہو کہ "وَعَلَیْکُمْ"۔

تشریح:

اس حدیث میں اہلِ کتاب یعنی یہود ونصاری کے سلام کا جواب دینے کے بارے میں ہدایت دی گئی ہے۔
غیر مسلموں کو سلام کرنے کے بارے میں یہ احکام ہیں:

1: سلام ایک اعزاز ہے جو صرف مسلمان کا حق ہے اور اسی کے ساتھ مخصوص ہے اس لیے غیر مسلموں کو سلام کرنے میں پہل ہرگز نہیں کی جائے گی۔
صحیح حدیث میں ہے کہ:
((لَا تَبْدَؤُ الْیَهُوْدَ وَلَا النَّصَارٰی بِالسَّلَامِ .)) (صحیح مسلم، رقم: 5661)
''یہودیوں اور عیسائیوں کو سلام کہنے میں پہل نہ کرو۔''

2: اہل کتاب یعنی یہودیوں اور عیسائیوں کے سلام کا جواب دینا چاہیے۔ اگر وہ ایک سے زیادہ ہوں اور وہ سلام کریں تو جواب میں اُن سے "وَعَلَیْکُمْ" (اور تم پر) کہنا چاہیے۔ لیکن اگر کوئی ایک ہی شخص ہو تو اس کے سلام کے جواب میں "وَعَلَیْكَ" (اور تجھ پر) کہہ دینا چاہیے۔

3: اگر کوئی ایسی مجلس ہو جس میں مسلمانوں کے علاوہ وہاں غیر مسلم بھی موجود ہوں تو اُن کو سلام کرنا اس صورت میں جائز ہے جب نیت صرف مسلمانوں کو سلام کرنے کی ہو۔

4: غیر مسلم کو خط لکھتے وقت ''السلام علیکم'' کی بجائے وہ الفاظ لکھے جائیں گے جو نبی ﷺ نے روم کے عیسائی بادشاہ ہرقل کو خط لکھتے وقت لکھوائے تھے اور وہ الفاظ یہ ہیں:
سَلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی . (سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔)

66: مصافحہ کرنا

66...... ((عَنْ قَتَادَةَ رحمہ اللہ، قَالَ: قُلْتُ لِاَنَسٍ رضی اللہ عنہ اَكَانَتِ الْمُصَافَحَةُ فِيْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ؟ قَالَ: نَعَمْ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4677 صحیح بخاری، رقم 6263 ترمذی، رقم 2729

"قتادہ رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے سیّدنا انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا صحابہ کرام مصافحہ کیا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: جی ہاں۔"

تشریح:

1: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرام ایک دوسرے سے ملاقات کے وقت مصافحہ کیا کرتے تھے کیونکہ وہ اسے سنت کا حکم سمجھتے تھے۔

2: ایک تابعی قتادہ رحمہ اللہ کے پوچھنے پر مشہور صحابی حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اُن کو بتایا کہ صحابہ کرام مصافحہ کیا کرتے تھے اور اسے سنت سمجھتے تھے۔

3: ملاقات کے موقع پر مصافحہ کرنے کے بارے میں کئی صحیح احادیث موجود ہیں جن میں مصافحے کا حکم اور اس کی فضیلت وثواب کا ذکر آیا ہے۔

ترمذی (رقم 2728) میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مصافحہ کرنے کی اجازت دی۔ (صحیحہ لالبانی)

4: ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا سلام کی تکمیل ہے۔

5: مصافحہ دونوں ہاتھوں سے کرنا سنت ہے۔

67: مصافحہ کرنا سنت ہے

67...... ((عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: رَجُلٌ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَلرَّجُلُ مِنَّا يَلْقٰى اَخَاهُ اَوْصَدِيْقَهٗ، اَيَنْحَنِىْ لَهٗ؟ قَالَ: لَا . قَالَ: اَفَيَلْتَزِمُهٗ وَيُقَبِّلُهٗ؟ قَالَ: لَا . قَالَ: اَفَيَاخُذُ بِيَدِهٖ وَيُصَافِحُهٗ؟ قَالَ: نَعَمْ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4680 ترمذی، رقم 2728 ابن ماجه، رقم 3702

”سیّدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا:

یا رسول اللہ! جب ہم میں سے کوئی شخص کسی دوسرے آدمی یا دوست سے ملاقات کرے تو کیا اُس کے سامنے اپنا سر جھکائے۔ فرمایا: نہیں۔ اُس نے پھر عرض کیا: کیا وہ اسے گلے لگائے یا اس کا بوسہ لے؟ فرمایا: نہیں۔ اُس نے پھر عرض کیا: کیا وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر مصافحہ کرے؟ فرمایا: جی ہاں۔“

تشریح:

1: یہ حدیث کئی طرق (Channels) سے آئی ہے اور صحیح ہے۔ (البانی)

2: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ملاقات کے موقع پر سلام کرتے وقت جسم کو جھکانا نہیں چاہیے۔ ایسا کرنا شریعت میں منع ہے۔ سیدھے کھڑے رہتے ہوئے سلام کرنا چاہیے۔

3: دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا سنت ہے۔ یہ گویا سلام کرنے کی تکمیل ہے۔

4: ملاقات کے وقت دوسرے کو گلے لگانا یا چومنا وہاں جائز نہیں ہے جہاں اس سے کسی فتنے کا احتمال ہو لیکن اگر کسی فتنے کا اندیشہ نہ ہو تو ایسا کرنا بھی جائز ہے۔

نوٹ: مزید تفصیل کے لیے دیکھیے حدیث نمبر 66 کی تشریح۔

68: ایسا شخص دوزخی ہے جو یہ چاہے کہ لوگ اُس کے لیے کھڑے رہیں

68...... ((عَنْ مُعَاوِيَةَ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
مَنْ سَرَّهُ اَنْ يَتَمَثَّلَ لَهُ الرِّجَالُ قِيَامًا، فَلْيَتَبَوَّءْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4699 ابو داؤد، رقم 5229 ترمذی، رقم 2755

''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
جسے یہ پسند ہو کہ لوگ اُس کے لیے کھڑے رہیں تو وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا لے۔''

تشریح:

رسول اللہ ﷺ کو یہ بات ناپسند تھی کہ لوگ آپ ﷺ کے تشریف لانے پر احترام سے کھڑے ہو جائیں۔

جامع ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

((لَمْ يَكُنْ شَخْصٌ اَحَبَّ اِلَيْهِمْ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ (قَالَ): وَكَانُوْا اِذَا رَاَوْهُ لَمْ يَقُوْمُوْا لِمَا يَعْلَمُوْنَ مِنْ كَرَاهِيَتِهِ لِذٰلِكَ)) (ترمذی، رقم: 2754)

''صحابہ کرام کو نبی ﷺ سے بڑھ کر کوئی شخص محبوب نہ تھا اس کے باوجود بھی وہ لوگ نبی ﷺ کو دیکھ کر احترام میں کھڑے نہیں ہوتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آپ ﷺ کو یہ بات پسند نہیں۔''

تواضع اور انکساری کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کو یہ بات ناپسند تھی کہ لوگ آپ ﷺ کے تشریف لانے پر کھڑے ہو جائیں۔ آپ ﷺ کا یہ طرزِ عمل دراصل دنیا دار متکبر لوگوں کی اس بری عادت کو توڑنے کے لیے تھا جو اپنے غرورِ نفس کی وجہ سے چاہتے ہیں کہ لوگ ان کی آمد پر دست بستہ کھڑے ہو جایا کریں۔ آپ ﷺ نے اسے عجمی حکمرانوں کا طریقہ بتایا اور اسے ناپسند فرمایا۔ اس لیے جو متکبر اور مغرور شخص یہ خواہش رکھتا ہو کہ جب وہ لوگوں کے سامنے آئے تو لوگ اُس کے احترام کے لیے کھڑے ہوں تو ایسا شخص دوزخ میں جائے گا۔

((لَا تَقُوْمُوْا كَمَا يَقُوْمُ الْاَعَاجِمُ يُعَظِّمُ بَعْضُهَا بَعْضًا .))

(ابو داؤد، رقم: 5230۔ ابن ماجه، رقم: 3836۔ مسند احمد، رقم: 22534۔ مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 4700)

''تم لوگ عجمیوں (غیر عرب) کی طرح کھڑے نہ ہوا کرو جو ایک دوسرے کے احترام میں کھڑے ہوجاتے ہیں۔''

عام عجمی لوگوں میں یہ پست غلامانہ ذہنیت تھی کہ وہ اپنے متکبر ومغرور امیروں اور حاکموں کے آگے دست بستہ کھڑے ہوجاتے تھے۔ اس طرح کی تعظیم اسلام میں منع ہے۔ لیکن کسی نیک، مخلص، بے لوث دینی شخصیت کے احترام میں کھڑا ہونا بالکل جائز ہے۔ جیسا کہ نبی ﷺ نے انصار کو ایک موقع پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے احترام میں کھڑے ہونے کا اس طرح حکم دیا تھا:

((قُوْمُوْا لِخَيْرِكُمْ اَوْ لِسَيِّدِكُمْ .)) (صحیح بخاری، رقم: 3804)

''تم اپنے سے بہتر آدمی یا اپنے سردار کے لیے کھڑے ہوجاؤ۔''

اسی طرح ایک اور موقع پر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بھی حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے لیے کھڑے ہوئے تھے۔ یاد رہے کہ اگر کوئی شخص یہ خواہش نہ رکھتا ہو کہ لوگ اُس کے لیے کھڑے ہوں اور اس شخص میں تکبر و غرور بھی نہ ہو تو اسلام میں ایسی شخصیت کے احترام میں کھڑے ہونے کی اجازت ہے۔

69: عجمی لوگوں کی طرح احترام میں کھڑے نہ ہونا

69...... ((عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مُتَّكِئًا عَلٰى عَصًا، فَقُمْنَا لَهٗ، فَقَالَ:

لَا تَقُوْمُوْا كَمَا يَقُوْمُ الْاَعَاجِمُ يُعَظِّمُ بَعْضُهَا بَعْضًا .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4700 ابوداؤد، رقم 5230 ابن ماجہ، رقم 3836

مسند احمد، رقم 22534

''سیدنا ابو اُمامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاٹھی کے سہارے چل کر گھر سے باہر تشریف لائے تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر کھڑے ہو گئے۔ یہ دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
تم لوگ عجمیوں کی طرح کھڑے نہ ہو، جو ایک دوسرے کے احترام میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔''

تشریح:

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اسلام اس عجمی طریقے کو پسند نہیں کرتا جس میں غریب اور چھوٹے درجے کے لوگ اپنے امیروں، وڈیروں اور حکمرانوں کو دیکھتے ہی احترام میں کھڑے ہو جاتے تھے۔ اگر عام لوگ اس طرح کھڑے نہ ہوتے تو بڑے صاحب ناراض ہو جاتے تھے۔ یہ چیز گویا بڑے لوگوں کے تکبر اور غرور کی عادت اور عام لوگوں کی پست غلامانہ ذہنیت تھی۔ رہا کسی مخلص و محترم دینی شخصیت کی آمد کر کھڑے ہونا تو ایسا بالکل جائز ہے۔

نوٹ: مزید تفصیل کے لیے دیکھیے حدیث نمبر 70,68 کی تشریح۔

70: بزرگوں کے احترام میں کھڑے ہونا درست ہے

70...... ((عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ ﷛ قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ بَنُوْ قُرَیْظَةَ عَلٰی حُکْمِ سَعْدٍ، بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِلَیْهِ، وَکَانَ قَرِیْبًا مِّنْهُ، فَجَآءَ عَلٰی حِمَارٍ، فَلَمَّا دَنَا مِنَ الْمَسْجِدِ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِلْاَنْصَارِ:
قُوْمُوْا لِسَیِّدِکُمْ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4695 صحیح بخاری، رقم 4121 صحیح مسلم، رقم 4596
ابو داؤد، رقم 5215 اللؤلؤ والمرجان، رقم 1155

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب بنو قریظہ نے حضرت سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ کے فیصلے کو قبول کرنے کے لیے رضا مندی ظاہر کی تو رسول اللہ ﷺ نے کسی آدمی کو اُن کی طرف کہلوا بھیجا۔ وہ کہیں قریب ہی تھے اور گدھے پر سوار ہو کر آ گئے۔ جب وہ مسجد نبوی کے نزدیک پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے پاس بیٹھے انصار سے فرمایا:
اپنے سردار کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔''

تشریح:

1: حضرت سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ مشہور بدری صحابی ہیں۔ آپ 5ھ میں فوت ہوئے۔ جب وہ یہودی قبیلہ بنو قریظہ کے بارے میں فیصلہ کر کے واپس اپنے گدھے پر سوار ہو کر آئے اور مسجد نبوی کے پاس پہنچے تو نبی ﷺ نے اپنے پاس بیٹھے انصار کے لوگوں سے فرمایا کہ:
اپنے سردار کے احترام کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔

2: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی دینی مخلص اور بزرگ شخصیت کے احترام میں کھڑے ہو جانا درست ہے۔

3: لیکن مغرور متکبر اور بے دین لوگوں کے لیے کھڑے ہونا جائز نہیں ہے۔ نبی ﷺ نے اسے عجمیوں کا طریقہ بتایا اور اس کی مذمت کی۔ (ابوداؤد، رقم: 5230۔ ابن ماجہ، رقم: 3836۔ مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 4700)

4: خود نبی کریم ﷺ اپنے لیے اس بات کو ناپسند فرماتے تھے کہ صحابہ کرام اُن کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوں۔

5: ہمارے ہاں قومی ترانے کے لیے کھڑے رہنے کا رواج اسلامی نہیں ہے۔

6: جو شخص یہ خواہش رکھے کہ لوگ اُس کے احترام میں کھڑے ہوں اُس کا انجام دوزخ ہے۔

(ابوداؤد، رقم: 5229۔ ترمذی، رقم: 2755۔ مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 4699)

نوٹ: مزید تفصیل کے لیے دیکھیے حدیث نمبر 68 کی تشریح۔

71: اجازت طلب کرنا تین بار ہے

71...... ((عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ: اَتَانَا اَبُوْ مُوْسٰی ، قَالَ: اِنَّ عُمَرَ اَرْسَلَ اِلَیَّ اَنْ اٰتِیَهٗ ، فَاَتَیْتُ بَابَهٗ فَسَلَّمْتُ ثَلَاثًا ، فَلَمْ یَرُدَّ عَلَیَّ ، فَرَجَعْتُ . فَقَالَ: مَا مَنَعَكَ اَنْ تَاْتِیَنَا؟ فَقُلْتُ: اِنِّیْ اَتَیْتُ فَسَلَّمْتُ عَلٰی بَابِكَ ثَلٰثًا فَلَمْ تَرُدُّوْا عَلَیَّ فَرَجَعْتُ ، وَقَدْ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
اِذَا اسْتَأْذَنَ اَحَدُكُمْ ثَلٰثًا فَلَمْ یُؤْذَنْ لَهٗ فَلْیَرْجِعْ . فَقَالَ عُمَرُ: اَقِمْ عَلَیْهِ الْبَیِّنَةَ . قَالَ اَبُوْ سَعِیْدٍ: فَقُمْتُ مَعَهٗ ، فَذَهَبْتُ اِلٰی عُمَرَ ، فَشَهِدْتُ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4667 صحیح بخاری، رقم 6245 صحیح مسلم، رقم 5626
ابو داؤد، رقم 5181 ترمذی، رقم 2690 اللؤلؤ والمرجان، رقم 1391

’’سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمارے پاس حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ آئے اور کہنے لگے کہ ’’مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پیغام بھیجا کہ میں اُن کے پاس جاؤں۔ میں اُن کے دروازے پر گیا۔ میں نے تین (3) بار سلام کیا۔ مگر جب مجھے کوئی جواب نہ ملا تو میں واپس لوٹ آیا۔ اس کے بعد انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ تم ہمارے پاس کیوں نہ آئے۔ میں نے جواب دیا: میں تو آیا تھا۔ آپ کے دروازے پر تین بار سلام بھی پکارا تھا لیکن آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس لیے میں واپس چلا آیا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا تھا کہ:
جب تم میں سے کوئی شخص تین بار اجازت طلب کرے اور اسے اجازت نہ ملے تو وہ واپس چلا جائے۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس پر دلیل (گواہی) پیش کرو تو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر میں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ہمراہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور جا کر اس حدیث کے صحیح ہونے کی گواہی دی۔‘‘

تشریح:

1: کسی کے گھر داخل ہونے سے پہلے اجازت لینے کے بارے میں قرآن نے یہ حکم دیا ہے کہ:

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا

عَلٰی اَهْلِهَا ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ o فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِیْهَا اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰی یُؤْذَنَ لَكُمْ وَاِنْ قِیْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰی لَكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ o لَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِیْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ o﴾ (النور: 27 تا 29)

''اے ایمان والو! تم اپنے گھر کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک اجازت حاصل نہ کرلو اور ان کو سلام نہ کرلو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے تا کہ تم سمجھو۔ پھر اگر وہاں کسی کو نہ پاؤ تو داخل نہ ہو جب تک تمہیں اجازت نہ دی جائے۔ اگر تم سے کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو واپس لوٹ جاؤ۔ یہ تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے۔ اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ لیکن اس میں کوئی گناہ نہیں کہ تم اُن گھروں میں داخل ہو جن میں کوئی نہ رہتا ہو اور ان میں تمہارا کچھ سامان پڑا ہو۔ اور اللہ تمہارے ظاہر اور باطن کو جانتا ہے۔''

اگرچہ آیت میں تَسْتَاْنِسُوْا کا لفظ آیا ہے جس کا مصدر اِسْتِیْنَاسٌ ہے اور جس کے معنی مانوس ہونے یا پہچان کر مانوس ہونے کے ہیں لیکن اس جگہ یہ اِستیذان یعنی اجازت لینے ہی کے معنوں میں ہے۔

استیذان کا اسلامی طریقہ یہ ہے کہ کسی کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت لینے کے لیے دروازہ کھٹکھٹایا جائے یا گھنٹی (Bell) دی جائے۔ آدمی دروازے کے درمیان میں نہ کھڑا ہو بلکہ ایک طرف کھڑا رہے۔ پھر السلام علیکم ذرا بلند آواز سے کہے اور اپنا نام بتا کر یا اپنی پہچان کرا کر اندر آنے کی اجازت طلب کرے۔ اگر ایک مرتبہ جواب نہ ملے تو دوبارہ دوازہ کھٹکھٹایا جائے یا گھنٹی (Bell) دی جائے۔ اگر تیسری مرتبہ بھی ایسا کرنے پر کوئی جواب نہ آئے یا اندر سے یہ آواز آئے کہ ابھی لوٹ جائیں اس وقت موقع نہیں ہے تو کوئی ناراضی یا ناگواری محسوس کیے بغیر لوٹ جانا چاہیے۔

اجازت طلب کرنے کے اس حکم میں کئی مصلحتیں پوشیدہ ہیں۔ اس میں ہر شخص کو تخلیے (Privacy) کا حق دیا گیا ہے۔ کیونکہ بعض اوقات ایسی صورت ہوتی ہے کہ صاحب خانہ کو اس وقت کسی کا آنا ناگوار ہوتا ہے۔ یا آنے والے کو بھی اندر داخل ہو کر کسی ناگوار صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اس لیے ارشاد ہوا کہ اگر اجازت نہ ملے تو تمہارے دلوں کی پاکیزگی کے لیے یہی بہتر ہے کہ واپس لوٹ جاؤ۔ اسی میں تمہارے باہمی تعلقات بھی خوشگوار رہ سکتے ہیں۔

پھر فرمایا بعض مکانات یا جگہیں ایسی ہوتی ہیں جہاں کسی کی ذاتی رہائش نہیں ہوتی مثلاً ایسے گودام جن کے دروازے نہیں ہوتے۔ یا وہاں کسی کا سامان رکھا ہوتا ہے تو اسے اپنا سامان لینے کے لیے جانا پڑے تو اس صورت میں اجازت لینے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہاں عام لوگوں کی آمدورفت رہتی ہے۔ آخر میں فرمایا کہ اللہ تمہارے ظاہر اور باطن کو جانتا ہے۔اسے معلوم ہے کہ تم اس کے اس حکم کی کتنی پیروی کرتے ہو اور باقی احکام کی کس قدر اطاعت کرتے ہو۔ وہ تم سے تمہارے اعمال کا حساب لے گا۔

2: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کے بارے میں جس میں تین مرتبہ اجازت لینے کا حکم ہے، مزید اطمینان اور تصدیق وتوثیق (Confirmation) کے لیے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے اس پر ایک اور شخص کی گواہی طلب کی۔ ورنہ اکثر موقعوں پر، بلکہ عام طور پر وہ ایک ہی صحابی کی روایت پر اعتماد کرتے تھے۔

72: اجازت لینے کا ایک غلط طریقہ

72...... ((عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: اَتَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ فِیْ دَیْنٍ کَانَ عَلٰی اَبِیْ ، فَدَقَقْتُ الْبَابَ ، فَقَالَ: مَنْ ذَا؟ فَقُلْتُ: اَنَا . فَقَالَ: اَنَا ، اَنَا . کَاَنَّهٗ کَرِهَهَا .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4669 — صحیح بخاری، رقم 6250 — صحیح مسلم، رقم 5635

ابو داؤد، رقم 5187 — ترمذی، رقم 2711 — اللؤلؤ والمرجان، رقم 1392

''سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں اپنے والد کے ذمے ایک قرض کے بارے میں نبی ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور میں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: کون ہے؟ میں نے عرض کیا: میں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں، میں۔ گویا آپ ﷺ نے میرے جواب کو ناپسند فرمایا۔''

تشریح:

اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ کسی کے گھر داخل ہوتے وقت اپنا تعارف 'میں' سے نہیں کرانا چاہیے۔ ظاہر ہے 'کون ہے' کے سوال کا جواب 'میں ہوں' نہیں تھا اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اسے ناپسند فرمایا۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کو ایسے موقع پر بتانا چاہیے کہ میں فلاں ہوں اور اپنا معروف نام بتانا چاہیے تاکہ تعارف اور پہچان ہو جائے ورنہ انسانوں کی آوازیں ایک دوسرے سے بھی بہت ملتی جلتی ہیں اور مغالطہ ہو سکتا ہے۔

دوسرے 'میں' کہنے سے تکبر اور غرور کی بو بھی آتی ہے جو کہ اسلام میں ناپسندیدہ ہے۔

نوٹ: مزید تفصیل کے لیے دیکھیے حدیث نمبر 71 کی تشریح۔

73: رات کے وقت اچانک گھر میں نہ آنا

73...... ((عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ:
اِذَا طَالَ أَحَدُكُمُ الْغَيْبَةَ فَلَا يَطْرُقْ اَهْلَهُ لَيْلاً .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 3903 — صحیح بخاری، رقم 5244 — صحیح مسلم، رقم 4967
ابوداؤد، رقم: 2776 — ترمذی، رقم 2712 — اللؤلؤ والمرجان، رقم 1253

''سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
جب تم میں سے کوئی زیادہ عرصے تک گھر سے غائب رہے تو اُسے چاہیے کہ رات کے وقت اچانک اپنے گھر والوں کا دروازہ نہ کھٹکھٹائے۔''

تشریح:

1: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص لمبے سفر کے بعد اپنے گھر آ رہا ہو تو اُسے بغیر اطلاع دیے رات کو گھر میں اچانک داخل نہیں ہونا چاہیے۔

2: اسی بات کے بارے میں یہ حدیث بھی ہے کہ:

((عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: اِذَا دَخَلْتَ لَيْلًا ، فَلَا تَدْخُلْ عَلٰى اَهْلِكَ حَتّٰى تَسْتَحِدَّ الْمُغِيْبَةُ وَتَمْتَشِطَ الشَّعِثَةُ .))

(صحیح بخاری، رقم: 5246۔ صحیح مسلم، رقم: 4965۔ ابوداؤد، رقم: 2778)

''سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب تم رات کے وقت گھر آؤ تو اپنی بیوی کے پاس اُس وقت تک نہ جاؤ جب تک وہ اپنی صفائی نہ کر لے اور اپنے بکھرے بالوں کی کنگھی نہ کر لے۔''

3: صحیح بخاری میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

((كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَكْرَهُ اَنْ يَاْتِيَ الرَّجُلُ اَهْلَهُ طُرُوْقًا))

(صحیح بخاری، رقم: 5243)

''نبی ﷺ کو آدمی کا اپنے گھر والوں کے پاس رات کو اچانک آنا پسند نہ تھا۔''

اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ بات ناپسند تھی کہ کوئی شخص لمبے سفر کے بعد بغیر اطلاع اچانک گھر میں رات کو داخل ہوا جائے۔

4: صحیح مسلم میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ آپ ﷺ طویل سفر کے بعد اچانک بغیر اطلاع دیے رات کو اپنے گھر میں داخل نہ ہوتے تھے۔

(حدیث رقم:4962)

5: آپ ﷺ کے اس ارشاد اور عمل میں کئی حکمتیں اور فوائد ہیں۔مثلاً

1۔ میاں بیوی کے تعلقات میں ناخوشگواری پیدا ہونے کی بجائے خوشگواری پیدا ہوتی ہے اور بیوی کو اپنا بناؤ سنگار کرکے شوہر کا استقبال کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔

2۔ رات کو اچانک گھر میں داخل ہونا حفاظتی نقطہ نگاہ سے درست نہیں۔

3۔ بعض اوقات اچانک خوشی بھی انسان کے دل پر اچھا اثر نہیں ڈالتی۔

4۔ پہلے سے اطلاع کر کے آنے کے بعد رات کو آنے میں بھی کوئی حرج نہیں، کھانا تیار ملے گا۔

6: بعض جہلاء اس حدیث سے شوہر کی طرف سے اپنی بیوی پر اور بیوی کی طرف سے اُس کے شوہر پر بے اعتمادی اور بے وفائی کا پہلو تلاش کرتے ہیں جو کہ بالکل غلط بات ہے۔

74: راستے پر بیٹھنے کے آداب

74...... ((عَنْ اَبِی سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ:
اِیَّاکُمْ وَالْجُلُوْسَ بِالطُّرُقَاتِ. فَقَالُوْا: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! مَالَنَا مِنْ مَجَالِسِنَا بُدٌّ فَتَحَدَّثُ فِیْھَا. قَالَ: فَاِذَا اَبَیْتُمْ اِلَّا الْمَجْلِسَ فَاَعْطُوا الطَّرِیْقَ حَقَّہٗ. قَالُوْا: وَمَا حَقُّ الطَّرِیْقِ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟ قَالَ: غَضُّ الْبَصَرِ، وَکَفُّ الْاَذٰی، وَرَدُّ السَّلَامِ، وَالْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ، وَالنَّھْیُ عَنِ الْمُنْکَرِ.))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4640 صحیح بخاری، رقم 6229 صحیح مسلم، رقم 5563
ابوداؤد، رقم 4815 اللؤلؤ والمرجان، رقم 1374

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:
راستوں میں بیٹھنے سے بچو۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہاں بیٹھے بغیر ہمارا گزارہ نہیں۔ ہم وہاں بیٹھ کر بات چیت کرتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اگر تمہیں وہاں بیٹھنا ہی پڑتا ہے تو پھر راستے کا حق ادا کرو۔ انہوں نے عرض کیا: راستے کا کیا حق ہے؟ فرمایا: نظریں جھکانا، کسی کو تکلیف نہ دینا، سلام کا جواب دینا، نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا۔''

تشریح:

اس حدیث میں ان لوگوں کو راستے کے حقوق اور آداب سکھائے گئے ہیں جو راہوں پر محفلیں لگا کر بیٹھ جاتے ہیں کہ اوّل تو راستوں میں مجلسیں جما کر بیٹھنا درست نہیں ہے کیونکہ یہ آوارہ لوگوں کا کام ہے۔ لیکن اگر اس کی ضرورت پڑ جائے تو راستے پر بیٹھنے والوں کو درج ذیل چار حقوق وآداب کی پابندی ضرور کرنی چاہیے۔

1: نظریں جھکا کر بیٹھنا، تاکہ آتی جاتی نامحرم عورتوں کو گھورنے اور تاڑنے کے لیے نہ بیٹھا جائے۔

2: دوسروں کو تکلیف نہ دینا۔ اُن کے لیے راستہ تنگ کر دینا، یا اُن کے راستے میں کوئی تکلیف دہ چیز ڈال دینا۔ جیسے کیلے کھا کر اُن کے چھلکے پھینک دینا وغیرہ۔

3: سلام کا جواب دینا۔ چونکہ یہ محفل بیٹھے ہوئے لوگوں کی ہوگی اور ادب یہ ہے کہ چلنے اور پاس سے

گزرنے والے ان کو سلام کہیں اور یہ ان کے سلام کا جواب دیں۔

4: نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا۔ ایک دوسرے کو یا راہ چلتے ہوؤں کو کوئی نصیحت کر دینا، یا اُن کی کسی غلطی کی اصلاح کر دینا، یا اگر وہ کوئی برائی کریں تو اس برائی کو اچھے طریقے سے روک دینا۔

اسلام نے یہ ہدایات راستے میں بیٹھنے والوں کے لیے خاص طور پر دی ہیں اور عام حالات میں بھی ان پر عمل کرنا چاہیے۔

75: مجلسی آداب (1)

75...... ((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَنْ قَامَ مِنْ مَجْلِسِهٖ ، ثُمَّ رَجَعَ اِلَیْهِ ، فَهُوَ اَحَقُّ بِهٖ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4697 صحیح مسلم، رقم 5689 ترمذی، رقم 2751

ابن ماجه، رقم 3717

''سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جو شخص اپنی جگہ سے اُٹھ کر جائے اور پھر وہیں واپس آ جائے تو وہ اس جگہ کا زیادہ حق دار ہے۔''

تشریح:

1: یہ آدابِ مجلس سکھانے کے سلسلے کی حدیث ہے۔

2: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی مجلس میں بیٹھا ہو اور کچھ دیر کے لیے کسی ضرورت سے وہ اُٹھ کر چلا جائے تو جب وہ واپس آئے گا تو وہی اس جگہ پر بیٹھنے کا زیادہ حق دار ہے۔

3: لیکن اگر کوئی شخص اپنی جگہ سے اُٹھ کر چلا جائے اور اُس نے واپس نہ آنا ہو تو پھر کوئی دوسرا بھی اُس کی جگہ بیٹھ سکتا ہے۔

4: اگر تھوڑی دیر کے لیے مجلس سے اُٹھ کر جائے تو بہتر ہے کہ اپنی کوئی چیز وہاں چھوڑ جائے جیسے رومال، جوتا وغیرہ۔

نوٹ: مزید تفصیل کے لیے دیکھیے حدیث نمبر 76 کی تشریح۔

76: مجلسی آداب (2)

76...... ((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ:

لا يُقِيمُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَجْلِسِهِ ، ثُمَّ يَجْلِسُ فِيهِ ، وَلَكِنْ تَفَسَّحُوْا وَتَوَسَّعُوْا .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4696 صحیح بخاری، رقم 6269 صحیح مسلم، رقم 5683

ترمذی، رقم 2749 اللؤلؤ والمرجان، رقم 1406

''سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

کوئی آدمی کسی اور آدمی کو اُٹھا کر اُس کی جگہ پر نہ بیٹھے بلکہ کھل کر بیٹھا کرو اور کشادگی پیدا کیا کرو۔''

تشریح:

1: ۔اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مجلس میں سے کسی کو اُٹھا کر اُس کی جگہ خود نہیں بیٹھ جانا چاہیے۔ بلکہ کھل کر بیٹھنا چاہیے اور نئے آنے والوں کو جگہ دینی چاہیے۔

2: یہی مضمون قرآنِ مجید میں بھی بیان ہوا ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا۟ فِى ٱلْمَجَٰلِسِ فَٱفْسَحُوا۟ يَفْسَحِ ٱللَّهُ لَكُمْ ۖ ﴾ (المجادلہ: 11)

''اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے مجلسوں میں کھل کر بیٹھو تو کھل کر بیٹھا کرو۔ اللہ تمہیں کشادگی دے گا۔''

77: بہترین مجلس وہ ہے جو کھلی اور کشادہ ہو

77...... ((عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: خَیْرُ الْمَجَالِسِ اَوْسَعُهَا .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4723 صحیح بخاری، رقم 4820 مسند احمد، رقم 11154

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
بہترین مجلس وہ ہے جو کھلی اور کشادہ ہو۔''

تشریح:

1: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی جائز کام کے لیے کوئی اجتماع کرنا ہو یا مجلس منعقد کرنی ہو تو اس مقصد کے لیے ایسی جگہ کا انتخاب کرنا چاہیے جو کھلی اور وسیع ہو، جہاں لوگوں کو بیٹھنے میں کوئی تنگی یا تکلیف نہ ہو۔ اس کے علاوہ موسم اور دن رات کے لحاظ سے بھی کسی مناسب مقام پر مجلس یا اجتماع کا انعقاد کیا جائے۔

2: آدابِ مجلس کے سلسلے میں اس حدیث کو بھی اُن احادیث کے ساتھ ملا کر پڑھنا چاہیے جن میں مجلسی آداب سکھائے گئے ہیں۔

3: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو زندگی کے ہر شعبے کے بارے میں ہدایات دیتا ہے۔

78: دو آدمی تیسرے کو چھوڑ کر باہم سرگوشی نہ کریں

78...... ((عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِذَا كُنْتُمْ ثَلٰثَةً فَلَا يَتَنَاجَى اثْنَانِ دُوْنَ الْاٰخِرِ حَتّٰى تَخْتَلِطُوْا بِالنَّاسِ ، مِنْ اَجْلِ اَنْ يُحْزِنَهٗ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4965	صحیح بخاری، رقم 6290	صحیح مسلم، رقم 5696
ترمذی، رقم 2825	اللؤلؤ والمرجان، رقم 1410	ابوداؤد، رقم 4851

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
جب تم تین افراد ہو تو تیسرے کو چھوڑ کر دو افراد باہم سرگوشی نہ کریں بلکہ تم سب لوگوں کے ساتھ مل جاؤ، ورنہ اس سے تیسرا شخص پریشان ہوگا۔

تشریح:

1: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دو آدمی کسی تیسرے شخص سے الگ ہو کر سرگوشی نہ کریں کیونکہ اس سے اُس آدمی کو پریشانی لاحق ہو سکتی ہے کہ شاید میرے خلاف بات ہو رہی ہے یا مجھ پر بے اعتمادی کی جا رہی ہے۔

2: اگر جب تیسرا شخص اجازت دے تو دو آدمی اس سے الگ سرگوشی کر سکتے ہیں۔ ایسا بالکل جائز ہے۔

3: قرآنِ مجید میں سرگوشی کے بارے میں یہ ہدایات آئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَ مَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَ تَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ o اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ o﴾ (المجادلہ: 9 تا 10)

''اے ایمان والو! جب تم سرگوشی کرو تو گناہ کی، ظلم و زیادتی کی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشی نہ کرو بلکہ نیکی اور تقویٰ کی باتوں کی سرگوشی کرو۔ اور اللہ سے ڈرو جس کے پاس تم سب جمع کیے

جاؤ گے۔ بُری سرگوشی کرنا شیطان کا کام ہے تاکہ وہ ایمان والوں کو پریشان کرے حالاں کہ اللہ کی مشیّت کے بغیر وہ انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اور ایمان والوں کو اللہ ہی پر بھروسا رکھنا چاہیے۔''

ان آیات میں اہل ایمان کو سرگوشی کرنے کے بارے میں حکم دیا گیا ہے کہ صرف نیکی اور تقویٰ کے کاموں کے لیے سرگوشی کیا کرو اور گناہ، ظلم اور زیادتی یا اللہ و رسول ﷺ کی نافرمانی کے لے سرگوشی ہرگز نہ کی جائے۔ ایسا کرنا معصیت، گناہ اور حرام ہے۔

پہلی آیت میں فرمایا کہ اگر تمہیں ضرورت پڑے تو آپس میں سرگوشی کر سکتے ہو مگر یہ سرگوشی کسی گناہ، ظلم و زیادتی یا اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کے لیے نہیں ہونی چاہیے۔

4: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ بات بھی جائز نہیں کہ دو آدمی تیسرے آدمی کی موجودگی میں کسی ایسی زبان میں گفتگو کریں جسے وہ نہ سمجھتا ہو۔

5: مدینے میں یہودی اور منافقین، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سرگوشیاں کیا کرتے تھے اور اسے کمال ہوشیاری سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو ایسا کرنے سے منع فرما دیا اور واضح کیا کہ اُن کی کوئی سرگوشی اللہ سے چھپ نہیں سکتی جیسا کہ اس سے پہلے سورۂ مجادلہ کی آیت نمبر 7، 8 میں مذکور ہے۔

6: دوسری آیت میں ارشاد ہوا کہ بُری اور ناجائز سرگوشی کرنا شیطان کا کام ہے۔ لہٰذا اہل ایمان کو اس سے بچنا چاہیے۔ اگر دوسرے لوگ اُن کے خلاف سرگوشی کریں تو اس سے بھی مسلمانوں کو رنجیدہ اور غمگین ہونے کی ضرورت نہیں اور نہ اُنہیں محض کسی شبے کی بنیاد پر کوئی جوابی کاروائی کرنی چاہیے بلکہ ایسی سرگوشیوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسا رکھنا چاہیے اور دین پر چلتے رہنا چاہیے۔ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی کسی کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ نفع و نقصان کا سارا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

7: اس سے معلوم ہوا کہ سرگوشی کرنا بجائے خود کوئی بُرائی نہیں۔ اس کا مقصد اسے اچھائی یا برائی بنا دیتا ہے۔ اگر مقصد نیک ہے اور نیکی اور تقویٰ کا کام ہے تو اس کے لیے سرگوشی جائز اور پسندیدہ ہے۔ لیکن اگر مقصد درست نہیں تو پھر اس کے لیے سرگوشی کرنا بھی گناہ اور حرام ہے۔

79: اللہ تعالیٰ کو دو نام بہت پسند ہیں: عبداللہ اور عبدالرحمٰن

79...... ((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ:
اِنَّ اَحَبَّ اَسْمَاءِکُمْ اِلَی اللّٰہِ: عَبْدُ اللّٰہِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4752 صحیح مسلم، رقم 5587 ابوداؤد، رقم 4949
ترمذی، رقم 2833 ابن ماجہ، رقم 3728

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
تمہارے ناموں میں سے اللہ تعالیٰ کو یہ نام بہت پسند ہیں: عبداللہ اور عبدالرحمٰن۔''

تشریح:

اسلام میں والدین کا فرض ہے اور یہ بچے کا حق بھی ہے کہ اُس کا کوئی اچھا سا نام رکھا جائے۔

اس سلسلے میں درج ذیل احادیث ملاحظہ ہوں:

1: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
''باپ پر بچے کا حق یہ ہے کہ وہ اس کا کوئی اچھا سا نام رکھے اور اس کو ادب سکھائے۔'' (شعب الایمان، بیہقی)

2: ایک حدیث میں ہے کہ:
''قیامت کے دن تم اپنے اور اپنے آباء (باپ دادے) کے ناموں سے پکارے جاؤ گے۔ لہٰذا تم اچھے نام رکھا کرو۔'' (سنن ابی داؤد، مسند احمد)

3: ایک حدیث میں ہے کہ:
''نبیوں کے نام پر نام رکھا کرو۔'' (سنن ابی داؤد)

4: اللہ تعالیٰ کے زیادہ پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان ناموں میں بندے کی بندگی کا اور اللہ کی توحید کا اعلان ہے اور یہ چیز اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے کہ بندہ اُس کا بندہ ہونے کا اعتراف کرے اور توحید کے عقیدے کو اختیار کرے۔

80: حضورؐ نے ''عاصیہ'' کا نام ''جمیلہ'' رکھا

80...... ((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما اَنَّ بِنْتًا كَانَتْ لِعُمَرَ يُقَالُ لَهَا: عَاصِيَةُ ، فَسَمَّاهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ جَمِيْلَةَ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4758 — صحیح مسلم، رقم 5605 — ابوداؤد، رقم 4952
ترمذی، رقم 2838 — ابن ماجہ، رقم 3733

''سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک بیٹی کو 'عاصیہ' کہا جاتا تھا تو حضور ﷺ نے اُس کا نام 'جمیلہ' رکھ دیا۔''

تشریح:

1: جاہلیت کے دور میں عربوں میں یہ رواج تھا کہ وہ اپنے بچوں کے نام 'عاصی' اور 'عاصیہ' بھی رکھتے تھے جس کے معنی گناہ گار اور نافرمان کے ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ایک بیٹی کا نام بھی 'عاصیہ' تھا۔

2: چونکہ نبی ﷺ کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ آپ ﷺ لوگوں کے برے ناموں کو اچھے ناموں میں بدل دیتے تھے، اس لیے آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس بیٹی کا نام 'عاصیہ' سے 'جمیلہ' رکھ دیا جس کے معنی 'خوب صورت' کے ہیں۔

3: اس سے معلوم ہوا کہ کسی کے برے نام کو اچھے نام میں تبدیل کر دینا نہ صرف مستحب بلکہ سنت ہے۔

81: ''شہنشاہ'' نام رکھنا بہت برا ہے

81...... ((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
اَخْنَی الْاَسْمَآءِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عِنْدَ اللّٰهِ رَجُلٌ یُسَمّٰی مَلِكَ الْاَمْلَاكِ. رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ. وَ فِیْ رِوَایَةٍ لِمُسْلِمٍ، قَالَ: اَغْیَظُ رَجُلٍ عَلَی اللّٰهِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ، وَاَخْبَثُهٗ: رَجُلٌ كَانَ یُسَمّٰی مَلِكَ الْاَمْلَاكِ، لَا مَلِكَ اِلَّا اللّٰهُ.))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4755 صحیح بخاری، رقم 6205 صحیح مسلم، رقم 5611,5610
ابوداؤد، رقم 4961 ترمذی، رقم 2837 اللؤلؤ والمرجان، رقم 1385

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں اُس شخص کا نام سب سے برا ہوگا جو دنیا میں اپنے آپ کو شہنشاہ کہلواتا تھا۔''

تشریح:

مطلب یہ ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ برا اور مغضوب شخص وہ ہوگا جو دنیا میں اپنے آپ کو شہنشاہ (بادشاہوں کا بادشاہ) کہلواتا تھا۔ کیونکہ اصل میں صرف اللہ تعالیٰ ہی شہنشاہ ہے اور اس کے سوا کوئی اور شہنشاہ نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو کسی اور کے لیے 'شہنشاہ' کا نام پسند نہیں کیونکہ اس میں شرک پایا جاتا ہے اور یہ توحید کے خلاف ہے۔

اسی طرح کے بعض اور نام بھی جو اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہیں مخلوقات کے لیے اُن کا استعمال جائز نہیں۔ جیسے کسی کو خالق، احکم الحاکمین، سلطان السلاطین، رحمٰن اور قدوس کہنا۔

اس حدیث سے توحید کی صحیح تعلیم اور شرک سے اجتناب کا سبق ملتا ہے۔

82: حضورؐ کے نام پر نام رکھنا مگر آپ ﷺ کی کنیت پر نام نہ رکھنا

82...... ((عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: سَمُّوْا بِاِسْمِیْ، وَلَا تَكْنُوْا بِكُنْيَتِیْ، فَاِنِّیْ اِنَّمَا جُعِلْتُ قَاسِمًا اَقْسِمُ بَيْنَكُمْ .))

مشکوٰة المصابیح، رقم 4751 صحیح بخاری، رقم 3114 صحیح مسلم، رقم 5588
اللؤلؤ والمرجان، رقم 1381

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:
میرے نام پر نام رکھا کرو مگر میری کنیت پر اپنی کنیت نہ رکھو۔ کیونکہ مجھے تو 'قاسم' بنایا گیا ہے جو تمہارے درمیان تقسیم کرتا ہوں۔''

تشریح:

1: کنیت یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے نام کے علاوہ اپنے باپ، بیٹے بیٹی یا ماں کی نسبت سے بھی اپنا کوئی اور نام رکھ لے اور وہ چاہے کہ لوگ اُسے اس نام سے پکاریں۔
مثال کے طور پر کسی شخص کا نام سعد ہے۔ اُس کے باپ کا نام سعید، ماں کا نام عائشہ، بیٹے کا نام زید اور بیٹی کا نام فاطمہ ہے تو وہ ان چاروں نسبتوں میں سے کسی ایک نسبت سے اپنا نام بالترتیب ...... ابن سعید، ابن عائشہ، ابوزید یا ابو فاطمہ رکھ لے تو یہ سب نام کنیتیں کہلائیں گی۔

2: عربوں میں کنیت رکھنے کا ہمیشہ رواج رہا ہے اور کسی کو اُس کے نام کی بجائے اس کی کنیت سے پکارنے میں زیادہ احترام سمجھا جاتا ہے۔

3: اس حدیث کی روشنی میں اکثر علماء، جن میں احناف بھی شامل ہیں، یہ رائے رکھتے ہیں کہ کسی شخص کا حضرت محمد ﷺ کے نامِ گرامی پر اپنا نام رکھنا جائز بلکہ مستحب ہے مگر نبی ﷺ کی کنیت ''ابوالقاسم'' رکھنا جائز نہیں ہے۔

4: کسی مسلمان کے لیے کنیت ''ابوالقاسم'' نہ رکھنے کی وجہ اس حدیث میں یہ بیان ہوئی ہے کہ نبی ﷺ صرف اپنے بیٹے قاسم کی وجہ سے ابوالقاسم نہیں تھے بلکہ آپ ﷺ واقعی وہ قاسم (تقسیم کرنے والے)

ہیں جو وحی کی تعلیمات اور مالِ غنیمت تقسیم کرنے والے تھے۔ نیک لوگوں کو جنت کی خوشخبری دیتے اور برے انسانوں کو دوزخ سے ڈراتے تھے اور یہ مقام و مرتبہ حضور ﷺ کے سوا کسی اور کو حاصل نہیں۔

5: لیکن بعض علماء کی یہ رائے بھی ہے کہ نبی ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی کنیت پر کسی شخص کا اپنی کنیت رکھنا جائز ہو گیا ہے۔

83: دنیا میں ریشمی لباس پہننے والا مرد آخرت میں اُسے نہیں پہن سکے گا

83...... ((عَنْ عُمَرَ ، وَاَنَسٍ ، وَابْنِ الزُّبَيْرِ ، وَاَبِيْ أُمَامَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَنْ لَبِسَ الْحَرِيْرَ فِي الدُّنْيَا لَمْ يَلْبَسْهُ فِي الْاٰخِرَةِ .))

مشكوٰة المصابيح، رقم 4316 — صحيح بخاری، رقم 5833,5832
صحيح مسلم، رقم 5426,5425 — اللؤلؤ والمرجان، رقم 1343

''حضرت عمر، انس، ابن زبیر اور ابو اُمامہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جو آدمی دنیا میں ریشمی لباس پہنتا ہے وہ آخرت میں اُسے نہیں پہن سکے گا۔''

تشریح:

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس مرد نے دنیا میں ریشمی لباس پہن لیا اُسے آخرت میں اس کا پہننا نصیب نہ ہوگا۔

یاد رہے کہ جنت والوں کا لباس ریشمی ہوگا جیسا کہ قرآنِ مجید میں بیان ہوا ہے۔(الحج:23)

اسی مضمون سے ملتی جلتی یہ حدیث بھی ہے:

((عَنْ اَبِيْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: أُحِلَّ الذَّهَبُ وَالْحَرِيْرُ لِلْاُنَاثِ مِنْ أُمَّتِيْ ، وَحُرِّمَ عَلٰى ذُكُوْرِهَا .))

(ترمذی، رقم: 1720۔ نسائی، رقم: 5148)

''سیّدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: سونا اور ریشم میری امت کی عورتوں کے لیے حلال اور جائز ہے اور اس کے مردوں کے لیے حرام اور ناجائز ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں ریشمی لباس مردوں کے لیے حرام اور عورتوں کے لیے حلال ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو ریشم کا لباس پہننا ناپسند تھا۔

صحیح بخاری (رقم 375) میں ہے کہ ایک مرتبہ کسی نے نبی ﷺ کو تحفے میں ایک ریشمی کرتہ دیا۔ آپ ﷺ نے وہ کرتہ پہن لیا۔ اُس میں نماز بھی پڑھ لی۔ پھر بڑی ناگواری کے ساتھ اُسے جلد ہی اُتار دیا

اور اسے تقویٰ کے خلاف قرار دیا۔

مردوں کے لیے ریشمی لباس نہ پہننے کا ایک سبب تو یہ ہے کہ اس سے زنانہ پن کا اظہار ہوتا ہے۔ دوسرے اُن کے لیے یہ عیش کوشی کی علامت ہے جو مردوں کی محنت ومشقت اور جفاکشی کی زندگی کے بالکل خلاف ہے۔ اس وجہ سے اسے مردوں کے لیے حرام قرار دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ طبی لحاظ سے بھی ریشمی لباس مردوں کے لیے نقصان دہ ہے۔

قرآن وسنت میں لباس سے متعلق تفصیلی احکام وآداب موجود ہیں۔

84: ایک ہی جوتا پہن کر نہ چلنا

84...... ((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
لا یَمْشِیْ اَحَدُكُمْ فِیْ نَعْلٍ وَاحِدَةٍ، لِیُحْفِهِمَا جَمِیْعًا، اَوْ لِیُنْعِلْهُمَا جَمِیْعًا.))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4411 — صحیح بخاری، رقم 5855 — صحیح مسلم، رقم 5497,5496
ابوداؤد، رقم 4136 — ترمذی، رقم 1774 — اللؤلؤ والمرجان، رقم 1359
صحیفه همام بن منبه، رقم 39

''سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
تم میں سے کوئی شخص ایک جوتا پہن کر نہ چلے پھرے۔ اُسے چاہیے کہ وہ دونوں جوتے اُتار کر چلے، یا پھر دونوں پہن کر چلے۔''

تشریح:

اس حدیث میں ایک اسلامی ادب سکھایا گیا ہے کہ اگر کسی کے جوتے کا تسمہ یا پٹی وغیرہ ٹوٹ جائے تو وہ ایک پاؤں میں جوتا پہن کر نہ چلے۔ یہ ادب اور وقار کے خلاف ہے اور دوسروں کی نظر میں حماقت اور بے وقوفی بھی ہوسکتی ہے۔ دونوں پاؤں میں جوتے پہن کر چلنا چاہیے۔ یا پھر دونوں پاؤں ننگے رہنے چاہئیں۔ ننگے پاؤں چلنے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن یہ طہارت، صفائی اور پاکیزگی کے خلاف ہے۔ البتہ یہ نہیں ہونا چاہیے کہ ایک پاؤں میں جوتا ہو اور دوسرے میں نہ ہو۔ اگر کسی وقت گھر کے اندر دو چار قدم صرف ایک پاؤں میں جوتا پہنے چلنا پڑ جائے تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے جیسا کہ ترمذی کی ایک حدیث سے ثابت ہے۔

85: سارا سر منڈانا یا سارا چھوڑ دینا

85...... ((عَنِ ابْنِ عُمَرُ رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ رَاٰی صَبِیًّا قَدْ حُلِقَ بَعْضُ رَاْسِہٖ وَتُرِكَ بَعْضُهُ، فَنَهَاهُمْ عَنْ ذٰلِكَ وَقَالَ:
اِحْلِقُوْا كُلَّهٗ اَوِ اتْرُكُوْا كُلَّهٗ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4427 ابوداؤد، رقم 4195 نسائی، رقم 5048

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک ایسے بچے کو دیکھا جس کے سر کا کچھ حصہ مونڈا گیا تھا اور کچھ حصہ چھوڑ دیا گیا تھا۔ اس پر آپ ﷺ نے اُس کے بڑوں کو منع کرتے ہوئے فرمایا کہ: اس کا سارا سر مونڈو، یا سارا چھوڑ دو۔"

تشریح:

1: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بچے کے سر کے بالوں کا کچھ حصہ مونڈنا اور کچھ حصہ چھوڑ دینا منع ہے۔ یا تو سارا سر مونڈ دیا جائے جیسا کہ حج اور عمرے میں مرد حلق کراتے ہیں۔ یا پھر سارے سر کے بال چھوڑ دیے جائیں۔ یہ بڑا بے ڈھنگا طریقہ ہے کہ بچے کے سر کے کچھ حصے کے بال مونڈ دیے جائیں اور کچھ چھوڑ دیے جائیں، اس سے بچے کی شکل بھی کچھ بگڑی ہوئی نظر آتی ہے۔

2: بعض مشرک اور گمراہ قوموں میں یہ رواج رہا ہے کہ وہ بچوں کے سر کے کچھ بال مونڈ دیتے اور کچھ رکھ چھوڑتے تھے۔ جیسا کہ آج بھی بھارت کے ہندوؤں میں یہ رواج پایا جاتا ہے لیکن اسلام میں ایسا کرنے کی ممانعت ہے۔

3: ایک اور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اسے "قزع" کا نام دیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ سر کا ایک حصہ مونڈ دینا اور دوسرا حصہ ویسے چھوڑ دینا۔ اس چیز سے بھی آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے وہ حدیث یہ ہے:

((عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ يَنْهٰى عَنِ الْقَزَعِ . قِيْلَ لِنَافِعٍ مَا الْقَزَعُ؟ قَالَ: يُحْلَقُ بَعْضُ رَاْسِ الصَّبِيِّ وَيُتْرَكُ الْبَعْضُ .))

(صحیح بخاری، رقم: 5920۔ صحیح مسلم، رقم: 5559)

’’جناب نافع رحمہ اللہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ’قزع‘ سے منع فرماتے ہوئے سنا۔ جناب نافعؒ سے پوچھا گیا کہ ’قزع‘ کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ اس کا مطلب ہے لڑکے کے سر کا کچھ حصہ مونڈ دینا اور کچھ حصہ چھوڑ دینا۔‘‘

بعض راویوں نے ’قزع‘ کا یہ مطلب جناب نافعؒ کی بجائے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے فرمایا تھا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

86: داڑھی بڑھانا اور مونچھیں کترانا

86...... ((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
خَالِفُوا الْمُشْرِكِيْنَ: اَوْفِرُو اللُّحٰى، وَاحْفُو الشَّوَارِبَ. وَفِيْ رِوَايَةٍ: اَنْهِكُوا الشَّوَارِبِ وَاعْفُوا اللُّحٰى.))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4421 — صحیح بخاری، رقم 5893,5892
صحیح مسلم، رقم 600-602 — اللؤلؤ والمرجان، رقم 147,146 — ابوداؤد، رقم 4198
ترمذی، رقم 2763 — نسائی، رقم 5228

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
مشرکین کی مخالفت کرو...... داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں کترواؤ۔

ایک اور روایت میں ہے کہ:
مونچھیں خوب کتراؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ۔''

تشریح:

1: اس حدیث میں مسلمان مردوں کے لیے یہ حکم ہے کہ وہ داڑھی بڑھائیں اور مونچھیں کترائیں۔

2: داڑھی رکھنا سنت ہے۔

3: حدیث میں مشرکین کے طریقے کے خلاف نبی ﷺ نے مسلمان مردوں کو داڑھی بڑھانے اور مونچھیں کترانے کا حکم دیا ہے تاکہ مشرکانہ کلچر اور اسلامی کلچر میں فرق وامتیاز رہے۔ یہ آپس میں گڈ مڈ نہ ہوں بلکہ الگ الگ رہیں۔ گویا مسلمان مردوں کے لیے بڑی داڑھی اور چھوٹی مونچھیں اسلامی شعار ہیں۔ ان کو چھوڑنے کا مطلب اسلامی تہذیب اور کلچر کو چھوڑ دینا ہے۔

4: شریعت میں داڑھی بڑھانے اور مونچھیں کترانے کا حکم ہے مگر ان دونوں کی ٹھیک ٹھیک مقدار اور سائز کا تعین نہیں کیا گیا۔ بعض لوگوں نے اپنی رائے سے تعین بھی کر دیا ہے مگر یہ تعین ایک اجتہادی امر ہے منصوص حکم نہیں ہے اس لیے اس میں اختلاف کی گنجائش بہر حال موجود ہے۔

5: داڑھی منڈانے اور مونچھیں رکھنے والا فاسق وفاجر نہیں ہے کیونکہ داڑھی رکھنا فرض یا واجب نہیں ہے۔ البتہ وہ سنت کا تارک اور گناہ گار ہے۔ اس کے پیچھے نماز درست ہے۔

6: ہمارے ہاں داڑھی کے معاملے میں لوگ انتہا پسندی کا شکار ہیں۔ یاد رکھیے، اسلام میں داڑھی ہے، داڑھی میں اسلام نہیں ہے۔ اصل چیز ایمان کی پختگی اور کردار کی مضبوطی ہے۔

7: داڑھی رکھنا صرف علما یا مذہبی لوگوں کا کام نہیں ہے بلکہ یہ ہر مسلمان کے لیے سنت کے درجے کا حکم ہے۔ لیکن آج کل کے ماحول میں داڑھی رکھنا اُسی طرح کا جہاد بھی ہے جیسے خواتین کے لیے آج پردہ کرنا جہاد ہے۔

8: کسی نوجوان کو زبردستی داڑھی نہیں رکھوانی چاہیے کہ وہ کہیں بعد میں منڈا نہ ڈالے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ پہلے اُسے ذہنی طور پر قائل کیا جائے کہ یہ چیز اُس کے دین کا حصہ ہے۔

9: ملازمت، شادی یا کسی اور دنیوی فائدے کی خاطر داڑھی منڈا دینا اخلاقی پستی کی انتہا اور بے غیرتی ہے۔ افسوس! اس معاملے میں سکھ قوم مسلمانوں سے بازی لے گئی اور انہوں نے کبھی ملازمت یا کسی دنیوی فائدے کی خاطر اپنی داڑھی نہیں کٹوائی۔

10: ہمارے ملک ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' میں ایسے سیکڑوں واقعات ہیں جب کسی مسلمان مرد کو محض اُس کی داڑھی کی وجہ سے سرکاری ملازمت نہیں دی گئی، یا اُس کی ترقی روک لی گئی، یا اُس کو اپنی لڑکی کا رشتہ دینے سے انکار کر دیا گیا۔ یہ بے غیرتی کی انتہا اور ڈوب مرنے کا مقام ہے۔

87: مصنوعی بالوں کا جوڑ لگانے اور لگوانے والیوں پر لعنت ہے

87...... ((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: لَعَنَ اللّٰهُ الْوَاصِلَةَ، وَالْمُسْتَوْصِلَةَ، وَالْوَاشِمَةَ وَالْمُسْتَوْشِمَةَ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4430 صحیح بخاری، رقم 5937 صحیح مسلم، رقم 5571
ابوداؤد، رقم 4168 ترمذی، رقم 1759 نسائی، رقم 5251
اللؤلؤ والمرجان، رقم 1377

''سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے اُس عورت پر جو اپنے بالوں میں مصنوعی بالوں کا جوڑ لگاتی یا لگواتی ہے اور جو ہاتھ پر سوئی سے نقش ونگار بنوا کر اُن میں نیل یا سُرمہ بھرتی یا بھرواتی ہے۔

تشریح:

1: اس حدیث میں ایسی عورتوں پر لعنت فرمائی گئی ہے جو اپنے سر میں مصنوعی بال یا اُن میں مصنوعی بالوں کا جوڑ لگاتی اور لگواتی ہیں اور جو ہاتھوں پر سوئی سے نقش ونگار بنوا کر اُن میں نیل یا سُرمہ بھرتی یا بھرواتی ہیں۔

2: اسی سے ملتی جلتی یہ حدیث بھی ہے کہ:

((عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: لَعَنَ اللّٰهُ الْوَاشِمَاتِ، وَالْمُسْتَوْشِمَاتِ، وَالْمُتَنَمِّصَاتِ، وَالْمُتَفَلِّجَاتِ لِلْحُسْنِ الْمُغَيِّرَاتِ خَلْقَ اللّٰهِ، فَجَاءَتْهُ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ: اِنَّهُ بَلَغَنِيْ اَنَّكَ لَعَنْتَ كَيْتَ وَكَيْتَ . فَقَالَ: مَا لِيْ لَا اَلْعَنُ مَنْ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ، وَمَنْ هُوَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ . فَقَالَتْ: لَقَدْ قَرَأْتُ مَا بَيْنَ اللَّوْحَيْنِ، فَمَا وَجَدْتُّ فِيهِ مَا تَقُوْلُ . قَالَ: لَئِنْ كُنْتِ قَرَأْتِيهِ لَقَدْ وَجَدْتِيهِ، أَمَا قَرَءْتِ ﴿ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ﴾ قَالَتْ: بَلٰى . قَالَ: فَإِنَّهُ قَدْ نَهٰى عَنْهُ .))

(صحیح بخاری، رقم 4886۔ صحیح مسلم، رقم 5573۔ ابوداؤد، رقم 4169۔ ابن ماجہ، رقم 1989)

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے ایسی عورتوں پر جو سُوئی سے ہاتھوں پر نقش و نگار بنوا کر اُن میں سرمہ یا نیل بھرتی ہیں یا بھرواتی ہیں، جو بھنوؤں اور رخساروں سے بال اُکھیڑنے والی ہیں، جو خوب صورتی کے لیے دانتوں کو باریک بنانے والے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی تخلیق کو بدلنے والیاں ہیں۔

چنانچہ ایک عورت اُن (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) کے پاس آئی اور کہنے لگی: مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ نے فلاں فلاں طرح کی عورتوں پر لعنت کی ہے۔ انہوں نے فرمایا: میں ایسے شخص پر لعنت کیوں نہ کروں جس پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے؟ جب کہ یہ بات قرآنِ مجید میں بھی ہے۔ وہ عورت بولی: میں نے پورا قرآن پڑھا ہے مگر جو بات آپ کہتے ہیں وہ مجھے قرآن میں کہیں نہیں ملی۔ انہوں نے فرمایا: اگر تم نے قرآن کو غور سے پڑھا ہوتا تو تمہیں وہ بات مل جاتی جو میں کہہ رہا ہوں۔ کیا تو نے قرآن میں یہ نہیں پڑھا کہ:

﴿ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ﴾ (الحشر: 7)

''اور رسولؐ جو کچھ تمہیں دے وہ لے لو، اور جس بات سے تمہیں روکے اُس سے رُک جاؤ۔''

وہ عورت بولی: بالکل پڑھا ہے۔ انہوں نے فرمایا: تو آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔''

3: اس دوسری حدیث میں لعنت کا یہ سبب بتایا گیا ہے کہ اس طرح اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی فطرت کو بدلنا ہے۔

4: عام حالات میں جو عورتیں میک اَپ (Make Up) کرتی اور بنتی سنورتی ہیں وہ بالکل جائز بلکہ مستحب ہے بشرطیکہ وہ اس زیب و زینت کا اظہار نامحرموں اور اجنبیوں کے سامنے نہ کریں۔

5: اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ہر حکم کی وہی قانونی حیثیت اور وزن ہے جو قرآنِ مجید کے کسی حکم کا ہے۔

6: اس حکم کے بارے میں بیماری، یا کسی جائز شرعی عذر (مثلاً نکاح) کی بنا پر بعض حالات میں رخصت بھی دی گئی ہے۔ مثلاً عورت کے چہرے کے غیر ضروری بال اکھیڑنا جائز ہے۔

88: سر میں کنگھی کرنا

88...... ((عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها قَالَتْ: كُنْتُ أُرَجِّلُ رَأْسَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَأَنَا حَائِضٌ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4419	صحیح بخاری، رقم 5925	صحیح مسلم، رقم 687
ابو داؤد، رقم 2469	ابن ماجہ، رقم 633	اللؤلؤ والمرجان، رقم 172

''سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں حیض کی حالت میں بھی رسول اللہ ﷺ کے سر میں کنگھی کرتی تھی۔''

تشریح:

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ:

1: سر (اور داڑھی) کے بالوں میں کنگھی کرنا سنت ہے۔

2: بیوی اپنے شوہر کے سر میں کنگھی کر سکتی ہے۔

3: حیض کی حالت میں بھی عورت کا اپنے شوہر کے سر میں کنگھی کرنا درست ہے۔

4: حیض والی عورت کا جسم نجس نہیں ہوتا۔ اس حالت میں بھی شوہر اس سے بوس و کنار کر سکتا ہے۔ البتہ ایسی حالت میں جماع حرام ہے۔

89: خوشبو لگانا

89...... ((عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا قَالَتْ: كُنْتُ أُطَيِّبُ النَّبِیَّ ﷺ بِاَطْيَبِ مَانَجِدُ، حَتّٰی اَجِدَ وَبِيْصَ الطِّيْبِ فِیْ رَاْسِهٖ وَلِحْيَتِهٖ.))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4435 — صحیح بخاری، رقم 5923 — صحیح مسلم، رقم 2831
اللؤلؤ والمرجان، رقم 740,739

''سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں وہ بہترین خوشبو نبی ﷺ کو لگاتی تھی جو ہمیں میسر ہوتی تھی اور اُس خوشبو کی چمک آپ ﷺ کے سر اور داڑھی میں پائی جاتی تھی۔''

تشریح:

نبی کریم ﷺ کو خوشبو بہت پسند تھی۔ سنن نسائی کی ایک حدیث میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((حُبِّبَ اِلَیَّ مِنَ الدُّنْيَا النِّسَاءُ وَالطِّيْبُ، وَجُعِلَ قُرَّةُ عَيْنِیْ فِی الصَّلٰوةِ))

(سنن نسائی، رقم: 3391)

''مجھے تمہاری دنیا میں عورتیں اور خوشبو پسند ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک تو نماز میں ہے۔''

نبی اکرم ﷺ کو عمدہ خوشبو پسند تھی۔ آپ ﷺ کا بدن مبارک بھی خوشبو دار تھا۔ خوشبو لگائے بغیر بھی آپ ﷺ کے جسم سے خوشبو آتی تھی اور یہ آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی انعام تھا۔

صحیح مسلم میں ہے کہ:

((عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ صَلٰوةَ الْاُوْلٰی، ثُمَّ خَرَجَ اِلٰی اَهْلِهٖ وَخَرَجْتُ مَعَهٗ فَاسْتَقْبَلَهٗ وِلْدَانٌ فَجَعَلَ يَمْسَحُ خَدَّیْ اَحَدِهِمْ وَاحِدًا وَاحِدًا، قَالَ: وَاَمَّا اَنَا فَمَسَحَ خَدِّیْ، قَالَ فَوَجَدْتُ لِيَدِهٖ بَرْدًا اَوْ رِيْحًا كَاَنَّمَا اَخْرَجَهَا مِنْ جُؤْنَةِ عَطَّارٍ)) (صحیح مسلم، رقم: 6052)

''حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ کے ساتھ نماز فجر ادا کی۔ پھر

حضور ﷺ اپنے گھر کی طرف چلے تو میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ ہولیا۔ راستے میں بچوں نے آپ ﷺ کا استقبال کیا تو آپ ﷺ نے ہر بچے کے رخسار پر پیار سے ہاتھ پھیرا اور پھر میرے رخساروں پر بھی ہاتھ پھیرا۔ میں نے آپ ﷺ کے ہاتھ کی ٹھنڈک اور خوشبو محسوس کی جیسے آپ ﷺ نے کسی عطر فروش کی خوشبو کے برتن سے ہاتھ نکالا ہو۔‘‘

حضور ﷺ کے پسینہ مبارک میں بھی بہت پاکیزہ خوشبو ہوتی تھی۔ ایک روایت میں ہے حضرت اُمّ سُلیم رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کے پسینے کی خوشبو کو اپنی خوشبوؤں میں ملا کر ان کو اور زیادہ خوشبودار کرلیا کرتی تھیں۔

اس کے علاوہ نبی کریم ﷺ خوشبو استعمال فرماتے کیونکہ آپ ﷺ کو صحابہ کرام کی مجلس میں رونق افروز ہونا ہوتا تھا اور وحی کے لیے فرشتوں سے بھی ملاقات ہوجاتی تھی۔

حضور ﷺ خوشبو کا تحفہ ضرور قبول فرما لیتے تھے۔

ہر سلیم الفطرت انسان خوشبو کو پسند اور بدبو کو ناپسند کرتا ہے۔

90: چھینک مارنا اور جمائی لینا

90...... ((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ:
اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْعُطَاسَ وَیَكْرَهُ التَّثَاؤُبَ، فَاِذَا اعَطَسَ اَحَدُكُمْ وَحَمِدَ اللّٰهَ كَانَ حَقًّا عَلٰی كُلِّ مُسْلِمٍ سَمِعَهٗ اَنْ یَقُوْلَ لَهٗ: یَرْحَمُكَ اللّٰهُ، فَاَمَّا التَّثَاؤُبَ فَاِنَّمَا هُوَ مِنَ الشَّیْطَانِ، فَاِذَا تَثَاءَبَ اَحَدُكُمْ فَلْیَرُدَّهٗ مَا اسْتَطَاعَ، فَاِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا تَثَاءَبَ ضَحِكَ مِنْهُ الشَّیْطَانُ.))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4732 — صحیح بخاری، رقم 6223,6226
صحیح مسلم، رقم 7488, 7492 — ابوداؤد، رقم 5028 — ترمذی، رقم 2747

''سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:
بے شک اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند کرتا اور جمائی لینے کو ناپسند کرتا ہے۔ جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے اور وہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہے تو سننے والے ہر مسلمان کو جواب میں یَرْحَمُكَ اللّٰهُ (اللہ تجھ پر رحم کرے) کہنا چاہیے۔ جمائی لینا شیطان کی طرف سے ہے۔ جب تم میں سے کوئی شخص جمائی لیتا ہے تو جتنا ہو سکے وہ اسے روکنے کی کوشش کرے۔ کیونکہ جب تم میں سے کوئی شخص جمائی لیتا ہے تو اس پر شیطان ہنستا ہے۔''

تشریح:

چھینک مارنے اور جمائی لینے کے بارے میں یہ احادیث بھی آئی ہیں:

1۔ ((عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: إِذَا عَطَسَ أَحَدُكُمْ فَلْیَقُلْ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلْیَقُلْ لَهٗ أَخُوْهُ ۔ أَوْ صَاحِبُهٗ ۔ یَرْحَمُكَ اللّٰهُ ...... فَإِذَا قَالَ لَهٗ: یَرْحَمُكَ اللّٰهُ فَلْیَقُلْ: یَهْدِیْكُمُ اللّٰهُ وَیُصْلِحُ بَالَكُمْ.))

(صحیح بخاری، رقم: 6224)

''سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص چھینک مارے تو وہ ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' کہے اور اس کا بھائی یا دوست ''یَرْحَمُكَ اللّٰهُ'' کہے تو اس کے جواب میں یہ کہا جائے:

((یَهْدِیکُمُ اللّٰهُ وَیُصْلِحُ بَالَکُمْ .))

''اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت عطا فرمائے اور تمہارے حالات درست کردے۔''

2۔ ((عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی ﷛ ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ: اِذَا عَطَسَ اَحَدُکُمْ فَحَمِدَ اللّٰهَ فَشَمِّتُوْهُ ، وَاِنْ لَمْ یَحْمَدِ اللّٰهَ فَلَا تُشَمِّتُوْهُ .))

(صحیح مسلم، رقم: 7488)

''سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا: جب تم میں سے کوئی شخص چھینک مارے اور "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" کہے، تو تم اُس کا جواب دو۔ اور اگر وہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" نہ کہے تو تم اس کا جواب نہ دو۔''

3۔ ((عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ ﷛ ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اِذَا تَثَاءَ بَ اَحَدُکُمْ فَلْیُمْسِكْ بِیَدِهٖ عَلٰی فَمِهٖ ، فَاِنَّ الشَّیْطَانَ یَدْخُلُ .))

(صحیح مسلم، رقم: 7491)

''سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص جمائی لے تو ہاتھ سے اپنا منہ بند کرلے کیونکہ کھلے منہ کے اندر شیطان گھس جاتا ہے۔''

4۔ چھینک مارنے کے بارے میں اسلامی آداب یہ ہیں:

(1) چھینک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

(2) چھینک کے بعد بدن میں تازگی اور خوش گواری پیدا ہوتی ہے۔ جسم ہلکا پھلکا محسوس ہوتا ہے اور بدن کے مسام کھل جاتے ہیں۔

(3) چھینک سے کئی جراثیم دور ہوتے ہیں اور صحت اور شفا ملتی ہے۔

(4) چھینک پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے یعنی "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" کہنا چاہیے۔

(5) چھینکتے وقت ناک اور منہ کو ڈھانپ لینا چاہیے اور اس کی آواز کو کم اور آہستہ کرنا چاہیے۔

5۔ جمائی لینے کے آداب یہ ہیں:

(1) جمائی شیطان کی طرف سے ہے۔

(2) جمائی لینے سے جسم میں بوجھ اور سستی پیدا ہوتی ہے۔

(3) جہاں تک ہو سکے جمائی کو روکنا چاہیے۔

(4) اگر جمائی کو روک نہ سکیں تو کم سے کم منہ پر ہاتھ رکھ لینا چاہیے کیونکہ جمائی کی وجہ سے منہ کھل جاتا ہے۔ اس سے آواز نکلنے لگتی ہے اور انسان کا چہرہ کچھ بدنما سا لگتا ہے۔

اس کے علاوہ دوسروں کے سامنے ڈکار اور انگڑائی لینا بھی بدتہذیبی ہے۔

91: حضور ﷺ صرف مسکراتے تھے

91...... ((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا ، قَالَتْ: مَا رَءَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ مُسْتَجْمِعًا ضَاحِكًا حَتّٰى أَرٰى مِنْهُ لَهَوَاتِهِ ، اِنَّمَا كَانَ يَبْتَسِمُ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4745 صحیح بخاری، رقم 6092 صحیح مسلم، رقم 6364
ترمذی، رقم 3642

''سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ: میں نے نبی ﷺ کو کبھی کھلکھلا کر ہنستے ہوئے نہیں دیکھا کہ آپ ﷺ کے حلق کا کوا دیکھ سکوں۔ آپ ﷺ صرف مسکراتے تھے۔''

تشریح:

1: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ خوشی کے اظہار کے موقع پر قہقہہ نہیں لگاتے تھے بلکہ صرف مسکراتے تھے۔

2: اسی سلسلے کی یہ حدیث بھی ہے:

((عَنْ جَرِيْرٍ رضی اللہ عنہ ، قَالَ: مَا حَجَبَنِيَ النَّبِيُّ ﷺ مُنْذُ اَسْلَمْتُ ، وَلَا رَآنِيْ اِلَّا تَبَسَّمَ .)) (صحیح بخاری، رقم : 6089۔ صحیح مسلم، رقم: 6363)

''حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب سے میں مسلمان ہوا ہوں نبی ﷺ نے مجھے کبھی اپنے گھر آنے سے نہیں روکا، اور جب بھی آپ ﷺ مجھے دیکھتے تو مسکراتے تھے۔''

3: نبی ﷺ کے مسکرانے کے بارے میں ایک اور حدیث:

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ جَزْءٍ رضی اللہ عنہ ، قَالَ: مَا رَءَيْتُ اَحَدًا اَكْثَرَ تَبَسُّمًا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ .)) (ترمذی، رقم: 3641۔ مشکوٰۃ، رقم: 4748)

''حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ مسکرانے والا کوئی نہیں دیکھا۔''

4: مسکرانا سنت ہے اور قہقہہ لگانا مکروہ ہے۔

92: دو چیزوں کی ضمانت پر جنت کی ضمانت

92...... ((عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ. قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ
مَنْ يَّضْمَنْ لِيْ مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ اَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4812 صحیح بخاری، رقم 6474

''سیّدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
مجھے جوشخص اپنے دو جبڑوں کے درمیان کی چیز (زبان) اور اپنی دو ٹانگوں کے درمیان کی چیز (شرم گاہ) کے بارے میں (حفاظت کی) ضمانت دے، میں اُسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔''

تشریح:

1: اِس حدیث میں نبی ﷺ نے ایسے شخص کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت کا ذمہ لیا ہے جو یہ ضمانت دے کہ اُس نے اپنی زبان اور شرم گاہ کا کبھی غلط استعمال نہیں کیا۔

2: چونکہ جسم کے ان مذکورہ دونوں اعضا کے ذریعے بہت سے کبیرہ گناہ (جیسے گالی دینا، غیبت، چغلی، جھوٹ، بہتان، زنا وغیرہ) سرزد ہوتے ہیں اس لیے ان اعضا کے جائز استعمال پر جنت کی ضمانت دی گئی ہے۔

3: یاد رہے کہ اس طرح کی تمام احادیث، جن میں جنت کا وعدہ کیا گیا ہو، کا تعلق اہل ایمان کے ساتھ ہے کیونکہ ایمان کے بغیر کوئی شخص جنت میں نہیں جاسکے گا۔

4: یہ حدیث بھی کلامِ نبوت کی فصاحت وبلاغت اور حیاداری اور شائستگی سے بات بیان کرنے کی ایک عمدہ مثال ہے۔

باب 4......متفرقات

93: اصلی مفلس کون ہے؟

93...... ((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اَتَدْرُوْنَ مَا الْمُفْلِسُ؟ قَالُوْا: اَلْمُفْلِسُ فِيْنَا مَنْ لَا دِرْهَمَ لَهٗ وَلَا مَتَاعَ . فَقَالَ: اِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ اُمَّتِیْ مَنْ يَّاْتِیْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِصَلٰوةٍ وَّصِيَامٍ وَّزَكٰوةٍ وَّ يَاْتِیْ قَدْ شَتَمَ هٰذَا، وَقَذَفَ هٰذَا، وَاَكَلَ مَالَ هٰذَا، وَسَفَكَ دَمَ هٰذَا، وَضَرَبَ هٰذَا، فَيُعْطٰى هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ، وَهٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ، فَاِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهٗ قَبْلَ اَنْ يُّقْضٰى مَا عَلَيْهِ، اُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ، فَطُرِحَ فِی النَّارِ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 5127 — صحیح مسلم، رقم 6579

ترمذی، رقم 2418 — اللؤلؤ والمرجان، رقم 8016

''سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
تم جانتے ہو مفلس اور محتاج کون ہوتا ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا: وہ جس کے پاس نہ درہم ہوں اور نہ کوئی سروسامان ہو۔ حضور ﷺ نے فرمایا: میری امت میں مفلس اور محتاج وہ ہے جو قیامت کے دن نماز، روزے اور زکوٰۃ (کے اعمال) لے کر آئے گا۔ اس کے ساتھ وہ لوگ بھی آ جائیں گے جن میں سے کسی کو اُس نے گالی دی ہوگی، کسی پر بہتان لگایا ہوگا، کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا پیٹا ہوگا۔ ان مظلوم لوگوں کو اس کی نیکیوں سے نیکیاں دی جائیں گی۔ اگر اُس کے ذمے حقوق کی ادائیگی سے پہلے نیکیاں ختم ہوگئیں تو ان حق داروں کے گناہ لے کر اس شخص پر ڈال دیے جائیں گے اور پھر اُسے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔''

تشریح:

1: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی اس عارضی زندگی میں لوگ ایسے شخص کو مفلس اور غریب سمجھتے ہیں

جس کے پاس روپیہ پیسہ اور مال و دولت نہیں ہے۔ لیکن آخرت کی مستقل زندگی میں حقیقی مفلس اور غریب وہ شخص ہوگا جس نے دنیا میں دوسروں کے حقوق تلف کیے ہوں گے۔ دوسروں پر ظلم اور زیادتی کی ہوگی۔ آخرت میں اُسے مظلوموں پر کی گئی حق تلفیوں اور زیادتیوں کے بدلے میں اپنی نیکیاں دینی پڑیں گی کیونکہ وہاں کسی کے پاس کوئی مال نہ ہوگا۔ پھر اگر وہ نیکیاں بھی بدلے میں ختم ہو گئیں تو مظلوموں اور حق داروں کے گناہ اس شخص پر لادے جائیں گے اور ان گناہوں کی وجہ سے وہ دوزخ میں ڈالا جائے گا۔

2: اس حدیث سے حقوق العباد کی اہمیت معلوم ہو جاتی ہے۔

94: بندہ کہتا ہے: میرا مال، میرا مال

94...... ((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ﷛ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: یَقُوْلُ الْعَبْدُ: مَالِیْ مَالِیْ . وَاِنَّ مَالَهٗ مِنْ مَالِهٖ ثَلٰثٌ: مَا اَكَلَ فَاَفْنٰی ، اَوْ لَبِسَ فَاَبْلٰی ، اَوْ اَعْطٰی فَاقْتَنٰی ، وَمَا سِوٰی ذٰالِكَ فَهُوَ ذَاهِبٌ وَتَارِكُهٗ لِلنَّاسِ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 5166 صحیح مسلم، رقم 7422

ترمذی، رقم 2342 نسائی، رقم 3613

''حضرت ابوہریرہ ﷛ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

بندہ کہتا ہے، میرا مال، میرا مال، حالانکہ اس کا مال تو تین صورتوں میں ہے: جو اُس نے کھا کر ختم کر دیا، یا جو اُس نے پہن کر پرانا اور بوسیدہ کر دیا، یا جو اُس نے اللہ کی راہ میں دے کر اپنے لیے آخرت کا ذخیرہ بنا لیا ......اور جو ان کے علاوہ ہے وہ اسے دوسرے لوگوں کے لیے چھوڑ کر جانے والا ہے۔''

تشریح:

1: اسی مضمون کی ایک اور حدیث یہ ہے:

((عَنْ مُطَرِّفٍ ، عَنْ اَبِیهِ ، ﷛ ، قَالَ: اَتَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ وَهُوَ یَقْرَءُ: اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ . قَالَ: یَقُوْلُ ابْنُ آدَمَ: مَالِیْ مَالِیْ . قَالَ: وَهَلْ لَكَ یَا ابْنَ آدَمَ! اِلَّا مَا اَكَلْتَ فَاَفْنَیْتَ ، اَوْ لَبِسْتَ فَاَبْلَیْتَ ، اَوْ تَصَدَّقْتَ فَاَمْضَیْتَ .))

(صحیح مسلم، رقم 7420)

''مطرف اپنے والد (عبداللہ ﷛) سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ اُس وقت سورۃ التکاثر کی تلاوت فرما رہے تھے۔

﴿اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ﴾ (التکاثر: 1)

''تمہیں مال کی کثرت کی ہوس نے غافل کر دیا۔''

پھر حضورؐ نے فرمایا کہ:

آدم کا بیٹا (انسان) کہتا رہتا ہے میرے پاس اتنا مال ہے، میرے پاس اتنا مال ہے۔

آپ ﷺ نے پھر فرمایا:

اے آدم کے بیٹے (انسان) تیرا مال صرف وہ ہے جو تو نے کھا کر ختم کر دیا۔ یا وہ لباس جو تو نے پہن کر پرانا اور بوسیدہ کر دیا۔ یا وہ صدقہ جو تو نے کر دیا اور اسے آخرت کے لیے ذخیرہ (جمع) کر لیا۔"

2: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنی دولت پر فخر کرتا ہے مگر اُس کی دولت میں خود اُس کا اپنا حصہ صرف اتنا ہے جو اُس نے کھا کر ختم کر دیا، یا پہن کر استعمال کر لیا۔ یا پھر اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیا اور وہ اُس کی آخرت کے لیے جمع ہو گیا۔ باقی جو کچھ ہے وہ اُس کا نہیں، اُس کے وارثوں کا ہے جو اس کے مرنے کے بعد خود بخود ان تک پہنچ جائے گا۔

95: اپنے آپ سے زیادہ وارثوں کے لیے مال پسند کرنا

95...... ((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَيُّكُمْ مَالُ وَارِثِهٖ اَحَبُّ اِلَيْهِ مِنْ مَّالِهٖ؟ قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا مِنَّا اَحَدٌ اِلَّا مَالُهٗ اَحَبُّ اِلَيْهِ مِنْ مَالِ وَارِثِهٖ. قَالَ: فَاِنَّ مَالَهٗ مَا قَدَّمَ وَ مَالُ وَارِثِهٖ مَا اَخَّرَ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 5168 صحیح بخاری، رقم 6442

مسند احمد، رقم 3626 نسائی، رقم 3642

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تم میں سے ایسا کون ہے جسے اپنے مال سے وارثوں کا مال زیادہ پسند ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہمیں تو اپنا مال اپنے وارثوں کے مال سے زیادہ پسند ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

بے شک بندے کا مال وہ ہے جو اُس نے آگے بھیجا۔ جو اُس نے پیچھے چھوڑا وہ تو وارثوں کا مال ہے۔''

تشریح:

1: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ویسے تو ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اپنے مال ودولت سے خود زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائے مگر ہوتا یہ ہے کہ لوگ مال جمع کرتے ہیں، پھر بخل سے کام لیتے ہوئے اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ صدقہ وخیرات کر کے اسے اپنے لیے توشۂ آخرت نہیں بناتے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان کی ساری جمع پونجی بعد میں اُن کے وارثوں کے ہاتھوں میں چلی جاتی ہے۔

اس طرح گویا یہ لوگ اپنے لیے نہیں بلکہ اپنے وارثوں کے لیے مال پسند کرنے والے بن جاتے ہیں۔

2: یاد رہے کہ اپنا سارا مال اپنی زندگی ہی میں خرچ کر دینا اور وارثوں کے لیے کچھ باقی نہ رہنے دینا بھی اسلام کی نظر میں پسندیدہ نہیں ہے۔

اس بارے میں حدیث میں ہے کہ:

((اِنَّكَ اَنْ تَذَرَ وَرَثَتَكَ اَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ اَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُوْنَ النَّاسَ .))

(صحیح مسلم، رقم: 4209۔ ترمذی، رقم: 2116۔ ابن ماجہ، رقم: 2708)

''اگر تم اپنے وارثوں کو مال دار چھوڑ کر جاؤ تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم انہیں تنگ دست اور محتاج چھوڑ جاؤ کہ وہ دوسرے لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔''

3: بہتر یہ ہے کہ مرنے سے پہلے مال دار شخص اپنے مال میں سے زیادہ سے زیادہ ایک تہائی 1/3 تک کی وصیت کر کے جائے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کیا جائے۔ اس طرح باقی دو تہائی 2/3 مال بعد میں وارثوں کو مل جائے۔

رسول اللہ ﷺ کو مال جمع کرنا ناپسند تھا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

((یَا اَبَا ذَرٍّ! ءَ تُبْصِرُ اُحُدًا؟ قَالَ: فَنَظَرْتُ اِلَی الشَّمْسِ مَا بَقِیَ مِنَ النَّهَارِ، وَاَنَا اَرٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يُرْسِلُنِیْ فِیْ حَاجَةٍ لَّهٗ۔ قُلْتُ: نَعَمْ۔ قَالَ: مَا اُحِبُّ اَنَّ لِیْ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا، اُنْفِقُهٗ كُلَّهٗ اِلَّا ثَلَاثَةَ دَنَانِيْرَ)) (صحیح بخاری، رقم: 1408)

''اے ابوذر رضی اللہ عنہ! کیا تم احد پہاڑ کو دیکھ رہے ہو؟ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے سورج کی طرف دیکھا کہ کتنا دن باقی ہے کیونکہ میں نے خیال کیا کہ نبی ﷺ مجھے اپنی کسی کام سے بھیجنا چاہتے ہیں۔ میں نے عرض کیا: جی ہاں (میں اُحد پہاڑ کو دیکھ رہا ہوں) آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے یہ پسند نہیں کہ میرے پاس اِس پہاڑ جتنا سونا ہو ورنہ میں سوائے تین دیناروں کے باقی سارا خرچ کر دوں۔''

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت میں یہ بھی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((لَوْ كَانَ لِیْ مِثْلُ اُحُدٍ ذَهَبًا مَا يَسُرُّنِیْ اَنْ لَا تَمُرَّ عَلَیَّ ثَلَاثُ لَيَالٍ وَعِنْدِیْ مِنْهُ شَیْءٌ اِلَّا شَيْئًا اَرْصُدُهٗ لِدَيْنٍ)) (صحیح بخاری، رقم: 6445)

''اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر بھی سونا ہوتو مجھے یہ پسند نہیں کہ مجھ پر تین دن بھی ایسے گزریں کہ اس میں سے کچھ میرے پاس باقی رہے، سوائے اُس کے کہ جسے میں نے کسی قرض کی ادائیگی کے لیے رکھ چھوڑا ہو۔''

اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو مال و دولت جمع کرنا ناپسند تھا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مدینے کے لوگ اُحد پہاڑ کو دیکھ کر بھی وقت کا کچھ اندازہ کر لیتے تھے۔

96: رحمت کے فرشتے اُس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویریں ہوں

96...... ((عَنْ اَبِیْ طَلْحَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ ﷺ: لا تَدْخُلُ الْمَلٰئِکَۃُ بَیْتًا فِیْہِ کَلْبٌ، وَ لا تَصَاوِیْرَ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4489 صحیح بخاری، رقم 5949 صحیح مسلم، رقم 5514
ترمذی، رقم 2804 ابن ماجہ، رقم 3649 نسائی، رقم 5347
اللؤلؤ والمرجان، رقم 1363

''حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جس گھر میں کتا یا تصویریں ہوں، اُس میں (رحمت کے) فرشتے داخل نہیں ہوتے۔''

تشریح:

1: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس گھر میں کوئی کتا ہو یا اُس میں جاندار چیزوں کی تصویریں سجا رکھی ہوں تو اُس گھر میں رحمت اور برکت لانے والے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔

2: بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ جو کتا کسی نے اپنے گھر کی حفاظت کے لیے رکھا ہو، وہ اس حکم میں داخل نہیں ہے اور اس میں رحمت کے فرشتے آسکتے ہیں۔

3: تصویروں سے مراد جاندار چیزوں کی تصویریں یا مجسّمے ہیں۔

4: اسلام میں جاندار چیزوں کی تصویر بنانا حرام ہے۔

نوٹ: مزید تفصیل کے لیے دیکھیے حدیث نمبر 128 کی تشریح۔

97:اصل امیری دل کی امیری ہے

97...... ((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
لَیْسَ الْغِنٰی عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ ، وَلٰكِنَّ الْغِنٰی غِنَی النَّفْسِ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 5170 صحیح بخاری، رقم 6446۔ صحیح مسلم، رقم 2420
ترمذی، رقم 2373 اللؤلؤ والمرجان، رقم 624

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
دولت مندی ساز وسامان کی کثرت سے نہیں ملتی بلکہ اصل دولت مندی دل کی دولت مندی ہے۔''

تشریح:

1: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اصل دولت مند وہ ہے جس کا دل غنی ہے، جو قناعت کرتا ہے، جو دوسروں کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتا، نہ کسی سے مال مانگتا ہے، خود دار اور بلند حوصلہ ہے، لالچی اور حریص نہیں ہے۔ اس کے برعکس جو شخص حرص وطمع میں گرفتار ہے، دولت سے اُس کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا تو ایسا شخص حقیقت میں محتاج ہے خواہ کتنی ہی زیادہ دولت رکھتا ہو۔

2: شیخ سعدی رحمہ اللہ نے اسی مضمون کو اپنی فارسی کتاب ''گلستان'' میں عمدہ طریقے سے بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''تونگری بدل است نہ بہ مال، بزرگی بہ عقل است نہ بہ سال''

''امیری دل سے ہے مال سے نہیں اور بزرگی عقل سے ہے زیادہ عمر سے نہیں ہے۔''

3: انبیائے کرام کی وراثت علم ہے، دولت نہیں ہے۔

4: دنیا دار لوگ ظاہری مال ودولت پا کر خوش ہوتے ہیں لیکن دین دار شخص کو علم کی دولت سے اطمینانِ قلب حاصل ہو جاتا ہے۔

5: اسلام نے بہت سے دنیوی معیارات بدل ڈالے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ پہلوان وہ نہیں جو دوسرے کو پچھاڑ اور گرا دیتا ہے۔ اصل پہلوان وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھتا ہے۔
(صحیح بخاری، رقم:6114۔ صحیح مسلم، رقم:6643)

98: نظر لگنا

98...... ((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ:
اَلْعَيْنُ حَقٌّ ، فَلَوْ كَانَ شَيْءٌ سَابَقَ الْقَدْرَ سَبَقَتْهُ الْعَيْنُ وَإِذَا اسْتُغْسِلْتُمْ فَاغْسِلُوْا .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4531 صحیح مسلم، رقم 5702 ترمذی، رقم 2062
صحیح بخاری، رقم 5740 ابوداؤد، رقم 3879 اللؤلؤ والمرجان، رقم 1411

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:
نظر تو لگتی ہے۔ اگر کوئی چیز تقدیر سے بھی آگے بڑھ سکتی تو نظر بڑھ سکتی تھی۔ اور جب تم سے غسل کا مطالبہ کیا جائے تو غسل کرو۔''

تشریح:

بعض اوقات حسد وغیرہ کے سبب سے کسی کی نظر لگ جاتی ہے۔ حدیث میں اسے ایک حقیقت کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔ کبھی کسی چیز کو غیر معمولی اور عجیب سمجھ کر دیکھنے سے بھی نظر لگتی ہے۔ عام طور پر چھوٹے بچوں کو زیادہ نظر لگتی ہے۔ نظر لگنے کے واقعات ہر زمانے میں پیش آتے رہتے ہیں۔ بعض افراد ایسے ہوتے ہیں جن سے دوسروں کو بہت نظر لگتی ہے۔

دراصل اللہ تعالیٰ نے بعض چیزوں میں کوئی خاص تاثیر رکھی ہے جیسے آگ کا کام جلانا ہے اسی طرح نظر بھی لگ جاتی ہے۔

احادیث میں ایسی کئی دعائیں سکھائی گئی ہیں جنہیں پڑھ کر دم کرنے سے نظر کے برے اثرات سے بچا جاسکتا ہے۔

1: کسی کو نظر لگنے سے بچانے کے لیے اس پر اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلَيْهِ پڑھنا چاہیے۔
2: اگر مَا شَآءَ اللّٰهُ ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ پڑھ لیا جائے تو بھی نظر نہیں لگتی۔
3: سورۂ فاتحہ، آیت الکرسی اور آخری دو سورتیں پڑھ کر دم کرنے سے بھی نظر لگنے سے بچا جاسکتا ہے۔
4: اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ پڑھ کر دم کرنا بھی مفید ہے۔

5: اسی طرح اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّهَامَّةٍ وَّمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ پڑھ کر دَم کرنے سے بھی نظر لگنے سے بچا جا سکتا ہے۔

6: جس پر نظر لگنے کا اندیشہ ہو اُس کی خوبصورتی کو کم کرنے کے لیے اُس پر کوئی سیاہ داغ دھبہ وغیرہ لگا دینا چاہیے۔اس سے بھی نظر لگنے سے حفاظت ہو جاتی ہے۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے ''شرح السنہ'' میں لکھا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک خوبصورت چھوٹے بچے کو دیکھا تو فرمایا: ''اس کی ٹھوڑی (چاہ ذقن) پر کوئی سیاہ داغ دھبہ لگا دو تا کہ اسے نظر نہ لگ جائے۔

7: نظر لگنے کی تاثیر کی تیزی اور شدت ظاہر کرنے کے لیے فرمایا گیا کہ شاید یہ تقدیر پر بھی غالب آ جاتی مگر حقیقت یہ ہے کہ تقدیر پر کوئی چیز غالب نہیں آ سکتی۔

8: ''جب تم سے غسل کا مطالبہ کیا جائے تو غسل کرو'' سے عربوں کے اُس قدیم طریق علاج کی طرف اشارہ ہے جو وہ دورِ جاہلیت میں کسی نظر لگے ہوئے شخص کے علاج کے لیے کیا کرتے تھے اور جسے اسلام نے بھی برقرار اور جائز رکھا ہے۔

9: ہمارے ہاں نظر اتارنے کے بعض جاہلانہ، ہندوانہ اور غیر شرعی طریقے بھی رائج ہیں جن سے پرہیز کرنا چاہیے۔

99: دو باتوں میں بوڑھا بھی جوان ہوتا ہے

99...... ((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ:
لَا يَزَالُ قَلْبُ الْكَبِيْرِ شَابًّا فِیْ اِثْنَيْنِ: فِیْ حُبِّ الدُّنْيَا وَطُوْلِ الْاَمَلِ .))

مشکوٰة المصابیح، رقم 5271 صحیح بخاری، رقم 6420 صحیح مسلم، رقم 2411
ترمذی، رقم 2338 ابن ماجه، رقم 4233 اللؤلؤ والمرجان، رقم 620

''سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:
بوڑھے شخص کا دل دو باتوں میں جوان رہتا ہے: ایک دنیا کی محبت میں اور دوسرے لمبی خواہشوں میں۔''

تشریح:

1. اس حدیث کا مضمون بعض اور احادیث میں تھوڑے لفظی اختلاف کے ساتھ آیا ہے:
صحیح مسلم کی حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں:
((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: قَلْبُ الشَّيْخِ شَابٌّ عَلٰی حُبِّ اثْنَيْنِ: طُوْلُ الْحَيَاةِ وَحُبُّ الْمَالِ .)) (صحیح مسلم، رقم 2411)
''بوڑھا آدمی دو چیزوں کے لحاظ سے جوان ہوتا ہے۔ ایک لمبی عمر پانے کی خواہش کے لحاظ سے اور دوسری مال کی ہوس کے اعتبار سے۔''
ایک اور حدیث میں ہے کہ:
((عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: يَهْرَمُ ابْنُ آدَمَ يَشِبُّ مِنْهُ اثْنَانِ: الْحِرْصُ عَلَی الْمَالِ وَالْحِرْصُ عَلَی الْعُمُرِ .)) (صحیح مسلم، رقم 2412)
''سیّدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انسان بوڑھا ہو جاتا ہے مگر اس کی دو چیزیں جوان اور طاقت ور ہو جاتی ہیں۔ ایک مال کی حرص اور دوسرے لمبی عمر پانے کی خواہش۔''

عام طور پر انسان کی بعض خواہشات بڑھاپے میں بھی برقرار رہتی ہیں۔ ان میں سے ایک زیادہ عمر پانے

کی خواہش اور دوسرے زیادہ مال رکھنے کی خواہش ہے۔ ان کے علاوہ وہ ہمیشہ جوان رہنے کی خواہش بھی رکھتا ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ جوں جوں بڑھاپے کی وجہ سے انسانی اعضاء کمزور پڑ جاتے ہیں اور جسمانی قوت کم ہو جاتی ہے اسی طرح اس میں زیادہ عمر اور زیادہ مال کی خواہش بھی کم ہو جائے، لیکن اکثر ایسا نہیں ہوتا۔ انسان چاہتا ہے کہ وہ ہمیشہ جوان رہے۔ کاش اس کی جوانی واپس لوٹے اور وہ دولت مند رہے اور ہر طرح کی نفسانی خواہشات کو پورا کرتا رہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بڑھاپے کے باوجود دنیا پرستی کی خواہش اور ہوس کا گھوڑا بے لگام رہتا ہے اور اس ہوس اور خواہش کو صرف قبر کی مٹی ہی پورا کر سکتی ہے۔ عوام کی اکثریت کا یہی حال ہوتا ہے، البتہ بعض نیک اور پرہیزگار لوگ اس سے مستثنٰی ہو سکتے ہیں، جو آخرت کی زندگی کو دنیا کی زندگی پر ترجیح دیتے ہیں۔

100: میت کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں پھر ایک باقی رہ جاتی ہے

100...... ((عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ:
یَتْبَعُ الْمَیِّتَ ثَلَاثَۃٌ: فَیَرْجِعُ اِثْنَانِ، وَیَبْقٰی مَعَہٗ وَاحِدٌ، یَتْبَعُہٗ اَھْلُہٗ وَمَالُہٗ وَعَمَلُہٗ، فَیَرْجِعُ اَھْلُہٗ وَمَالُہٗ، وَ یَبْقٰی عَمَلُہٗ.))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 5167 — صحیح بخاری، رقم 6514 — صحیح مسلم، رقم 7424
ترمذی، رقم 2379 — نسائی، رقم 1937 — اللؤلؤ والمرجان، رقم 1865

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
میت کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں۔ ان میں سے دو واپس آ جاتی ہیں اور ایک اس کے ساتھ باقی رہتی ہے۔ اُس کے گھر والے، اُس کا مال اور اُس کے اعمال اُس کے ساتھ جاتے ہیں۔ پھر اُس کے گھر والے اور اُس کا مال واپس آ جاتے ہیں اور اُس کے ساتھ صرف اُس کے اعمال رہ جاتے ہیں۔''

تشریح:

1: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ انسان جب قبر (یا عالم برزخ) میں پہنچ جاتا ہے تو اُس کے رشتہ دار واحباب، اُس کا مال و دولت اور منصب واقتدار سب اُس کا ساتھ چھوڑ جاتے ہیں اور وہ ان تمام سے محروم ہو جاتا ہے۔ وہاں صرف اُس کے اعمال اُس کے ساتھ رہ جاتے ہیں جو اگر اچھے ہوئے تو خیر ہے ورنہ خیر نہیں ہے۔

2: اسی مضمون کو قرآنِ مجید نے اس طرح بیان کیا ہے:

﴿اَلْمَالُ وَ الْبَنُوْنَ زِیْنَۃُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَ الْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّکَ ثَوَابًا وَّ خَیْرٌ اَمَلًا﴾ (الکھف: 46)

''یہ مال اور اولاد دُنیا کی رونق ہیں۔ لیکن باقی رہنے والی نیکیاں تمہارے ربّ کے نزدیک ثواب اور تمنا کرنے کے لحاظ سے بہتر ہیں۔''

مراد یہ ہے کہ انسان کا مال و دولت اور اولاد سب دنیا کی فانی چیزیں ہیں لیکن آخرت میں کام آنے

والے صرف اُس کے نیک اعمال ہیں۔

3: نیک اعمال کے علاوہ جو چیزیں آخرت میں بندے کو فائدہ دے سکتی ہیں اُن کی تفصیل ایک حدیث میں یوں بیان کی گئی ہے:

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ اِنْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلَاثَةِ اَشْيَآءِ: صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، اَوْعِلْمٍ يُّنْتَفَعُ بِهٖ، اَوْوَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْ لَهٗ.))

(مشکوة المصابیح، رقم: 203۔ صحیح مسلم، رقم: 4223۔ ابوداؤد، رقم: 2880۔ نسائی، رقم: 3651۔ ترمذی، رقم: 1376)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
جب انسان فوت ہوجاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ ختم ہوجاتا ہے سوائے تین چیزوں کے، ایک صدقہ جاریہ، دوسری چیز وہ علم ہے جس سے فائدہ اُٹھایا جائے، اور تیسری وہ نیک اولاد ہے جو اس کے حق میں دعا کرے۔''

تشریح:

حدیث میں 'انسان' کا لفظ آیا ہے لیکن اس سے مراد مسلمان ہے جس کے مرنے کے ساتھ ہی اُس کے اعمال کا سلسلہ بند ہوجاتا ہے۔ البتہ تین قسم کے اعمال کا اجر وثواب مرنے کے بعد بھی اُسے ملتا رہتا ہے۔

1: صدقہ جاریہ
2: صحیح اور مفید علم
3: نیک اولاد

1۔صدقہ جاریہ:

وہ عمل ہے کہ مرنے والا اپنی زندگی میں کوئی ایسا صدقہ کر گیا جس سے بعد میں بھی دوسرے لوگ فائدہ اُٹھاتے رہیں۔ جیسے کسی نے مسجد بنوادی، ڈسپنسری یا ہسپتال قائم کردیا، یا دینی مدرسہ بنایا، یا مسافروں کے لیے راستے میں درخت لگوائے یا اُن کے پانی کے لیے کنواں کھدوا دیا۔ جب تک یہ چیزیں موجود رہیں گی ان کا ثواب مرنے والے کو پہنچتا رہے گا۔

2۔ صحیح اور مفید علم :

اس سے مراد وہ صحیح اور مفید علم ہے جو مرنے والا شخص اپنی زندگی میں دوسروں کو سکھا گیا اور وہ اس سے فائدہ اٹھاتے ہوں۔ یہ بھی اُس کا ایک عمل تھا جس میں اُس کی دینی کتابیں اور وہ شاگرد بھی شامل ہیں جن کو اُس نے دین کا علم سکھایا تھا۔ اب جب تک اُس کی دینی کتب سے لوگ فائدہ اُٹھاتے رہیں گے اُسے ثواب ملتا رہے گا اور جب تک اُس کے شاگردوں کا سلسلہ جاری رہے گا اُسے اجر پہنچتا رہے گا۔

3۔ نیک اولاد:

اولاد، اولاد کی پرورش اور اُس کی صحیح اخلاقی تعلیم و تربیت بھی انسان کا کسب اور عمل ہے۔ اولاد نیک ہوگی تو وہ اپنے والدین کے حق میں بخشش اور مغفرت کی دعا کرتی رہے گی۔ جس کا فائدہ فوت شدہ والدین کو پہنچے گا۔ بلکہ اولاد جو نیک کام بھی کرے گی اُس کا ثواب خود اسے بھی ملے گا اور اتنا ہی ثواب والدین کو بھی ملتا رہے گا جنہوں نے اُس کی اچھی تربیت کی تھی۔

اس حدیث سے ان تینوں کاموں کے کرنے کی ترغیب ملتی ہے جن کا ثواب مرنے کے بعد بھی ہمیں مل سکتا ہے۔

101: نیک اعمال کے وسیلے سے دعا کرنا درست ہے

101...... ((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ:
بَيْنَمَا ثَلاثَةُ نَفَرٍ يَتَمَا شَوْنَ اَخَذَهُمُ الْمَطَرُ ، فَمَالُوْا اِلٰى غَارٍ فِي الْجَبَلِ ، فَانْحَطَّتْ عَلٰى فَمِ غَارِهِمْ صَخْرَةٌ مِنَ الْجَبَلِ ، فَاَطْبَقَتْ عَلَيْهِمْ ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ: اُنْظُرُوْا اَعْمَالًا عَمِلْتُمُوْهَا لِلّٰهِ صَالِحَةً ، فَادْعُوْا اللّٰهَ بِهَا لَعَلَّهُ يُفَرِّجُهَا .

فَقَالَ اَحَدُهُمْ: اَللّٰهُمَّ اِنَّهُ كَانَ لِيْ وَالِدَانِ شَيْخَانِ كَبِيْرَانِ ، وَلِيَ صِبْيَةٌ صِغَارٌ كُنْتُ اَرْعٰى عَلَيْهِمْ ، فَاِذَا رُحْتُ عَلَيْهِمْ فَحَلَبْتُ بَدَأْتُ بِوَالِدَيَّ اَسْقِيْهِمَا قَبْلَ وَلَدِيْ ، وَاِنَّهُ قَدْ نَاٰى بِيَ الشَّجَرُ ، فَمَا اَتَيْتُ حَتّٰى اَمْسَيْتُ ، فَوَجَدْتُهُمَا قَدْ نَامَا . فَحَلَبْتُ كَمَا كُنْتُ اَحْلُبُ ، فَجِئْتُ بِالْحِلَابِ ، فَقُمْتُ عِنْدَ رُؤُوْسِهِمَا اَكْرَهُ اَنْ اُوْقِظَهُمَا ، وَاَكْرَهُ اَنْ اَبْدَءَ بِالصِّبْيَةِ قَبْلَهُمَا ، وَالصِّبْيَةُ يَتَضَاغَوْنَ عِنْدَ قَدَمَيَّ ، فَلَمْ يَزَلْ ذَالِكَ دَأْبِيْ وَدَأْبُهُمْ حَتّٰى طَلَعَ الْفَجْرُ ، فَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنِّيْ فَعَلْتُ ذَالِكَ ابْتِغَآءَ وَجْهِكَ ، فَافْرُجْ لَنَا فُرْجَةً نَرٰى مِنْهَا السَّمَآءَ . فَفَرَّجَ اللّٰهُ لَهُمْ حَتّٰى يَرَوْنَ السَّمَآءَ .

قَالَ الثَّانِيْ: اَللّٰهُمَّ اِنَّهُ كَانَتْ لِيْ بِنْتُ عَمٍّ اُحِبُّهَا كَاَشَدِّ مَا يُحِبُّ الرِّجَالُ النِّسَآءَ ، فَطَلَبْتُ اِلَيْهَا نَفْسَهَا ، فَاَبَتْ حَتّٰى اٰتِيَهَا بِمِائَةِ دِيْنَارٍ ، فَسَعَيْتُ حَتّٰى جَمَعْتُ مِائَةَ دِيْنَارٍ ، فَلَقِيْتُهَا ، بِهَا ، فَلَمَّا قَعَدْتُ بَيْنَ رِجْلَيْهَا ، قَالَتْ: يَا عَبْدَاللّٰهِ! اِتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تَفْتَحِ الْخَاتَمَ . فَقُمْتُ عَنْهَا . اَللّٰهُمَّ فَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنِّيْ فَعَلْتُ ذَالِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ ، فَافْرُجْ لَنَا مِنْهَا ، فَفَرَّجَ لَهُمْ فُرْجَةً .

وَقَالَ الْاٰخِرُ: اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ كُنْتُ اسْتَاْجَرْتُ اَجِيْرًا بِفَرَقِ اَرُزٍّ ، فَلَمَّا قَضٰى عَمَلَهُ قَالَ: اَعْطِنِيْ حَقِّيْ . فَعَرَضْتُ عَلَيْهِ حَقَّهُ ، فَتَرَكَهُ وَرَغِبَ عَنْهُ ، فَلَمْ اَزَلْ اَزْرَعُهُ حَتّٰى جَمَعْتُ مِنْهُ بَقَرًا وَرَاعِيَهَا ، فَجَآءَنِيْ فَقَالَ: اِتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تَظْلِمْنِيْ وَاَعْطِنِيْ حَقِّيْ . فَقُلْتُ:

اِذْهَبْ اِلٰى ذَالِكَ الْبَقَرِ وَ رَاعِيْهَا . فَقَالَ: اِتَّقِ اللّٰهَ وَ لَا تَهْزَأْبِىْ . فَقُلْتُ: اِنِّىْ لَا اَهْزَأُ بِكَ فَخُذْ ذَالِكَ الْبَقَرَ وَ رَاعِيْهَا ، فَاَخَذَهُ فَانْطَلَقَ بِهَا . فَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنِّىْ فَعَلْتُ ذَالِكَ ابْتِغَآءَ وَجْهِكَ ، فَافْرُجْ لَنَا مَا بَقِىَ ، فَفَرَجَ اللّٰهُ عَنْهُمْ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4938 — صحیح بخاری، رقم 2215 — صحیح مسلم، رقم 6949
مسند احمد، رقم 5973 — اللؤلؤ والمرجان، رقم 1745

''سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمی سفر پر نکلے تو راستے میں اُن کو بارش نے آلیا۔ انہوں نے پہاڑ کے ایک غار میں پناہ لی۔ اس دوران میں اوپر سے ایک بڑا تودہ گرا جس سے غار کا منہ بند ہوگیا۔

وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے دیکھو، اپنا کوئی نیک کام یاد کرو جو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کیا ہو۔ پھر اس کا واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرو شاید وہ اس مصیبت سے ہمیں نجات عطا فرمائے۔

اُن میں سے ایک بولا: اے اللہ! میرے والدین بہت بوڑھے تھے اور میرے چھوٹے چھوٹے بچے تھے۔ میں ان کے گزارے کے لیے جانور (بکریاں) چراتا تھا۔ جب میں شام کو واپس لوٹتا اور بکریوں کا دودھ دوہتا تو اپنے بچوں سے پہلے میں اپنے والدین کو دودھ پلاتا تھا۔ لیکن ایک دن مجھے جنگل میں دور جانا پڑا تو واپسی پر دیر سے گھر پہنچا۔ میرے والدین سو چکے تھے۔ میں نے حسب معمول دودھ نکالا۔ پھر دودھ کا برتن لے کر آیا اور اُن کے سرہانے کھڑا ہوگیا۔ میں نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ اُن کو جگاؤں اور مجھے یہ بھی گوارا نہ تھا کہ والدین سے پہلے اپنے بچوں کو دودھ پلاؤں حالاں کہ بچے میرے پاؤں میں پڑے بھوک سے بلک رہے تھے۔ میں صبح تک اسی حال میں کھڑا رہا۔ اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یہ کام صرف تیری رضا کے لیے کیا تھا تو ہمارے لیے اتنا سوراخ کر دے جس سے ہم آسمان کو دیکھ سکیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے اُس تودے میں اتنا سوراخ کر دیا کہ اُن کو آسمان نظر آنے لگا۔

دوسرے شخص نے کہا: اے اللہ! میرے چچا کی ایک بیٹی تھی۔ مجھے اُس سے اتنی محبت تھی جتنی کوئی مرد کسی عورت سے کرسکتا ہے۔ میں نے اُس سے خواہش پوری کرنے کی فرمائش کر دی۔ اُس نے کہا ''میں اُس وقت تک نہ مانوں گی جب تک تم مجھے سو (100) دینار نہ دے دو۔ میں نے کوشش کر کے سو (100) دینار جمع کر لیے اور اُس کے پاس لے گیا۔ پھر جب میں (برائی کرنے کے لیے) اُس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان بیٹھا تو اُس

نے کہا: اے اللہ کے بندے! اللہ سے ڈر! اور اس مہر (پردۂ بکارت) کو نہ توڑ۔ یہ سن کر میں اٹھ کھڑا ہوا۔ اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ میں نے تیری رضا کے لیے ایسا کیا تھا تو ہمارے لیے راستہ کھول دے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے کچھ راستہ کھول دیا۔

پھر تیسرے شخص نے دعا کی۔ ''اے اللہ! میں نے ایک فرق (ایک خاص مقدار) چاولوں کے معاوضے پر ایک مزدور کو کام پر لگایا۔ جب اُس نے اپنا کام مکمل کرلیا تو اس نے مجھے کہا: مجھے میرا حق دو۔ جب میں نے اس کا حق (معاوضہ) اُسے پیش کیا تو اُس نے اسے تھوڑا خیال کیا اور وہ اسے چھوڑ کر چلا گیا۔ میں ان چاولوں سے کاشت کاری کرتا رہا، یہاں تک کہ میں نے اس کی آمدنی سے کئی گائیں اور کچھ چرواہے حاصل کر لیے۔ وہ مزدور پھر میرے پاس آیا اور کہنے لگا: ''اللہ سے ڈر، مجھ پر ظلم نہ کر اور میرا حق نہ مار۔'' میں نے اُس سے کہا ''جاؤ اور جا کر وہ سب گائیں اور سارے چرواہے لے جاؤ۔ وہ بولا: ''اللہ سے ڈر اور مجھ سے مذاق نہ کر۔'' میں نے کہا: میں تم سے مذاق نہیں کر رہا ہوں، وہ سب گائیں اور سارے چرواہے لے جاؤ۔'' پھر اُس نے وہ سب گائیں اور سارے چرواہے لے لیے اور چلا گیا۔ اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یہ کام صرف تیری رضا کے لیے کیا تھا تو تو ہمارے لیے باقی راستہ بھی کھول دے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے پورا راستہ کھول دیا۔''

تشریح:

1: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا اپنے نیک اعمال کے وسیلے سے دعا کرنا نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے۔

2: اس حدیث کے مطابق والدین کی خدمت کرنا، بدکاری سے بچنا اور دوسرے مسلمان بھائیوں کی خیر خواہی کرنا، یہ سب بڑے نیکی کے کام ہیں۔

3: اس حدیث سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ آدمی کو مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ سے دعا ضرور کرنی چاہیے تا کہ وہ اس مصیبت سے نجات حاصل ہو سکے۔

4: اس حدیث سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ جس طرح اللہ سبحانہٗ اپنے پیغمبروں کو معجزے عطا فرماتا ہے اسی طرح وہ اپنے دوسرے نیک بندوں کے ہاتھوں کرامات بھی ظاہر فرماتا ہے۔

5: اس حدیث میں نیک اعمال کے وسیلے سے دعا کرنے کی ترغیب ملتی ہے۔ اسلام میں وسیلے کے صحیح تصور

کی تفصیل یہ ہے:

1۔ معنی ومفہوم:

'وسیلہ' کے لفظی معنی 'قرب' کے ہیں۔اس کے اصطلاحی معنی یہ ہیں:

''اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے کوئی جائز اور مشروع ذریعہ اختیار کرنا۔''

اس سے معلوم ہوا کہ وسیلہ ایک ایسا ذریعہ ہے جو اللہ سبحانہٗ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اختیار کیا جاتا ہے تا کہ اس طرح بندے کی کوئی حاجت پوری ہو جائے یا کوئی مصیبت دُور ہو جائے۔

2۔ قرآن اور وسیلہ:

قرآن میں 'وسیلہ' کا لفظ دو مقامات پر آیا ہے اور دونوں جگہوں پر اس سے مراد 'قربِ الٰہی' ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

1. ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَ جَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝﴾ (المائدہ: 35)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو۔اس کا قرب تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔''

دوسری جگہ یہ فرمایا کہ:

2. ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَ يَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا۝﴾ (بنی اسرائیل: 57)

''وہ جن کو پکارتے ہیں وہ خود اپنے رب کا قرب ڈھونڈتے ہیں کہ ان میں سے کون سب سے زیادہ قریب ہو جائے۔ وہ اپنے رب کی رحمت کے امیدوار ہیں اور وہ اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔واقعی تمہارے رب کا عذاب ہے ہی ڈرنے کی چیز!''

3۔ حدیث اور وسیلہ:

احادیث میں بھی وسیلے کا ذکر آیا ہے۔

1۔ ایک حدیث کے مطابق 'وسیلہ' جنت کا ایک بلند درجہ ہے۔ نبی ﷺ نے اسے حاصل کرنے کے لیے دوسروں سے دعا کی فرمائش کی ہے:

((إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا يَقُوْلُ ثُمَّ صَلُّوْا عَلَيَّ فَإِنَّهُ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلوٰةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا ثُمَّ سَلُوا اللّٰهَ لِيَ الْوَسِيلَةَ فَإِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ لَا تَنْبَغِيْ إِلَّا لِعَبْدٍ مِّنْ عِبَادِ اللّٰهِ وَأَرْجُوْ أَنْ أَكُوْنَ أَنَا هُوَ فَمَنْ سَأَلَ اللّٰهَ لِيَ الْوَسِيلَةَ حَلَّتْ لَهُ الشَّفَاعَةُ)) (صحيح مسلم: 849)

''جب تم مؤذن کی اذان سنو تو وہی کلمات کہو جو موذن کہتا ہے۔ پھر مجھ پر درود بھیجو کیونکہ جو مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ اُس پر دس (10) رحمتیں نازل کرتا ہے۔ اس کے بعد میرے لیے اللہ سے 'وسیلہ' مانگو، جو جنت کا ایسا مقام ہے جو اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کو ملے گا۔ میں امید رکھتا ہوں کہ میں بھی اُن میں سے ہو جاؤں۔ پھر جس نے میرے لیے وہ 'وسیلہ' مانگا، اُس کے لیے (میری) شفاعت ہو جائے گی۔''

2۔ اذان کے بعد کی دعا میں بھی نبی ﷺ کے لیے جنت کے اس 'وسیلہ کے حصول کی دعا کی جاتی ہے۔

((اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ آتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُوْدًا الَّذِيْ وَعَدْتَهُ حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) (صحيح بخاری، رقم: 614)

''اے اللہ! تو اس کامل دعا کا رب ہے جو اس نماز کے لیے دی گئی ہے۔ اے اللہ! تو محمد ﷺ کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرما اور آپ ﷺ کو اُس مقامِ محمود تک پہنچا دے جس کا تو نے وعدہ فرمایا ہے۔''

3۔ صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ:

((عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رضي الله عنه كَانَ إِذَا قَحَطُوا اسْتَسْقَى بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ: اللّٰهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا ﷺ فَتَسْقِينَا، وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا، قَالَ: فَيُسْقَوْنَ))

(صحيح بخاری؛ رقم: 1010، 3710)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب قحط پڑ جاتا تو (امیر المومنین) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ سے بارش کے لیے دعا کراتے اور ساتھ یہ کہتے

تھے کہ: اے اللہ! اس سے پہلے ہم اپنے نبی ﷺ کے وسیلے سے تجھ سے بارش کی دعا کراتے پھر تو ہم پر بارش برساتا تھا۔اب ہم اپنے نبی ﷺ کے چچا کو وسیلہ بنا کر اُن کے ذریعے بارش کی دعا کرتے ہیں تو ہم پر بارش برسا۔راوی کہتے ہیں کہ پھر بارش ہو جاتی تھی۔''

اس سے معلوم ہوا کہ کسی زندہ اور موجود نیک شخص کے ذریعے سے دعا کرانا بھی جائز وسیلہ ہے۔

4۔ جائز اور مشروع وسیلے:

چونکہ وسیلہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ ہے تاکہ اس کی بدولت دنیا اور آخرت کی کوئی حاجت پوری ہو جائے یا کوئی مصیبت دور ہو جائے، اس لیے ضروری ہے کہ اس کے لیے صرف جائز اور مشروع وسائل اختیار کیے جائیں۔جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

(1) ایمان:

اللہ تعالیٰ پر ایمان پہلا وسیلہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے اور جس کے ذریعے سے اپنی حاجت طلب کرنی چاہیے یا کوئی مصیبت دُور کرنے کی دعا کرنی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی ایک یہ دعا بیان فرمائی ہے جس میں ایمان کو وسیلہ بنایا گیا ہے۔

﴿رَبَّنَآ إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِیْ لِلْإِيمَانِ أَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ كَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَ تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ﴾ (آل عمران : 193)

''اے ہمارے رب! بے شک ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا جو ایمان کی طرف پکار رہا تھا کہ اے لوگو! اپنے رب پر ایمان لاؤ تو ہم پر ایمان لائے اے ہمارے رب! ہمارے گناہ بخش دے۔ہماری برائیوں کو ہم سے دور فرما! اور ہمارا خاتمہ نیک لوگوں کے ساتھ ہو!''

(2) نماز:

نماز افضل ترین عبادت اور دین کے بنیادی ارکان میں سے ہے۔یہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ﴾ (العلق : 19)

''اور (اللہ ہی کو) سجدہ کر اور (اُسی کا) قرب حاصل کر۔''

(3) روزہ:

روزہ قربِ الٰہی کا بہترین ذریعہ ہے۔ روزے کا مقصد تقویٰ ہے اور اہلِ تقویٰ ہی کو قربِ الٰہی حاصل ہوتا ہے۔ روزے دار کی دعا بھی مقبول ہوتی ہے۔

(4) صدقہ وخیرات:

صدقہ وخیرات بھی بہترین وسیلہ ہے۔ یہ اللہ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا، بلاؤں اور مصیبتوں کو دور کرتا اور دوزخ سے نجات دلاتا ہے۔

حدیث نبوی ہے کہ:

((اِتَّقُوْا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ)) (صحیح بخاری، رقم: 6023۔ مشکوٰۃ، رقم: 5857)

''دوزخ کی آگ سے بچو اگرچہ ایک کھجور کا ٹکڑا ہی صدقہ کرکے۔''

(5) حج:

حج بیت اللہ بھی اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ حج مبرور (مقبول) کرنے سے تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ ایک متفق علیہ حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((اَلْعُمْرَةُ اِلَی الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِّمَا بَيْنَهُمَا ، وَالْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهٗ جَزَآءٌ اِلَّا الْجَنَّةَ))

(صحیح بخاری،رقم: 1773۔ صحیح مسلم، رقم: 3289۔ مشکوٰۃ، رقم: 2508)

''ایک عمرے سے دوسرے عمرے تک کے درمیان کے گناہوں کا (عمرہ) کفارہ ہوتا ہے اور مبرور (مقبول) حج کا ثواب بس جنت ہے۔''

(6) عمرہ:

عمرہ بھی قربِ الٰہی کا ایک ذریعہ ہے۔ بار بار عمرہ کرنے سے تنگ دستی اور گناہ دور ہوتے ہیں جیسا کہ حدیث نبوی ہے:

((تَابِعُوْا بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ ، فَإِنَّهُمَا يَنْفِيَانِ الْفَقْرَ وَالذُّنُوْبَ كَمَا يَنْفِي الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ وَالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ ......))

(ترمذی، رقم : 810، نسائی، رقم : 2630، مشکوٰۃ، رقم: 2524)

''حج اور عمرے لگا تار کرتے رہیں۔ بے شک حج اور عمرہ تنگ دستی اور گناہوں کو دور کر دیتے ہیں جیسے بھٹی لوہے، سونے اور چاندی کا میل کچیل دُور کر دیتی ہے......''

(7) جہاد فی سبیل اللہ:

اللہ کی راہ میں جہاد و قتال بھی اللہ تعالیٰ کے قرب کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ جہاد و قتال اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ جہاد و قتال کے چند فضائل یہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُم بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ﴾ (الصف: 4)

''بے شک اللہ اُن لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اُس کی راہ میں اس طرح مل کر لڑتے ہیں گویا سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔''

ایک متفق علیہ حدیث میں ہے کہ:

((عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی اللہ عنہ، قَالَ: سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ: أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: إِيمَانٌ بِاللّٰهِ وَجِهَادٌ فِي سَبِيلِهِ......)) (صحیح بخاری، رقم: 26۔ صحیح مسلم، رقم: 248۔ نسائی، رقم: 2624۔ ترمذی، رقم: 1658۔ مشکوۃ المصابیح، رقم: 2506)

''حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے پوچھا، کون سا عمل افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ پر ایمان لانا اور اُس کی راہ میں جہاد کرنا۔''

(8) تلاوتِ قرآن:

قرآن مجید کی تلاوت بھی عبادت ہے اور ہر عبادت کی طرح یہ بھی قربِ الٰہی کا ذریعہ ہے۔ قرآن کے ہر لفظ کے بدلے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ جن مجالس میں تلاوتِ قرآن ہو اُن کو رحمت کے فرشتے گھیر لیتے ہیں اور اُن پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔

صحیح حدیث میں ہے کہ:

((خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ)) (صحیح بخاری، رقم: 5027۔ ابوداؤد، رقم: 1452۔ ترمذی، رقم 2909۔ مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 2109)

''تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔''

(9) ذکر و تسبیح:

اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اُس کی تسبیح وتہلیل کرنا بھی اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے اور یہ بھی قرب الٰہی کا بہترین ذریعہ ہے۔

ایک متفق علیہ حدیث قدسی میں ہے کہ:

((اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ ، وَاَنَا مَعَهٗ اِذَا ذَکَرَنِیْ ، فَاِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ نَفْسِهٖ ، ذَکَرْتُهٗ فِیْ نَفْسِیْ ، وَاِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ مَلَأٍ ذَکَرْتُهٗ فِیْ مَلَأٍ خَیْرٍ مِنْهُمْ))

(صحیح بخاری، رقم: 7505۔ صحیح مسلم، رقم: 6829۔ ترمذی، رقم: 2388۔ ابن ماجه، رقم 3822)

''میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق ہوتا ہوں۔ جب وہ میرا ذکر کرتا ہے تو میں اُس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ اگر وہ مجھے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اُسے دل میں یاد کرتا ہوں۔ وہ اگر جماعت میں مجھے یاد کرتا ہے تو میں اُسے اُس کی جماعت سے بہتر جماعت (فرشتوں) میں یاد کرتا ہوں۔''

(10) درود شریف:

حضرت محمد ﷺ پر درود و سلام بھیجنا بھی وسیلے کا جائز اور مشروع طریقہ ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلَاةً وَاحِدَةً صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ عَشْرَةً))

(نسائی، رقم : 1297، مشکوة المصابیح، رقم: 922)

''جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمت بھیجتا ہے۔''

(11) توبہ و استغفار:

اپنے گناہوں سے توبہ واستغفار کرنا بھی بہترین وسیلہ ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ اس سے گناہ معاف ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَی اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یُّکَفِّرَ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَیُدْخِلَکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ (التحریم: 8)

''اے ایمان والو! اللہ کے آگے سچی توبہ کرو۔ پھر اُمید ہے کہ تمہارا رب تمہارے گناہ معاف کردے گا اور تمہیں جنت کے اُن باغوں میں داخل کرے گا جن میں نہریں بہتی ہوں گی۔''

((يَا أَيُّهَا النَّاسُ ، تُوبُوْا اِلَى اللّٰهِ ، فَاِنِّيْ اَتُوْبُ اِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةً))

(صحیح مسلم، رقم: 6859۔ مشکوٰۃ، رقم: 2325)

''اے لوگو، اللہ کے آگے توبہ کرو، میں خود دن میں سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں۔''

(12) دُعا:

اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا عبادت ہے اور قربِ الٰہی کا بہترین وسیلہ ہے۔ اللہ سبحانہٗ کا ارشاد ہے کہ:

﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ (المومن: 60)

''اور تمہارے رب نے فرمادیا ہے کہ تم مجھے پکارو، میں تمہاری سنوں گا۔''

ایک حدیث نبوی ہے کہ:

((اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ)) (ترمذی، رقم: 3372۔ ابوداؤد، رقم: 1479۔ ابن ماجہ، رقم: 3828۔ مسند احمد، رقم: 18542۔ مشکوٰۃ، رقم: 2230)

''دعا عبادت ہے۔''

(13) اسمائے حسنیٰ:

اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کے وسیلے سے دعا کرنا بھی اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے اور یہ قربِ الٰہی کا ذریعہ بھی ہے۔

ایک متفق علیہ حدیث میں ہے کہ:

((اِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَتِسْعِيْنَ اِسْمًا مِائَةً اِلَّا وَاحِدًا ، مَنْ اَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ))

(صحیح بخاری، رقم: 2736،6410۔ صحیح مسلم، رقم: 6809، 6810۔ ترمذی، رقم: 3507۔ ابن ماجہ، رقم: 3861)

''بے شک اللہ تعالیٰ کے ننانوے (99) نام ہیں، ایک کم سو، جس نے ان کو یاد رکھا اور ان کی نگہداشت کی وہ جنت میں داخل ہوگا۔''

اللہ تعالیٰ کو ایسے ناموں سے یاد کرنا چاہیے جو اُس کی شان کے شایان اور مطابق ہوں۔

(صحیفہ للا لبانی، رقم:111۔112)

(14) نیک کام:

نیک کام کرنا اور برائی سے بچنا بھی اللہ تعالیٰ کے قرب کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ﴾ (هود: 114)

''بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔''

دوسری جگہ فرمایا:

﴿إِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا﴾ (النساء: 31)

''اگر تم ان بڑے گناہوں سے بچتے رہے جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے تو ہم تمہاری چھوٹی برائیاں معاف کردیں گے اور تمہیں جنت کے باعزت مقام میں جگہ دیں گے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ گناہوں کو چھوڑنے سے بھی اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے اور اس کے صلے میں جنت عطا فرمائے گا۔

حاصل یہ کہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے اور دعا کرنے کے یہ جائز اور مشروع ذریعے اور وسیلے ہیں۔ ان سے قربِ الٰہی بھی حاصل ہوتا ہے، گناہوں کی بخشش بھی ہوتی ہے اور آخرت کی کامیابی بھی ملتی ہے۔ لیکن غیر شرعی وسیلے درست نہیں ہیں، ان سے بچنا چاہیے۔

102: اچھا خواب نبوت کا چھیالیسواں 46/1 حصہ ہے

102...... ((عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
اَلرُّءْيَا الصَّالِحَةُ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَّ اَرْبَعِيْنَ جُزْءً مِّنَ النُّبُوَّةِ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4608 صحیح بخاری، رقم 6983 صحیح مسلم، رقم 5909
اللؤلؤ والمرجان، رقم 1458

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
اچھا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔''

تشریح:

اس حدیث میں درج ذیل اہم امور بیان ہوئے ہیں:

1: اگر چہ اس حدیث میں نیک آدمی کے خواب کی بات فرمائی گئی ہے لیکن اس میں نیک عورت بھی شامل ہے۔

2: انبیائے کرام کے خواب ہمیشہ سچے ہوتے ہیں۔

3: نیک لوگوں کے خواب کا ذکر اس لیے کیا گیا کیونکہ ان کے اکثر خواب سچے ہوتے ہیں۔

4: اس میں نبوت کا لفظ آیا ہے رسالت کا لفظ نہیں آیا کیونکہ نبوت عام ہے اور رسالت خاص ہے۔

5: نیک آدمی کے سچے خواب کو نبوت کا چھیالیسواں 46/1 حصہ قرار دینے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ایسے شخص کو نبوت کا اتنا حصہ مل گیا۔ بلکہ اس سے مراد نبوت کے علم کا حصہ ہے۔ جس کا تعلق بعض غیبی امور سے ہے اور ایسا خواب بھی ایک قسم کا غیبی علم ہی ہے۔

اس حدیث سے یہ اشارہ بھی نکلتا ہے کہ نبوت محنت اور کسب کی چیز نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عطیہ اور وہبی چیز ہے کیونکہ کوئی شخص اپنی مرضی کا خواب نہیں دیکھ سکتا۔

103: علانیہ اور فخریہ گناہ کرنے والے کی بخشش نہ ہوگی

103...... ((عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
كُلُّ اُمَّتِی مُعَافًی اِلَّا الْمُجَاهِرُوْنَ ، وَاِنَّ مِنَ الْمَجَانَةِ اَنْ یَّعْمَلَ الرَّجُلُ بِاللَّیْلِ عَمَلًا ، ثُمَّ یُصْبِحُ وَقَدْ سَتَرَهُ اللّٰهُ ، فَیَقُوْلُ: یَا فُلَانُ! عَمِلْتُ الْبَارِحَةَ كَذَا وَكَذَا ، وَقَدْ بَاتَ یَسْتُرُهٗ رَبُّهٗ ، وَیُصْبِحُ یَكْشِفُ سِتْرَ اللّٰهِ عَنْهُ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4830 صحیح بخاری، رقم 6069 صحیح مسلم، رقم 7485
اللؤلؤ والمرجان، رقم 1883

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
میری ساری امت کے گناہ قابل معافی ہیں سوائے اُن لوگوں کے جو علانیہ طور پر گناہ کرتے ہیں۔ اور علانیہ گناہ یہ بھی ہے کہ کوئی شخص رات کو کوئی برا کام کرے۔ پھر صبح کے وقت یہ کہتا پھرے کہ اے فلاں! میں نے رات کو یہ کچھ کیا، حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کی پردہ پوشی فرمائی تھی۔ رات بھر اُس کے ربّ نے اُس کی برائی چھپائے رکھی مگر صبح ہوتے ہی اُس شخص نے خود اپنے اوپر سے اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا پردہ اُٹھا دیا۔''

تشریح:

اس حدیث سے کئی باتیں معلوم ہوتی ہیں:

1: علانیہ گناہ کرنے والوں کے سوا ہر گناہ گار مسلمان کی آخرت میں بخشش ہو سکے گی۔

2: ہر شخص سے گناہ ہو سکتا ہے مگر اُسے چاہیے کہ دوسروں کو اپنے گناہ کا گواہ نہ بنائے بلکہ اپنے گناہ کو چھپائے اور اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے توبہ واستغفار کرے۔

3: کسی مسلمان کا یہ کام نہیں کہ وہ سرِ عام گناہ کرتا پھرے اور دوسروں کے سامنے اس پر فخر کا اظہار کرے۔

4: جب کوئی برائی کسی ایک ہی فرد تک محدود رہتی ہے اور وہ اس کا اظہار دوسروں سے نہیں کرتا تو معاشرہ اس برائی کے منفی اثرات سے بڑی حد تک محفوظ رہتا ہے اور لوگ بھی اُس کی غیبت کے گناہ سے بچ جاتے ہیں۔ لیکن جب کوئی شخص دوسروں کے سامنے اپنے گناہوں کا ذکر کرتا ہے تو اُس کی اِس حرکت سے

دوسرے لوگوں کو بھی برائی کی ترغیب ملتی ہے اور اس طرح وہ برائی پورے معاشرے میں پھیل جاتی ہے۔

5: قرآنِ مجید میں ایسے لوگوں کو عذاب سے ڈرایا گیا ہے جو معاشرے میں برائی اور بے حیائی پھیلاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (النور: 19)

”بے شک جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے حیائی کا چرچا ہو، اُن کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک سزا ہے۔اور یاد رکھو کہ اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔“

6: علانیہ اور فخریہ طور پر گناہ کرنے والا بے شرم اور بے حیا شخص ہوتا ہے۔ وہ شعائر اسلام کا مذاق اُڑاتا ہے۔اللہ تعالیٰ کے احکام کا باغی ہوتا ہے۔اس لیے ایسے شخص کے لیے آخرت میں بخشش نہیں ہے۔

104: شعروشاعری

104...... ((عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
إِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِكْمَةً .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4784 صحیح بخاری، رقم 6145 ابوداؤد، رقم 5010
ترمذی، رقم 2844 ابن ماجه، رقم 3755

''حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
بے شک بعض اشعار میں دانائی کی باتیں ہوتی ہیں۔''

تشریح:

1: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بعض شعروں میں حکمت ودانائی ہوتی ہے جس سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

2: خود حضور ﷺ اچھے اشعار سنتے تھے۔امام بخاری نے اپنی "الصحیح" میں ایک یہ باب باندھا ہے:
"مَا يَجُوْزُ مِنَ الشِّعْرِ وَالرَّجَزِ وَالْحُدَاءِ وَمَا يُكْرَهُ وَمِنْهُ . " (کتاب الادب)
(باب اس بارے میں کہ اشعار، رجز اور حدی میں سے کیا کیا جائز ہے اور کیا کیا ناپسندیدہ اور مکروہ ہے۔)

3: صحیح مسلم میں ہے کہ:
حضرت عمرو بن شرید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ اُنہوں نے کہا؛
میں ایک مرتبہ حضرت محمد ﷺ کے پیچھے سواری پر تھا۔آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا:
''کیا تمہیں امیہ بن ابی الصلت (دورِ جاہلیت کا مشہور کافر شاعر) کے کچھ اشعار یاد ہیں؟''
میں نے عرض کیا:
''جی ہاں!''
فرمایا: ''کچھ سناؤ۔''
چنانچہ میں نے آپ ﷺ کو ایک شعر سنایا۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا اور سنا۔ اسی طرح آپ ﷺ فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ میں نے آپ ﷺ کو اُسی شاعر کے ایک سو (100) اشعار سنا دیے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ''یہ شخص اپنے شعروں میں تو مسلمان معلوم ہوتا ہے۔'' حضور ﷺ نے اُس کے اشعار کو پسند کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی کافر شاعر کے اشعار سننا بھی جائز ہے۔

4: قرآنِ مجید میں بھی اچھے اور برے شاعروں کا فرق بتایا گیا ہے۔ اچھے شعراء کی تعریف اور برے شاعروں کی مذمت کی گئی ہے۔ (ملاحظہ ہو سورۃ الشعراء آیات 224 تا 227)

5: صحابہ کرام میں بھی بعض حضرات اچھے شاعر تھے جیسے حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ، کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ وغیرہم۔

6: اردو شاعری میں اکبرالہ آبادی، مولانا الطاف حسین حالی، علامہ اقبال اور مولانا ظفر علی خان کی شاعری کو اچھی شاعری میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

7: شاعری جذبات کے اظہار کا نام ہے اور جذبات اچھے بھی ہوسکتے ہیں اور برے بھی۔ اچھے جذبات کی مظہر شاعری پسندیدہ اور برے جذبات کی شاعری ناپسندیدہ ہے۔

8: ہمارے ہاں کے فلمی گانوں کی شاعری تو بہت بری اور فحش ہے اور یہ بھی نری ''پیپ'' ہے (جس کا ذکر اگلی حدیث میں آرہا ہے) جس سے بچنا چاہیے۔

105: ناپسندیدہ شاعری

105...... ((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
لَاَنْ یَّمْتَلِیَٔ جَوْفُ رَجُلٍ قَیْحًا یَرِیْهِ خَیْرٌ مِّنْ اَنْ یَّمْتَلِیَٔ شِعْرًا .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4794 — صحیح بخاری، رقم 6155 — صحیح مسلم، رقم 5893
ابو داؤد، رقم 5009 — ترمذی، رقم 2851 — اللؤلؤ والمرجان، رقم 1455

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
کسی آدمی کا پیٹ پیپ سے بھر کر خراب ہو جائے، یہ بہتر ہے اِس سے کہ اُس کا پیٹ (برے) شعروں سے بھر جائے۔''

تشریح:

1: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ وہ شاعری پیپ سے بھی بری ہے جس میں بے حیائی اور فحاشی ہو۔ اس کے علاوہ بری شاعری کی عادت انسان کو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اُس کی عبادت سے بھی غافل کر دیتی ہے۔

2: دراصل یہ حدیث دورِ جاہلیت کی شاعری کی مذمت کرتی ہے۔ اور چونکہ اس زمانے کی شاعری میں اکثر فحاشی، بے حیائی اور فضول باتیں ہوتی تھیں اس لیے لِلْاَکْثَرِ حُکْمُ الْکُلِّ کے تحت ساری شاعری کو ہی برا کہا گیا ہے۔ جیسا کہ آج کل یہ کہا جائے کہ ٹی وی پروگرام نہیں دیکھنے چاہئیں کیونکہ ان کے پروگراموں میں زیادہ تر بے حیائی اور فحاشی ہوتی ہے۔

3: بعض دوسری صحیح احادیث سے اچھے اشعار کا سننا اور اُن کو پسند فرمانا حضور ﷺ سے ثابت ہے۔

نوٹ: تفصیل کے لیے دیکھیے حدیث نمبر 104 کی تشریح۔

106: لبید نامی شاعر کا بہترین مصرع

106...... ((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
اَصْدَقُ كَلِمَةٍ قَالَهَا الشَّاعِرُ كَلِمَةُ لَبِيْدٍ: اَلَا كُلُّ شَیْءٍ مَاخَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4786 صحیح بخاری، رقم 6147 صحیح مسلم، رقم 5890
ترمذی، رقم 2849 اللؤلؤ والمرجان، رقم 1454

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
سب سے زیادہ سچی بات جس شاعر نے کہی ہے وہ لبید ہے جس نے یہ کہا ہے کہ ع
''اَلَا كُلُّ شَیْءٍ مَاخَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ . ''
(یادرکھو! اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز فانی ہے۔)

تشریح:

1: نبی ﷺ نے دورِ جاہلیت کے مشہور شاعر لبید بن ربیعہ کے اس مصرعے کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ لبید نے اس میں سب سے سچی بات کہی ہے کہ ''اللہ کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔''

یہ لبید بعد میں مسلمان ہوگئے اور انہوں نے طویل عمر پائی اور خلافت عثمانی کے دور میں 156 برس کی عمر میں فوت ہوئے۔ لیکن یہ مصرع انہوں نے مسلمان ہونے سے پہلے دورِ جاہلیت میں کہا تھا۔ اسلام لانے کے بعد انہوں نے شعر کہنا چھوڑ دیا تھا اور کہا کرتے تھے کہ ''اب میرے لیے قرآن کافی ہے۔''

2: لبید کے اس مصرعے کا دوسرا مصرعہ یہ ہے:
''وَكُلُّ نَعِيْمٍ لَا مُحَالَةَ زَائِلٌ''
''اور ہر نعمت ایک نہ ایک دن ختم ہوجانے والی ہے۔''

گویا پورا شعر یہ ہوا:

اَلَا كُلُّ شَیْءٍ مَاخَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ
وَكُلُّ نَعِيْمٍ لَا مُحَالَةَ زَائِلٌ

''یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز فانی ہے اور ہر نعمت ایک دن ختم ہو جائے گی۔''

3: نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے شعر و شاعری نہیں سکھائی تھی اس لیے آپ ﷺ نے کبھی کوئی پورا شعر نہیں پڑھا۔ اگر کبھی پڑھا بھی تو اُسے نثر کے انداز میں بدل کر رکھ دیا۔

4: لبید کے مذکورہ مصرعے میں جو مضمون بیان ہوا ہے وہ مضمون قرآنِ مجید میں بھی موجود ہے۔

﴿ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ﴾ (القصص : 88)

''ہر چیز فنا ہونے والی ہے سوائے اللہ کی ذات کے۔''

نوٹ: مزید تفصیل کے لیے دیکھیے حدیث نمبر 104 کی تشریح۔

107: مشرکین کی ہجو کہنا جائز ہے

107...... ((عَنِ الْبَرَاءِ ﷺ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ قُرَيْظَةَ لِحَسَّانَ بْنِ ثَابِتٍ: أُهْجُ الْمُشْرِكِيْنَ، فَإِنَّ جِبْرِيْلَ مَعَكَ . وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ لِحَسَّانَ: أَجِبْ عَنِّيْ، اَللّٰهُمَّ أَيِّدْهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4789 صحیح بخاری، رقم 4124,4123

صحیح مسلم، رقم 6387 ,6384 اللؤلؤ والمرجان، رقم 1617,1616

''حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے بنو قریظہ کے محاصرے کے دوران میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

تم مشرکین کی ہجو کہو۔ اللہ تعالیٰ کی مدد تمہارے ساتھ ہے۔ اور حضور ﷺ حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے فرما رہے تھے کہ: میری طرف سے جواب دو۔ اے اللہ! جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے اس کی مدد فرما۔''

تشریح:

1: ہجو یہ ہے کہ اشعار کے ذریعے کسی شخص کی مذمت کی جائے۔

2: ''یوم قریظہ'' سے مراد وہ واقعہ ہے جب نبی ﷺ نے مدینے کے یہودی قبیلے بنو قریظہ کا محاصرہ کیا تھا۔ اس قبیلے نے معاہدے کی خلاف ورزی کی اور غزوۂ خندق کے موقع پر مشرکینِ مکہ کا ساتھ دیا۔ اُن کے اسی جرم کی وجہ سے نبی ﷺ نے ان کے خلاف کارروائی کی۔

3: حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ مشہور انصاری صحابی اور شاعرِ اسلام تھے۔ آپ فی البدیہہ شعر کہتے تھے۔ پہلے ساٹھ (60) برس کفر کی حالت میں رہے۔ پھر اسلام لائے اور ساٹھ (60) برس ایمان کی حالت میں گزار کر ایک سو بیس (120) برس کی عمر میں فوت ہوئے۔

4: نبی ﷺ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اشعار کی تعریف فرماتے تھے۔ کفارِ مکہ کی ہجو کے جواب میں یہ ان کے خلاف ہجو کہتے تھے۔ نبی ﷺ نے آپ کو مشرکین کے خلاف ہجو کہنے کی نہ صرف اجازت دی بلکہ ان کے لیے یہ دعا بھی فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اُن کے لیے جبرئیل علیہ السلام کو مددگار بنائے۔

5: کفار و مشرکین کی ہجو کے جواب میں اُن کی ہجو کہنا جائز ہے۔

نوٹ: مزید تفصیل کے لیے دیکھیے حدیث نمبر 104 کی تشریح۔

108: مسلمان یہودیوں اور عیسائیوں کی نقل کریں گے

108...... ((عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ:
لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ قَبْلَکُمْ، شِبْرًا بِشِبْرٍ، وَ ذِرَاعًا بِذِرَاعٍ، حَتّٰی لَوْ دَخَلُوْا جُحْرَ ضَبٍّ تَبِعْتُمُوْهُمْ. قِیْلَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! الْیَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی؟ قَالَ: فَمَنْ؟))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 5361 صحیح بخاری، رقم 3456 صحیح مسلم، رقم 6781
اللؤلؤ والمرجان، رقم 1708 ابن ماجه، رقم 3994

’’حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
تم لوگ اپنے سے پہلی قوموں کے برے طریقوں کے پیچھے اِس طرح چلو گے جیسے بالشت بالشت کے برابر اور ہاتھ ہاتھ کے برابر ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر وہ کسی گوہ (سانڈے) کے بل میں گھسے ہوں گے تو تم بھی وہاں گھسو گے۔عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! کیا اِن قوموں سے مراد یہودی اور عیسائی ہیں؟ فرمایا: تو اور کون؟‘‘

تشریح:

اس حدیث میں وارد لفظ ”سُنَنَ“ کو بخاری اور مسلم میں ’سَنَنَ‘ لکھا گیا ہے اور دونوں کے معنی ایک ہی ہیں یعنی ’یعنی طور طریقے۔ اسی مضمون کی ایک حدیث ترمذی میں اس طرح روایت ہوئی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَتَرْکَبُنَّ سُنَّةَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ .)) (ترمذی، رقم: 1280)
’’قسم اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم لوگ بھی پہلی اُمتوں کے طور طریقے اختیار کرلو گے۔‘‘

اسی مضمون کی ایک اور حدیث ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
((لَتَتَّبِعُنَّ سُنَّةَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ، بَاعًا بِبَاعٍ، وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ، وَشِبْرًا بِشِبْرٍ، حَتّٰی لَوْ دَخَلُوْا جُحْرَ ضَبٍّ، لَدَخَلْتُمْ فِیْهِ۔ قَالُوْا: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! الْیَهُوْدُ وَالنَّصَارٰی؟ قَالَ: فَمَنْ، اِذًا؟)) (ابن ماجه، رقم: 3994)

”تم لوگ بھی اپنے سے پہلے لوگوں کے نقشِ قدم پر چلو گے۔ جیسے بازو بازو کے برابر اور ہاتھ ہاتھ کے برابر ہوتا ہے اور بالشت بالشت کے برابر ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر وہ کسی گوہ (یعنی سانڈے) کے بل میں گھسے ہوں گے تو تم بھی اُس میں داخل ہوگے۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا پہلے لوگوں سے مراد یہودی اور عیسائی ہیں؟ فرمایا: تو پھر اور کون؟

زیرِنظر حدیث میں نبی ﷺ نے پیش گوئی فرماتے ہوئے بتایا ہے کہ میری امت کے لوگ بھی یہود و نصاریٰ کے طور طریقے اپنا لیں گے جس کے نتیجے میں وہ اپنی دنیا بھی برباد کر لیں گے اور اپنی عاقبت بھی خراب کر لیں گے۔

چنانچہ آج ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں نے غیر قوموں کے بالعموم اور مغربی اقوام یہود و نصاریٰ کے طور طریقے اور فیشن اختیار کر لیے ہیں جس سے اُن کا اپنا ملی تشخص مجروح ہو چکا ہے۔ اُن کے ہاں کھانے پینے میں، لباس میں، اُٹھنے بیٹھنے میں، وضع قطع میں، ہفتہ وار چھٹی میں، عادات واطوار میں، رسم و رواج میں، افکار و نظریات میں، غرض ہر کام میں غیر مسلموں کی نقالی کی جا رہی ہے بلکہ غلاموں کی طرح اُن کے احکام بجا لائے جا رہے ہیں اور اُن کی طرف سے ”اور کرو“ (DO MORE) کی آوازیں آ رہی ہیں۔

علامہ اقبال مرحوم نے اسی صورتِ حال کے بارے میں کہا تھا ؎

وضع میں تم ہو نصاریٰ، تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

حدیث میں یہود و نصاریٰ کی مثال اس لیے دی گئی کہ یہ لوگ خدا کو، فرشتوں کو، رسولوں کو، کتابوں کو اور آخرت کو بھی مانتے تھے۔ اس کے باوجود انہوں نے اپنے پیغمبروں کی اصل تعلیم کو بھلا دیا۔ توریت اور انجیل کو بدل ڈالا اور اُن میں تحریف کر دی۔ یہی حال مسلمانوں کا بھی ہو جائے گا وہ سب کچھ مانتے ہوئے بھی دین سے دُور ہو جائیں گے۔ یہودیوں کی طرح احکامِ الٰہی کی نافرمانی کریں گے۔ دین میں غلو اور حیلہ بازی کریں گے اور عیسائیوں کی طرح بدعات کی گمراہی میں پڑ جائیں گے۔ حالاں کہ اہل اسلام کو ہر نماز کی ہر رکعت میں ان دونوں قوموں —— یہودیوں اور عیسائیوں یعنی مغضوب علیھم اور الضالین کے غلط راستے سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔

109: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: بڑائی میری چادر ہے

109...... ((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
یَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰی: اَلْکِبْرِیَاءُ رِدَآئِیْ، وَالْعَظْمَةُ اِزَارِیْ، فَمَنْ نَازَعَنِیْ وَاحِدٌ مِنْهُمَا اَدْخَلْتُهُ النَّارَ.
وَفِیْ رِوَایَةٍ: قَذَفْتُهُ فِی النَّارِ.))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 5110 صحیح مسلم، رقم 6680
ابو داؤد، رقم 4090 ابن ماجہ، رقم 4184

”سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
بڑائی میری چادر ہے اور عظمت میرا اِزار (تہ بند) ہے۔ پھر جس نے ان دونوں میں سے کسی ایک کو بھی چھیننا چاہا تو میں اُسے دوزخ میں ڈالوں گا۔
ایک اور روایت میں ہے کہ
میں اُسے دوزخ میں پھینک دوں گا۔“

تشریح:

1: اِس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کبریائی اور عظمت اللہ تعالیٰ کی دو صفتیں ہیں جن میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ پھر ان دونوں صفتوں کو چادر اور تہبند سے تشبیہ دی گئی ہے۔ گویا یہ اللہ تعالیٰ کا لباس ہے۔ اب جو کوئی اللہ تعالیٰ سے اُس کی چادر (پنجابی میں پگ) یا تہبند چھیننے کے لیے اللہ تعالیٰ سے جھگڑا کرے گا اور تکبر کا اظہار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اُسے دوزخ کی آگ میں جھونک دے گا۔

2: کبریائی اور عظمت دونوں کے معنی بڑائی (Greatness) کے ہیں۔

3: اِس حدیث میں تکبر اور فرعونیت کی مذمت کی گئی ہے۔

110: متعدی بیماری، بدشگونی اور نحوست

110...... ((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
لَاعَدْوٰی، وَلَا طِیَرَةَ، وَلَاهَامَةَ، وَلَا صَفَرَ، وَفِرَّ مِنَ الْمَجْذُوْمِ كَمَا تَفِرُّ مِنَ الْاَسَدِ.))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4577 | صحیح بخاری، رقم 5707 | مسند احمد، رقم 9720
صحیح مسلم، رقم 5788 | ابو داؤد، رقم 3912 | ترمذی، رقم 2143
ابن ماجه، رقم 3540

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
نہ کوئی بیماری متعدی (Infectious) ہوتی ہے اور نہ بدشگونی کوئی چیز ہے۔ نہ اُلو منحوس ہے اور نہ صفر کا مہینہ۔ لیکن کوڑھی سے ایسے بھاگو، جیسے شیر سے بھاگتے ہو۔''

تشریح:

اِس حدیث میں کئی باتیں بیان ہوئی ہیں:

1: سب سے پہلے یہ فرمایا گیا ہے کہ کوئی بیماری اس لحاظ سے متعدی نہیں ہوتی کہ اس سے دوسرا شخص ضرور مبتلا ہو جائے گویا ہر بیماری کا سبب کوئی دوسری بیماری نہیں ہوتی جسے متعدی خیال کیا جاتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ جو کہ مسبب الاسباب اور مؤثر حقیقی ہے جب چاہے کسی کو بیمار کر دے یا متعدی بیماری کے باوجود کسی کو اُس میں مبتلا نہ ہونے دے۔

اسی مضمون کی وضاحت درج ذیل حدیث سے ہو جاتی ہے:

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
لَاعَدْوٰی، وَلَاهَامَةَ، وَلَا صَفَرَ. فَقَالَ اَعْرَابِیٌّ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ! فَمَا بَالُ الْاِبِلِ تَكُوْنُ فِی الرَّمْلِ لَكَاَنَّهَا الظِّبَآءُ، فَیُخَالِطُهَا الْبَعِیْرُ الْاَجْرَبُ فَیُجْرِبُهَا؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: فَمَنْ اَعْدَی الْاَوَّلَ؟))

(صحیح بخاری، رقم: 5775۔ مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 4578)

''سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
کوئی بیماری متعدی نہیں ہوتی۔ نہ اُلو بدروح اور منحوس ہے اور نہ صفر کا مہینہ منحوس ہے۔
اِس پر ایک دیہاتی (بدو) بولا: یا رسول اللہ! اونٹوں کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرماتے ہیں، جو ریتلے علاقے میں ہرنیوں کی طرح دوڑتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ پھر جب کوئی خارش زدہ اونٹ ان کے ساتھ ملتا ہے تو دوسروں کو بھی خارشی کر دیتا ہے؟ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پہلے اونٹ کو خارش کہاں سے لگی تھی؟''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جواب کا مطلب یہ تھا کہ جیسے اللہ تعالیٰ کے حکم اور اُس کی مشیت سے پہلا اونٹ خارش زدہ ہوا تھا اسی طرح بعد والے اونٹ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم اور اُس کی مشیت سے خارشی ہو گئے تھے۔ اصل چیز سبب نہیں بلکہ مسبب ہے جو چاہے تو سبب کو ذریعہ بنائے اور چاہے تو سبب کو ذریعہ نہ بننے دے۔ حقیقی مؤثر بیماری کا متعدی ہونا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے جس کے تحت کسی کو کوئی بیماری لگتی ہے۔

2: دوسری بات اس حدیث میں یہ فرمائی گئی ہے کہ کسی چیز سے بدشگونی یا بدفالی لینا ایک فضول اور بے اصل چیز ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ پرندوں اور جانوروں وغیرہ سے بدشگونی لینا توہمات (Superstitions) میں سے ہے جن کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں۔ البتہ اچھے ناموں وغیرہ سے نیک فال اور اچھا شگون لینا درست ہے۔

3: تیسری بات جو اِس حدیث میں بیان کی گئی، یہ ہے کہ ''ھامہ'' نامی پرندہ بھی منحوس نہیں ہوتا۔ بعض لوگ 'ھامہ' سے اُلو بھی مراد لیتے ہیں۔ دورِ جاہلیت کے عربوں میں یہ وہم مشہور تھا کہ یہ پرندہ جس آدمی کے گھر پر بیٹھ جائے وہ آدمی مر جاتا ہے۔ بعض یہ خیال کرتے تھے کہ ہر قتل ہونے والے انسان کی روح اُلو کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور اُلو اُس وقت تک بولتا اور چیختا رہتا ہے جب تک مقتول کے قتل کا بدلہ نہ لے لیا جائے، یا قاتل خود مر نہ جائے۔

4: جوتھی بات اس حدیث میں یہ بتائی گئی ہے کہ صفر کا مہینہ بھی منحوس نہیں ہوتا۔ اہل عرب دورِ جاہلیت میں صفر کے مہینے کو منحوس اور حرام سمجھتے تھے۔ اس وہم کو بھی باطل قرار دیا گیا ہے۔

افسوس آج بھی ہمارے ہاں بعض لوگ جاہلیت کے اسی غلط تصور کے تحت صفر کے مہینے کو منحوس سمجھ کر اس میں شادی بیاہ نہیں کرتے اور کئی اہم کام نہیں کرتے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بعض علماء اس حدیث کو لفظ ''صفر'' صفر کا مہینہ مراد نہیں لیتے بلکہ وہ اس سے سانپ یا پیٹ کا کیڑا مراد لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عربوں میں یہ وہم اور اعتقاد تھا کہ ہر شخص کے پیٹ میں ایک سانپ یا کیڑا ہوتا ہے جو بھوکا ہو تو پیٹ کو کاٹتا ہے جس سے بسا اوقات آدمی مر بھی جاتا ہے۔

5: پانچویں بات جس کا اس حدیث میں ذکر ہے، یہ ہے کہ جذامی یا کوڑھی شخص سے ایسے بھاگو جیسے شیر کو دیکھ کر بھاگتے ہو۔ یہ بظاہر اسی حدیث کے پہلے مضمون کے خلاف بات ہے جس میں کسی بیماری کے متعدی ہونے کی نفی کی گئی ہے اور اب کوڑھی کے اثر سے بچنے کے لیے اُس سے دور بھاگنے کی تاکید کی گئی ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ دونوں باتیں ایک دوسرے کے خلاف یا متضاد نہیں ہیں۔ کیونکہ جہاں تک کسی بیماری کے متعدی نہ ہونے کی بات بیان ہوئی ہے تو اس کا مطلب جیسا کہ ہم پہلے واضح کر چکے ہیں یہ ہے کہ اصل سبب بیماری کا متعدی ہونا نہیں ہے بلکہ اصل سبب بلکہ مسبب اللہ تعالیٰ کا وہ حکم اور اُس کی مشیت ہے جس سے کسی کو کوئی بیماری لگتی ہے۔ رہی یہ بات کہ کسی وبا کی جگہ سے دور رہا جائے تو اس بارے میں درست اسلامی حکم یہ ہے کہ وبا کے علاقے میں داخل ہونے سے دور رہنا چاہیے اور جہاں وبا پھیلی ہو اور لوگ پہلے سے وہاں موجود ہوں تو اُن کو وبا کا علاقہ چھوڑ کر کہیں اور بھاگنا نہیں چاہیے۔ یہی وہ بات ہے جو صحیح حدیث سے ثابت ہے اور دورِ فاروقی کے ایک واقعے سے بھی واضح ہوجاتی ہے جو شام کے علاقے میں پیش آیا تھا۔

111: ہلاکت ہے باتوں میں مبالغہ آرائی کرنے والوں کے لیے

111...... ((عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُوْنَ . قَالَهَا ثَلَاثًا .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4785 صحیح مسلم، رقم 6784 ابو داؤد، رقم 4608

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
ہلاک ہوگئے اپنی باتوں میں مبالغہ آرائی کرنے والے! یہ بات آپ ﷺ نے تین بار فرمائی۔''

تشریح:

1: یہ حدیث گویا پیغمبرانہ فصاحت و بلاغت اور کلامِ نبوت کا اعجاز ہے کہ دو لفظوں میں بہت بڑا مضمون بیان کر دیا گیا ہے۔ گویا دریا کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہے۔
ایسا کیوں نہ ہو نبی ﷺ افصح العرب (عربوں میں سب سے زیادہ فصیح اور اچھا کلام کرنے والے) تھے اور آپ ﷺ کو جو 'جوامع الکلم' عطا ہوئے تھے یہ حدیث بھی اُن میں سے ایک ہے۔

2: اصل میں "مُتَنَطِّعُوْنَ" کا لفظ آیا ہے جو 'تنطع' سے ہے جس کے معنی گفتگو اور کلام میں تکلف اور تصنع برتنا، مبالغہ آمیزی کرنا، فضول اور بے فائدہ بات کرنا، لوگوں کو ہنسانے یا اُن پر اپنا رعب جمانے کے لیے میراثیوں کی طرح باتیں کرنا، دوسروں کی خوشامد اور چاپلوسی کرنا، ہر بات میں مین میکھ نکالنا اور بال کی کھال اُتارنا، سب شامل ہیں۔ ان ساری چیزوں میں پڑنے والوں کو ہلاکت میں پڑنے والے قرار دیا گیا ہے اور وہ آخرت میں گھاٹے میں رہیں گے۔

112: پیر اور جمعرات کو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں

112...... ((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
يُفْتَحُ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَ الاِثْنَيْنِ وَيَوْمَ الْخَمِيْسِ ، فَيُغْفَرُ لِكُلِّ عَبْدٍ لا يُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا ، اِلَّا رَجُلٌ كَانَتْ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اَخِيْهِ شَحْنَآءُ ، فَيُقَالُ: اَنْظِرُوْا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَصْطَلِحَا .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 5029 صحیح مسلم، رقم 6544 ابو داؤد، رقم 4916
ترمذی، رقم 2023

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
پیر اور جمعرات کے دن جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ پھر شرک نہ کرنے والے کو بخش دیا جاتا ہے۔ لیکن اُس آدمی کی بخشش نہیں ہوتی جس کی اپنے کسی بھائی سے رنجش اور ناراضی ہو۔ اُن دونوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کو مہلت دو تاکہ وہ دونوں صلح کر لیں۔''

تشریح:

1: پیر اور جمعرات کے دنوں کی فضیلت بعض اور احادیث سے بھی ثابت ہے۔

2: نبی کریم ﷺ ان دونوں دنوں کے روزے رکھتے تھے۔

3: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ پیر اور جمعرات کے دن جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ شرک کے سوا دوسرے گناہوں سے معافی ملتی ہے۔ مگر دو ایسے مسلمان جن کے درمیان ناراضی اور نفرت ہو اُن کو اُس وقت تک جنت میں داخلہ نہیں ملتا اور نہ اُن کے گناہ معاف ہوتے ہیں جب تک وہ آپس میں صلح نہ کر لیں۔ یاد رہے کہ یہ نفرت اور دشمنی دونوں طرف سے بھی ہو سکتی ہے اور کسی ایک طرف سے بھی ہو سکتی ہے۔

113: امر بالمعروف ونہی عن المنکر
(نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا)

113...... ((عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ ، عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ:
مَـنْ رَاٰی مِـنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ ، فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ ، فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ ، وَذَالِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 5137 صحیح مسلم، رقم 177 ابوداؤد، رقم 4340
ترمذی، رقم 2172

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
تم میں سے جو شخص کوئی برائی دیکھے تو اُسے اپنے ہاتھ سے بدل دے۔ پھر اگر اُسے اس کی طاقت نہ ہو تو اپنی زبان سے بدلے۔ پھر اگر اُسے اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے بدلے، اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔''

تشریح:

1: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ برائی کو پہلے ہاتھ یا طاقت سے ختم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر اس کی ہمت نہ ہو تو زبان کے ذریعے برائی کو روکا جائے۔ اور اگر اس کا حوصلہ بھی نہ ہو تو دل سے اُس برائی سے نفرت کی جائے اور اُس جگہ سے واک آؤٹ (Walk Out) کر کے اُسے چھوڑ دیا جائے۔ اگر کوئی یہ بھی نہیں کر سکتا تو اپنے ایمان کی خیر منائے کیونکہ یہ ایمان کا سب سے کم تر اور آخری درجہ ہے۔

2: برائی کو ہاتھ یا طاقت سے مٹانے سے اگر بڑا فتنہ پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو پھر زبان سے برائی کے خلاف جہاد کرنا چاہیے۔

3: برائی کو ہاتھ یا طاقت سے مٹانے کی ایک صورت جہاد بھی ہے جو بعض حالات اور شرائط کے ساتھ فرض ہو جاتا ہے۔

4: اسلام میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم ہے کہ نیکی کی تبلیغ کی جائے اور برائی کا خاتمہ کیا جائے۔

5: افسوس آج مسلمانوں نے دین کے اس اہم فریضے کو چھوڑ رکھا ہے جس کے نتیجے میں ہمارے ہاں برائی نیکی پر غالب آ چکی ہے۔

6: اسی مضمون کی ایک اور حدیث:

((عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ ، رضی اللہ عنہما ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَثَلُ الْمُدْهِنِ ...... فِي حُدُوْدِ اللّٰهِ وَالْوَاقِعِ فِيهَا ، مَثَلُ قَوْمٍ اسْتَهَمُوْا سَفِيْنَةً ، فَصَارَ بَعْضُهُمْ فِيْ أَسْفَلِهَا ، وَصَارَ بَعْضُهُمْ فِيْ أَعْلاهَا ، فَكَانَ الَّذِيْ فِي أَسْفَلِهَا يَمُرُّ بِالْمَاءِ عَلَى الَّذِيْنَ فِيْ أَعْلاهَا ، فَتَأَذَّوْا بِهِ ، فَأَخَذَ فَأْسًا ، فَجَعَلَ يَنْقُرُ أَسْفَلَ السَّفِيْنَةِ ، فَأَتَوْهُ فَقَالُوْا: مَا لَكَ؟ قَالَ: تَأَذَّيْتُمْ بِيْ وَلَا بُدَّ لِيْ مِنَ الْمَاءِ ، فَإِنْ أَخَذُوْا عَلَى يَدَيْهِ أَنْجَوْهُ وَنَجَّوْا أَنْفُسَهُمْ ، وَإِنْ تَرَكُوْهُ أَهْلَكُوْهُ وَأَهْلَكُوْا أَنْفُسَهُمْ .)) (صحیح بخاری، رقم: 2628)

''حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اللہ کی حدود کے معاملے میں برائی کو نہ مٹانے والوں اور اُس برائی کو کرنے والوں کی مثال ان لوگوں کی سی ہے جنہوں نے کشتی میں بیٹھنے کے لیے قرعہ اندازی کی۔ پھر اس کے نتیجے میں کچھ لوگ کشتی کے نچلے حصے میں اور کچھ اوپر والے حصے میں بیٹھ گئے۔ کشتی کے نچلے حصے والے کچھ لوگ جب اوپر والوں کے پاس پانی لے کر گزرتے تو اوپر والوں کو اس سے تکلیف محسوس ہوتی۔ (اس لیے انہوں نے نچلے والوں کو اوپر آنے سے منع کر دیا۔) پھر نچلے حصے والوں میں سے ایک شخص نے کلہاڑا اٹھایا اور کشتی کے نچلے حصے میں سوراخ کرنے لگا تاکہ پانی حاصل کر سکے۔ اس پر اوپر والے نیچے والوں کے پاس آئے اور کہنے لگے: تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ اُس نے جواب دیا تم لوگ ہمارے اوپر جانے سے تکلیف محسوس کرتے ہو جب کہ پانی میری ضرورت ہے...... اب اگر اُوپر والے اس شخص کا ہاتھ پکڑ کر اُسے روک دیں گے تو ان کو بھی ڈوبنے سے نجات دیں گے اور خود بھی محفوظ رہیں گے۔ لیکن اگر اُسے چھوڑ دیں گے تو اسے بھی ہلاکت میں ڈالیں گے اور اپنے آپ کو بھی ہلاک کریں گے۔''

مطلب یہ ہے کہ اگر برائی کو ابتدا ہی سے نہ روکا جائے تو وہ پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے جس سے معاشرہ تباہ ہو جاتا ہے۔

اِس حدیث میں "مُدْھِنْ" کا لفظ آیا ہے جس کے معنی ایسے شخص کے ہیں جو برائی کو روکنے اور مٹانے کی طاقت رکھنے کے باوجود اسے روکنے اور مٹانے کی کوشش نہیں کرتا۔

114: ایسے پریشان حال بھی ہیں جن کی قسم اللہ تعالیٰ پوری کر دیتا ہے

114...... ((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
رُبَّ اَشْعَثَ مَدْفُوْعٍ بِالْاَبْوَابِ لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ.))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 5231 صحیح مسلم، رقم 6682

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
کئی بکھرے بالوں والے ایسے ہیں جن کو دروازوں سے دھکیل دیا جاتا ہے لیکن اگر وہ اللہ تعالیٰ پر کوئی قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ اُن کی قسم کو پورا کر دیتا ہے۔''

تشریح:

بعض نیک، شریف اور دین دار لوگ جو مال دار نہیں ہوتے، کسی بڑے خاندان سے اُن کا تعلق نہیں ہوتا، کسی بڑے عہدے یا منصب پر وہ فائز نہیں ہوتے، دنیوی لحاظ سے شان وشوکت نہیں رکھتے اور اپنی وضع قطع میں بھی تنگ دست اور پریشان حال نظر آتے ہیں تو عام طور پر معاشرے میں اُن کا کوئی مقام اور احترام نہیں ہوتا۔ کوئی اُن کو سلام نہیں کرتا، اُن کو کسی کے گھر یا دفتر جانا پڑے تو دھکے دیے جاتے ہیں، کوئی اُن کو اپنے ہاں کسی دعوت پر نہیں بلاتا، کسی محفل میں اُن کو داخل نہیں ہونے دیا جاتا۔ ایسے لوگ گویا اپنے ہی ماحول میں اجنبی اور غیر سازگار (Misfit) ہوتے ہیں۔ ان کا جرم صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ نیک، شریف اور غریب ہوتے ہیں۔ ان کی ظاہری حالت سے ان کی باطنی کیفیت کا اندازہ نہیں ہوتا۔

لیکن ایسے افراد اپنے ربّ کے سوا کسی کے دروازے پر حاضری نہیں دیتے اور کسی کے آگے ہاتھ پھیلانا گوارا نہیں کرتے۔ وہ اگر اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور توکل کرتے ہوئے کسی بات پر قسم کھا بیٹھیں یا کوئی دعا یا بد دعا کریں تو اللہ تعالیٰ اُن کی بات کو پورا کر دیتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بہت سے افراد جن کو عام لوگ حقیر اور ذلیل سمجھتے ہیں اور اپنے دروازے سے دھتکار دیتے ہیں، حقیقت میں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑے مرتبے والے ہوتے ہیں۔ لیکن یاد رہے کہ ان میں بعض جعلی فقیر بھی ہوتے ہیں جو نرے دھوکا باز ہوتے ہیں۔

اس حدیث سے یہ سبق ملتا ہے کہ کسی شخص کی ظاہری حالت دیکھ کر اُسے ذلیل اور حقیر نہیں سمجھنا چاہیے۔ کیا معلوم اللہ تعالیٰ کے ہاں اُس کا کتنا درجہ اور مقام ہے۔

115: حضور ﷺ کا ایک مزاح: ہر اونٹ کسی اونٹنی کا بچہ ہوتا ہے

115...... ((عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَجُلًا اِسْتَحْمَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: اِنِّیْ حَامِلُكَ عَلٰی وَلَدِ نَاقَةٍ؟ فَقَالَ: مَا اَصْنَعُ بِوَلَدِ النَّاقَةِ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: وَهَلْ تَلِدُ الْاِبِلَ اِلَّا النُّوْقُ؟))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4886 — ترمذی، رقم 1991 — ابوداؤد، رقم 4998

مسند احمد، رقم 23853

''سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے سواری کا جانور مانگا تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں تجھے اونٹنی کے بچے پر سواری کراؤں گا۔ اُس آدمی نے عرض کیا: میں اونٹنی کا بچہ لے کر کیا کروں گا؟ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر اونٹ کسی نہ کسی اونٹنی کا بچہ ہوتا ہے۔''

تشریح:

1: یہ حدیث نبی ﷺ کی خوش طبعی اور مزاح کی ایک مثال ہے۔ اس طرح کی ظرافت کی مثالیں اور واقعات سیرت طیبہ میں کئی ایک موجود ہیں۔

2: سواری کا جانور مانگنے والے شخص نے یہ سمجھا کہ نبی ﷺ نے جو اونٹنی کا بچہ دینے کی بات فرمائی ہے تو وہ اونٹ کا ایسا بچہ ہوگا جو اتنا چھوٹا ہوگا کہ سواری کے قابل نہ ہوگا۔ اس لیے اس نے اسے لینا پسند نہیں کیا۔ مگر جب حضور ﷺ نے خوش طبعی کے طور پر یہ فرما دیا کہ ہر بڑا اونٹ بھی کسی نہ کسی اونٹنی کا بچہ ہوتا ہے اور میں تمہیں وہی اونٹ ہی دوں گا تو اس شخص کا تعجب اور حیرت ختم ہوگئی اور وہ اونٹ کا تحفہ لینے پر تیار ہوگیا۔

3: اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے مزاج شریف میں وہ یبوست اور خشکی نہ تھی جو آج کل ہمارے ہاں کے بہت سے مذہبی قسم کے لوگوں میں پائی جاتی ہے۔

4: پھر اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ اپنے صحابہ کرام کے ساتھ بہت بے تکلفی برتتے تھے اور یہ بھی ایک سنت ہے۔ اس میں اُن مذہبی پیشواؤں، پیروں، افسروں، لیڈروں اور حکمرانوں کے لیے بڑا سبق ہے جو عام لوگوں سے تحفظات رکھتے ہیں اور اُن سے کبھی بے تکلف نہیں ہونا چاہتے تاکہ رعب قائم رہے۔

116: لوگ دو نعمتوں کی قدر نہیں کرتے

116...... ((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنٌ فِيْهِمَا كَثِيْرٌ مِنَ النَّاسِ: اَلصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 5155 صحیح بخاری، رقم 6412
ترمذی، رقم 2304 ابن ماجہ، رقم 4170

''سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
دو نعمتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں بہت سے لوگ غافل رہتے ہیں: ایک صحت، دوسری فرصت و فارغ البالی۔

تشریح:

1: یہ ایک مختصر، سبق آموز اور پُر حکمت حدیث ہے۔

2: اس کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کو صحت اور فارغ البالی حاصل ہو وہ اس سنہری موقع سے ضرور فائدہ اٹھائیں اور اس دوران میں ایسے کام کرلیں جو اُن کی دنیا اور آخرت کے لیے بہتر اور مفید ہوں۔ جو لوگ صحت اور فارغ البالی کی قدر نہیں کرتے اور ان کو بے کار اور فضول کاموں میں ضائع کر دیتے ہیں وہ بڑے بدنصیب ہیں۔

3: یہ دنیا دار العمل ہے اور آخرت دار الجزا ہے۔ عمل کے لیے صحت اور فارغ البالی ضروری ہے جسے یہ دونوں چیزیں میسر ہوں وہ اس موقع کو غنیمت سمجھے اور نیک اور تعمیری کام کرلے۔ کیا خبر وہ کل بیمار ہو جائے یا تنگ دست ہو جائے پھر وہ بہت سے نیک اور ضروری کام نہ کر سکے۔

4: اس حدیث سے وقت کی قدر کرنے کا سبق بھی ملتا ہے ؎

کھیتوں کو دے لو پانی اب بہہ رہی ہے گنگا
کچھ کر لو نوجوانو! اُٹھتی جوانیاں ہیں

117: دنیا میں ایک مسافر کی طرح رہو

117...... ((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ: اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِبَعْضِ جَسَدِیْ فَقَالَ: كُنْ فِی الدُّنْيَا كَاَنَّكَ غَرِيْبٌ ، اَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ ، وَ عُدَّ نَفْسَكَ فِیْ اَهْلِ الْقُبُوْرِ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 5274 صحیح بخاری، رقم 6416

ترمذی، رقم 2333 ابن ماجه، رقم 4114

''سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے جسم کے ایک حصے کو پکڑ کر فرمایا: دنیا میں اس طرح رہو جیسے کوئی مسافر یا راہ گیر ہو اور اپنے آپ کو مُردوں میں شمار کرو۔''

تشریح:

1: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کو اس دنیا میں ایک راہ چلتے مسافر کی طرح زندگی گزارنی چاہیے اور یہاں کی چیزوں سے صرف اتنا ہی تعلق رکھنا چاہیے جتنا تعلق ایک مسافر کو سرائے، ہوٹل، بس اڈے، ریلوے اسٹیشن اور ایئر پورٹ کے ماحول سے ہوتا ہے۔ اس کا دھیان ہر وقت اپنی منزل کی جانب ہونا چاہیے۔ اسے ہر لمحے اپنی آخرت کی منزل کی فکر کرنی چاہیے اور اُس کی تیاری کے لیے نیک اعمال کرنے چاہئیں۔ اُسے ہر پل یہ تصور کرنا چاہیے کہ جو لوگ اب قبروں میں پڑے سو رہے ہیں، میں بھی انہی میں سے ہوں اور کسی وقت ان کے پاس کسی قبر میں جا پڑوں گا۔

2: انسان کو یہ حقیقت اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ یہ دنیا عارضی اور فانی ہے۔ یہ مستقل ٹھکانا نہیں ہے۔

3: انسان کی عمر کے تین ہی مرحلے ہیں: بچپن، جوانی اور بڑھاپا۔ پھر کوئی بچپن ہی میں فوت ہو جاتا ہے، کوئی جوانی میں مرتا ہے اور کسی کو بڑھاپے میں موت آ جاتی ہے۔ اس طرح عمر کے کسی بھی مرحلے میں زندگی کا سفر ختم ہو سکتا ہے۔

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے، تماشا نہیں ہے

118: انسان لالچ اور حرص کا بندہ ہے

118...... ((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ:
لَوْكَانَ لِابْنِ اٰدَمَ وَادِيَانِ مِنْ مَّالٍ لَابْتَغٰى ثَالِثًا ، وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ اٰدَمَ اِلَّا التُّرَابُ ، وَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ تَابَ .))

مشكوٰة المصابيح، رقم 5273 صحيح بخارى، رقم 6436 صحيح مسلم، رقم 2418
ابن ماجه، رقم 4235 اللؤلؤ والمرجان، رقم 623

''سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:
اگر انسان کے پاس مال ودولت کی دو وادیاں بھی ہوں تو وہ تیسری وادی کی خواہش کرے گا۔ انسان کا پیٹ صرف قبر کی مٹی بھرے گی۔ اور اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے کی توبہ قبول فرماتا ہے۔''

تشریح:

1: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ عام لوگوں کی یہ فطرت ہوتی ہے کہ وہ مال و دولت کے حریص ہوتے ہیں۔ اُن کو دولت کے دو میدان بھی مل جائیں تو وہ تیسرے میدان کی تمنا کرتے ہیں۔ سارے جہان کی دولت سمیٹ کر بھی اُن کا پیٹ نہیں بھرتا۔ وہ ہر وقت ''هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ'' کا نعرہ لگاتے اور مال کی ہوس کا شکار رہتے ہیں۔ وہ ننانوے (99) کے پھیر میں رہتے ہیں۔ پھر موت اور قبر کی مٹی اُن کی ہوس کا خاتمہ کر دیتی ہے۔

سیٹھ جی کو فکر تھی اِک اِک کے دس دس کیجیے
موت آ پہنچی کہ حضرت جان واپس کیجیے
(اکبر)

یہی مضمون قرآنِ مجید میں اس طرح بیان ہوا ہے:
﴿اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ○ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ○﴾ (التکاثر: 2،1)
''تمہیں مال کی کثرت کی ہوس نے غافل رکھا، یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہنچے۔''

لیکن جو بندے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ برائی کو چھوڑ کر اچھائی اور نیکی اختیار کرتے ہیں۔ وہ مال ودولت کے پجاری نہیں ہوتے۔ اُن پر اللہ سبحانہٗ کی خاص نظرِ رحمت ہوتی ہے اور اُن کو دنیا ہی میں قناعت اور اطمینانِ قلب نصیب ہوجاتا ہے۔

بعض لوگوں نے حدیث کے آخری ٹکڑے:

''اور اللہ توبہ کرنے والے کی توبہ قبول فرماتا ہے۔''

کو کسی اور حدیث کا ٹکڑا مانا ہے لیکن اِس تکلّف کی ضرورت نہیں ہے۔ اِس ٹکڑے کا تعلق پہلے حصے سے ویسے ہی واضح ہوجاتا ہے۔

119: دنیا کی حقیقت

119...... ((عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَرَّ بِجَدْيٍ اَسَكَّ مَيِّتٍ ، قَالَ: اَيُّكُمْ يُحِبُّ اَنَّ هٰـذَا لَهُ بِدِرْهَمٍ؟ فَقَالُوْا: مَا نُحِبُّ اَنَّهُ لَنَا هٰذَا بِشَيْءٍ . قَالَ: فَوَ اللّٰهِ! لَلدُّنْيَا اَهْوَنُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ هٰذَا عَلَيْكُمْ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 5157 صحیح مسلم، رقم 7418

ترمذی، رقم 2321 ابن ماجہ، رقم 4111

’’حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک بکری (یا بھیڑ) کے چھوٹے کانوں والے مُردار بچے کے پاس سے گزرے تو آپ ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا:

کیا تم میں سے کوئی اِس مردار کو ایک درہم میں لینا پسند کرے گا؟ انہوں نے عرض کیا: ہم تو اُسے کسی چیز کے بدلے میں بھی لینا پسند نہیں کرتے۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ دنیا بکری کے اِس مردار بچے سے، جسے تم حقیر سمجھ رہے ہو، زیادہ حقیر ہے۔‘‘

تشریح:

1: اِس حدیث سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ نبی ﷺ کو اپنے صحابہ کرام کی اصلاح وتربیت کا کس قدر خیال رہتا تھا۔ آپ ﷺ چند صحابہ کرام کے ہمراہ کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں بکری یا بھیڑ کا ایک مرا ہوا بچہ نظر آتا ہے تو آپ ﷺ اسی چیز سے اپنے صحابہ کرام کو دنیا کی حقیقت سمجھاتے ہیں کہ تم میں سے کوئی اس مردار کو ایک درہم میں بھی لینا پسند نہیں کرے گا۔ یاد رکھو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ دنیا اِس مردار شے سے بھی زیادہ حقیر ہے۔ لہٰذا تم اسے اپنی زندگی کا مقصد نہ بناؤ بلکہ آخرت کی فکر کرو جو بہتر اور اعلیٰ ہے۔

120: عام لوگوں کا حال ایسا ہے جیسے سو (100) اونٹوں میں سے ایک کارآمد ہو

120...... ((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
اِنَّمَا النَّاسُ كَالْاِبِلِ الْمِائَةِ، لا تَكَادُ تَجِدُ فِيْهَا رَاحِلَةً .))

مشكوٰة المصابيح، رقم 5360 صحيح بخاری، رقم 6498 صحيح مسلم، رقم 6499
ابن ماجه، رقم 3990 اللؤلؤ والمرجان، رقم 1651

''سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
عام لوگوں کا حال ایسے سو (100) اونٹوں جیسا ہے جن میں سے تم ایک کو بھی سواری کے قابل نہیں پاتے۔''

تشریح:

1: اِس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ہر زمانے میں قحط الرجال ہوتا ہے اور کام کے آدمی تھوڑے ہوتے ہیں۔ ویسے تو دنیا میں انسان بہت ہوتے ہیں جیسے اونٹ بہت ہوتے ہیں مگر جس طرح بہت سے اونٹوں میں سے ایک آدھ ہی ایسا ہوتا ہے جو بوجھ اٹھانے اور سواری کے قابل ہوتا ہے اسی طرح انسانوں کے ہجوم میں بھی کام کے آدمی تھوڑے ہوتے ہیں۔

2: ''راحلة'' اچھی سواری کو کہتے ہیں جس پر بوجھ لادا جاسکے اور جو سواری کے کام آسکے۔

3: حدیث میں سو (100) کا عدد تعین کے لیے نہیں بلکہ کثرت کے لیے آیا ہے۔

4: یہ حدیث جمہوریت کے مغربی تصور کی بھی نفی کرتی ہے جس میں عقل مند اور بے وقوف کا ووٹ برابر ہوتا ہے۔ ؏

جمہوریت اِک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں، تولا نہیں کرتے

(اقبال)

121: اللہ تعالیٰ کی عبادت سے تنگ دستی اور محتاجی ختم ہوتی ہے

121...... ((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
اِنَّ اللّٰـهَ یَقُوْلُ: ابْنَ اٰدَمَ! تَفَرَّغْ لِعِبَادَتِیْ ، اَمْلَاْ صَدْرَكَ غِنًی ، وَ اَسُدُّ فَقْرَكَ ، وَاِنْ لَّا تَفْعَلْ ، مَلَاْتُ یَدَكَ شُغْلًا ، وَلَمْ اَسُدَّ فَقْرَكَ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 5172 ترمذی، رقم 2466 ابن ماجه، رقم 4107

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
اے انسان! میری عبادت کے لیے فارغ ہو جا، میں تیرے دل کو خوش حالی سے بھر دوں گا، تیری محتاجی ختم کردوں گا۔ اگر تو ایسا نہیں کرے گا تو میں تجھے کاموں پر لگا دوں گا اور تیری محتاجی ختم نہیں کروں گا۔''

تشریح:

1: یہ حدیث قدسی ہے۔

2: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب تک انسان دنیا کمانے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی کرتا رہے تو اسے اللہ سبحانہٗ غم اور تفکرات سے نجات دے کر دل کا سکون اور اطمینانِ قلب عطا فرمائے گا۔ اُس کی روزی میں بھی برکت ہوگی۔ مگر جو آدمی کولہو کے بیل کی طرح ہر وقت دنیا کمانے میں لگا رہے گا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے وقت نہیں نکالے گا تو اللہ سبحانہٗ اُس کو ہر وقت غموں اور پریشانیوں میں مبتلا رکھے گا اور اُس کی محتاجی اور تنگ دستی ختم نہ کرے گا۔ اُسے اُس کی محنت و مشقت کے باوجود اتنا ہی دے گا جتنا اُس نے اُس کے لیے پہلے دن سے لکھ رکھا ہے۔

3: اس حدیث سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

122: دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے

122...... ((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 5158 — صحیح مسلم، رقم 7471
ترمذی، رقم 2324 — ابن ماجہ، رقم 4113

''سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے۔''

تشریح:

اس حدیث میں دو باتیں فرمائی گئی ہیں:

1: یہ دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے۔

2: یہ دنیا کافر کے لیے جنت ہے۔

پہلی بات کہ یہ دُنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے، کی وضاحت یہ ہے:

مومن کے لیے اِس دنیا کی زندگی قید خانے کی زندگی کی طرح ہے کیونکہ وہ اِس زندگی کو اپنی مرضی سے نہیں گزار سکتا۔ اُسے اپنی ہر خواہش پوری کرنے میں آزادی حاصل نہیں۔ وہ ایک آقا کا غلام ہے جس کے ہر حکم کی اُسے پابندی کرنی پڑتی ہے۔ پھر جس طرح کوئی قیدی قید خانے سے اپنا جی نہیں لگاتا، اُسے اپنا گھر نہیں سمجھتا، اسی طرح اِس دنیا میں مومن کا جی نہیں لگتا، وہ اسے اپنا اصلی گھر نہیں سمجھتا اور نہ اسے اپنی زندگی کا مقصد بناتا ہے۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کا پابند ہوتا ہے اور ظاہر ہے ہر پابندی قید ہی ہوتی ہے۔

مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ مومن ایسے گھوڑے کی طرح ہے جو کھونٹے سے بندھا ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مومن پابند ہوتا ہے اُسے لامحدود اور مادر پدر آزادی حاصل نہیں ہوتی۔ وہ شترِ بے مہار اور بے لگام گھوڑا نہیں ہوتا۔

دوسری بات کہ یہ دنیا کافر کے لیے جنت ہے، کی وضاحت یہ ہے:

چونکہ کافر اِس دنیا کی زندگی کو اپنا مقصد اور نصب العین سمجھتا ہے اور اِس کی نعمتوں اور آسائشوں کو حاصل کرنے اور اپنی ہر خواہش کو پورا کرنے میں بالکل آزاد ہوتا ہے۔اس کے لیے نہ اُسے حلال وحرام کی تمیز کی ضرورت ہے اور نہ اُسے اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی کی فکر ہوتی ہے اور نہ آخرت کی جوابدہی کا خوف ہوتا ہے۔لہٰذا اس کے لیے یہ دنیا گویا عیش وعشرت کی جنت ہے۔

3: اِس حدیث کا ایک اور مفہوم بھی ہوسکتا ہے اور وہ یہ کہ اس دنیا کی زندگی میں اگر کسی مومن کو بہت سی نعمتیں میسر ہوں اور اُن سے فائدہ اُٹھانے کی ایک حد تک آزادی بھی حاصل ہو پھر بھی یہ زندگی آخرت کی عظیم نعمتوں اور وہاں کی آزادی و بےفکری کے مقابلے میں قید خانے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔

دوسری طرف کافر کو جب آخرت میں مختلف قسم کے عذابوں اور سزاؤں سے واسطہ پڑے گا تو وہ محسوس کرے گا کہ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی گویا جنت تھی۔

4: اِس حدیث میں یہ سبق بھی پوشیدہ ہے کہ مومن کو اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی والی قید خانے کی زندگی گزارنی چاہیے۔اُسے دنیا سے جی نہیں لگانا چاہیے ؏

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے، تماشا نہیں ہے

اور دنیا پرستی کو اپنی زندگی کا مقصد نہیں بنانا چاہیے۔لیکن اگر وہ دنیا کو اپنے لیے عیش وآرام کی جنت سمجھے گا تو یہ ایک کافرانہ طرزِ عمل ہوگا جس کی کسی مومن سے توقع نہیں کی جاسکتی۔

123: ایسا شخص جس کے شر سے بچنے کے لیے لوگوں نے اُسے چھوڑ دیا ہو

123...... ((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا اَنَّ رَجُلًا اِسْتَأْذَنَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: اِئْذَنُوْا لَهُ فَبِئْسَ اَخُوا الْعَشِيْرَةِ. فَلَمَّا جَلَسَ تَطَلَّقَ النَّبِيُّ ﷺ فِي وَجْهِهِ، وَانْبَسَطَ اِلَيْهِ. فَلَمَّا انْطَلَقَ الرَّجُلُ قَالَتْ عَائِشَةُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ! قُلْتَ لَهُ كَذَا وَكَذَا، ثُمَّ تَطَلَّقْتَ فِي وَجْهِهِ، وَانْبَسَطْتَ اِلَيْهِ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَتٰى عَاهَدْتِنِيْ فَحَّاشًا، اِنَّ شَرَّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَنْ تَرَكَهُ النَّاسُ اِتِّقَاءَ شَرِّهِ.))

وَفِيْ رِوَايَةٍ: اِتِّقَاءَ فُحْشِهِ.))

- مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4829 صحیح بخاری، رقم 6032 صحیح مسلم، رقم 6596
ابو داؤد، رقم 4792 ترمذی، رقم 1996 اللؤلؤ والمرجان، رقم 1672

''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ سے اندر آنے کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اسے اندر آنے دو۔ یہ اپنے قبیلے کا برا انسان ہے۔ پھر جب وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے اپنے چہرے پر خوشی کا اظہار فرمایا اور آپ ﷺ مسکرا دیے۔ جب وہ چلا گیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے اس کے بارے میں پہلے تو ایسے الفاظ استعمال فرمائے اور پھر اُس سے خندہ پیشانی سے بھی پیش آئے اور اس کے لیے تبسم بھی فرمایا؟ اس کے جواب میں حضور ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے مجھے غلط بیانی کرنے والا پایا؟ بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے دن وہ لوگ بہت برے ہوں گے جن کو لوگوں نے اُن کے شر سے بچنے کے لیے چھوڑ دیا ہوگا۔''

ایک اور روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ:
''اُن کی بری باتوں سے بچنے کے لیے اُن سے علیحدگی اختیار کی ہوگی۔''

تشریح:

اِس حدیث سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

1: نبی کریم ﷺ نے ایک برے کافر کو بھی اپنے پاس آنے کی نہ صرف اجازت دی بلکہ جب وہ سامنے

آیا تو آپ ﷺ اُس سے خندہ پیشانی سے پیش آئے۔ یہ گویا حضور ﷺ کی عالی ظرفی، کشادہ دلی، دوسروں کی خاطر مدارات اور تالیفِ قلب کی ایک مثال ہے۔

2: اپنے پاس حاضر ہونے سے پہلے آپ ﷺ نے اس شخص کے بارے میں جو یہ گواہی دی کہ یہ شخص اپنے قبیلے کا نہایت برا انسان ہے تو یہ اُس کی غیبت نہیں ہے بلکہ دوسروں کو اس کے شر سے بچانے کے لیے حضور ﷺ نے ایسا فرمایا اور یہ نہی عن المنکر کے ضمن میں آتا ہے۔

3: بعض دوسری روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اس شخص کا نام عیینہ بن حصن یا حصین تھا۔ یہ اپنی قوم کا سردار تھا۔ حضور ﷺ سے ملاقات کے وقت اس نے اسلام لانے کا اظہار بھی کیا مگر بعد میں سیّدنا ابوبکر صدیق کی خلافت کے زمانے میں یہ مرتد ہو کر گرفتار ہوا۔ پھر اس نے توبہ کرلی اور اسلام کی حالت پر مرا۔

4: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ سے جو یہ پوچھا کہ آپ ﷺ نے پہلے تو اس شخص کی مذمت بیان فرمائی لیکن بعد میں اُسی سے مسکراتے چہرے اور خندہ پیشانی سے بھی ملے تو اس کی کیا وجہ ہے؟ اس پر نبی ﷺ نے اُن کو یہ جواب دیا کہ مجھے کب سے تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ میں کوئی غلط بیانی کرنے والا شخص ہوں۔ میں نے جو کچھ کیا وہ درست تھا۔ میں نے دوسرے لوگوں کو اس شخص کے شر سے بچانے کے لیے اس کی مذمت بیان کی۔ البتہ میں نے ایک برے اخلاق والے کے سامنے بھی اچھے اخلاق کا مظاہرہ کیا۔ یہ میری اخلاقی کمزوری یا مداہنت نہ تھی بلکہ یہ خاطر مدارات تھی۔

5: اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ شخص سب سے برا ہوگا جس کو لوگوں نے اُس کے شر سے بچنے کے لیے چھوڑ رکھا ہوگا۔

124: کون خوش نصیب اور کون بدنصیب؟

124...... ((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
تَعِسَ عَبْدُ الدِّیْنَارِ، وَ عَبْدُ الدِّرْهَمِ، وَ عَبْدُ الْخَمِیْصَةِ، اِنْ اُعْطِیَ رَضِیَ، وَاِنْ لَّمْ یُعْطَ سَخِطَ، تَعِسَ وَ انْتَكَسَ، وَ اِذَا شِیْكَ فَلَا انْتُقِشَ. طُوْبٰی لِعَبْدٍ اٰخِذٍ بِعِنَانِ فَرَسِهٖ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ، اَشْعَثَ رَاْسُهٗ، مُغْبَرَّةٍ قَدَمَاهُ، اِنْ كَانَ فِی الْحِرَاسَةِ كَانَ فِی الْحِرَاسَةِ، وَاِنْ كَانَ فِی السَّاقَةِ كَانَ فِی السَّاقَةِ، اِنِ اسْتَاْذَنَ لَمْ یُؤْذَنْ لَهٗ، وَ اِنْ شَفَعَ لَمْ یُشَفَّعْ.))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 5161 صحیح بخاری، رقم 2887 ابن ماجه، رقم 4135

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

برباد ہوا وہ جو بندہ ہے دینار کا، جو بندہ ہے درہم کا، اور جو بندہ ہے دھاری دار عمدہ چادر کا۔ اگر اُسے یہ چیزیں مل جائیں تو خوش ہے اور نہ ملیں تو ناراض ہے۔ ایسا شخص برباد ہوا اور ذلیل ہوا۔ اُسے کوئی کانٹا چبھتا ہے تو کوئی نہیں نکالتا۔

البتہ وہ شخص خوش نصیب اور کامیاب ہے جو اللہ کی راہ میں گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے ہے۔ اُس کے بال بکھرے ہوئے ہیں، اُس کے پاؤں پر گرد وغبار ہے۔ اگر اُسے لشکر کے پیچھے پہرے پر لگایا جاتا ہے تو وہاں ڈٹا رہتا ہے اور اگر اُسے لشکر کے آخری دستے میں کھڑا کیا جاتا ہے تو وہاں بھی ڈٹا رہتا ہے۔ اگر وہ کسی مجلس میں آنے کی اجازت مانگے تو اُسے کوئی آنے نہیں دیتا۔ اگر وہ کسی کی سفارش کردے تو کوئی اُس کی سفارش نہیں مانتا۔''

تشریح:

1: اِس حدیث میں دولت کے پجاریوں کی مذمت کی گئی ہے اور زہد وتقویٰ اختیار کرنے والوں کی تعریف وتحسین کی گئی ہے۔

2: سب سے پہلے ''درہم ودینار کے بندے'' کی خبر لی گئی ہے اور اس کی نہ صرف مذمت کی ہے بلکہ اُس کے لیے حضور ﷺ نے گویا بددعا بھی فرمائی ہے۔ ''درہم ودینار'' کا بندہ (پیسے دا پتر) وہ ہے جو مال ودولت کی محبت میں مبتلا ہے۔ اُسے ہر وقت مال کی ہوس ہے۔ مال اینٹھنے کے لیے وہ دوسروں کی حق

تلفی کرتا ہے اور حلال وحرام کا فرق بھی نہیں دیکھتا۔

3: درہم و دینار کے ساتھ ''دھاری دار عمدہ چادر والے'' کا بھی ذکر کیا گیا ہے جو اُس زمانے کے ماحول کے لحاظ سے ہے جب اسے ایک امیرانہ اور شاہانہ لباس سمجھا جاتا تھا۔ اس کے حاصل کرنے کی تمنا کی جاتی تھی۔ یہ بھی گویا دولت پرستی ہی کی ایک علامت تھی۔ جیسے موجودہ زمانے میں پجیرو گاڑی وغیرہ۔

4: یادرہے کہ مال ودولت بجائے خود بری چیز نہیں ہے۔ یہ انسانوں کی ضرورت ہے اور اس کی ہوس میں گرفتار ہوئے بغیر اسے حاصل کرنا کوئی معیوب نہیں ہے۔ مگر جولوگ دولت پرست (ڈالر پرست) ہوکر مال کی محبت میں مبتلا ہوجاتے ہیں، اسلام اُن کی مذمت کرتا ہے۔

5: ''اُسے کوئی کانٹا چبھتا ہے تو کوئی نہیں نکالتا'' کے الفاظ میں تنبیہ (Warning) کا پہلو پایا جاتا ہے۔ گویا ایک مسلم معاشرے میں ایسے ہوس کے پجاریوں کے خلاف نفرت کے ایسے شدید جذبات ہونے چاہئیں کہ وہ اس قسم کے لالچیوں، ہوس پرستوں اور قارونوں سے عدم تعاون (Non-cooperation) کریں، اُن سے لاتعلقی کا اظہار کریں اُن سے رشتہ ناتا نہ کریں، اُن کی کسی معمولی تکلیف اور پریشانی میں بھی اُن کی کوئی مدد نہ کریں تاکہ وہ اس معاشرتی دباؤ (Social Pressure) کے نتیجے میں اپنی اصلاح کی فکر کریں۔

افسوس جن دولت پرستوں سے اسلام نے یہ سلوک کرنے کی تاکید کی ہے اُسی اسلام کے نام لیوا آج دولت کی پوجا کررہے ہیں۔ ان کے ہاں دولت ہی عزت کا معیار بن گیا ہے۔ رشتہ داری اور باہمی تعلقات میں صرف دولت دیکھی جاتی ہے اور شرافت ودین داری کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

6: دولت کے پجاریوں کی مذمت کرنے کے بعد زہد وتقویٰ اختیار کرنے والے اُن دین داروں اور مجاہدوں کی تعریف کی گئی ہے جو مال کے حریص اور پرستار نہیں ہوتے۔ جو دنیا کی ظاہری ٹیپ ٹاپ پر فریفتہ نہیں ہوتے بلکہ اپنے لیے آخرت کی فکر کرتے ہیں۔ جو دین کی خاطر محنت ومشقت کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ جہاد کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ میدانِ جہاد میں اُن کی جہاں ڈیوٹی لگائی جائے وہ وہیں اپنے فرائض سرانجام دیتے ہیں۔ اپنے امیر اور کمانڈر کے حکم کی پوری اطاعت کرتے ہیں اور تکبر وغرور سے دُور رہتے ہیں۔ لیکن عام دنیا دار ان کو اتنا حقیر اور کم تر سمجھتے ہیں کہ اپنی محفلوں میں اُن کو شریک نہیں کرتے۔

125: نیکی اور بدی کی پہچان

125...... ((عَنِ النَّوَاسِ بْنِ سَمْعَانَ رضی اللہ عنہ قَالَ: سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْبِرِّ، وَالْاِثْمِ فَقَالَ: الْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ، وَالْاِثْمُ مَا حَاكَ فِيْ صَدْرِكَ، وَكَرِهْتَ اَنْ يَّطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ .))

مشكوٰة المصابيح، رقم 5073 صحيح مسلم، رقم 6561 ترمذی، رقم 2389

''حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ نیکی کیا ہے اور گناہ کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

نیکی اچھے اخلاق کا نام ہے اور گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور تو یہ پسند نہ کرے کہ لوگوں کو اس کا پتہ چل جائے۔''

تشریح:

1: اس حدیث میں نیکی اور بدی کی پہچان کرا دی گئی ہے کہ نیکی اچھے اخلاق کا نام ہے اور یہ ایک فطری چیز ہے۔ مگر برائی وہ ہے جس کے کرنے سے دل میں کھٹک اور ڈر پیدا ہو اور بندے کو اُس کا ضمیر ملامت کرے اور اندیشہ یہ ہو کہ کسی نے دیکھ لیا تو کیا ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بدی ایک غیر فطری چیز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسے منکر (انہونی چیز) کا نام بھی دیا گیا ہے۔

2: اچھے اخلاق جن کو نیکی کہا گیا ہے اس میں وہ تمام خوبیاں شامل ہیں جن کی وجہ سے بندہ اپنے ساتھ اور دوسروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتا ہے۔ گویا نیکی ہر معروف اور اچھے اخلاق کا نام ہے۔

3: اسلام چاہتا ہے کہ اُس کے ماننے والے نیکی اور اچھے اخلاق کو اختیار کریں اور ہر قسم کی برائی سے نفرت کریں اور بچیں۔

126: قیامت کے دن تین طرح کے آدمیوں سے اللہ تعالیٰ کلام نہیں فرمائے گا

126...... ((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
ثَلٰثَةٌ لا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ لا يُزَكِّيْهِمْ.
وَفِیْ رِوَايَةٍ:
وَ لا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ: شَيْخٌ زَانٍ، وَمَلِكٌ كَذَّابٌ، وَعَائِلٌ مُسْتَكْبِرٌ.))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 5109 صحیح مسلم، رقم 296 مسند احمد، رقم 10232
ترمذی، رقم 2568 نسائی، رقم 2571

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
قیامت کے دن تین طرح کے آدمیوں سے اللہ تعالیٰ کلام نہیں کرے گا اور اُن کو گناہ سے پاک نہیں کرے گا ...... اور ایک روایت کے مطابق ...... اُن کی طرف رحمت کی نظر سے نہیں دیکھے گا اور اُن کو دردناک عذاب ہوگا: ایک بوڑھا زانی، دوسرا جھوٹا بادشاہ اور تیسرا متکبر تنگ دست۔''

تشریح:

1: اس حدیث میں تین (3) ایسی قسم کے افراد کا ذکر ہے جو قیامت کے دن میدانِ محشر میں اللہ تعالیٰ کی توجہ، عنایت اور بخشش سے محروم رہیں گے۔ بوڑھا زانی، جھوٹا حکمران اور متکبر تنگ دست۔

2: سنن نسائی اور جامع ترمذی میں "لا یُحِبُّهُمْ" (اللہ اُن کو ناپسند کرے گا) کے الفاظ بھی آئے ہیں گویا اللہ تعالیٰ اُن سے ناراض ہوگا اور نفرت کرے گا۔

3: ان تینوں قسم کے برے لوگوں کی برائی چونکہ عام حالات سے بڑھ کر بری ہے اس لیے ان کی مذمت بیان کی گئی اور اُن کا برا انجام بھی بتا دیا گیا۔

زنا ایک گناہ ہے اور حرام ہے لیکن جوانی میں اس کا ارتکاب سمجھ میں آتا ہے مگر بڑھاپے میں یہ کام کھلی بے حیائی اور گھناؤنا جرم ہے۔

اسی طرح جھوٹ بھی گناہ کبیرہ ہے یہ عام آدمی سے سرزد ہو تو اتنا نقصان دہ نہیں جتنا کسی حکمران سے ہو

تو پورے ملک کے لیے نقصان دہ ہوتا ہے۔اس میں دوسرا پہلو یہ ہے کہ عام آدمی کو کوئی ضرورت اور مجبوری جھوٹ پر آمادہ کرتی ہے جب کہ حکمران کو عام طور پر ایسا مسئلہ پیش نہیں آتا اس لیے اس کی طرف سے جھوٹ بولنا نری ڈھٹائی ہے۔افسوس آج کے حکمران جھوٹے معاہدے کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں یہ معاہدے کوئی قرآن وحدیث ہیں کہ ان کی پابندی کی جائے۔

آخر میں ''متکبر تنگ دست'' کی بھی مذمت کی گئی ہے۔تکبر بجائے خود ایک برائی ہے مگر عام طور پر کسی بل بوتے پر اس کا اظہار کیا جاتا ہے۔دولت، اقتدار، خاندان اور خوب صورتی وغیرہ کی وجہ سے تکبر کرنا ایک قابل فہم بات ہوسکتی ہے مگر یہ بات بالکل ناقابل فہم ہے کہ کوئی کنگال اور منگتا بھی تکبر کی بیماری میں مبتلا ہوجائے۔

127: بے عمل واعظ کا انجام دوزخ ہے

127...... ((عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
يُجَاءُ بِالرَّجُلِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ، فَيُلْقٰى فِي النَّارِ ، فَتَنْدَلِقُ اَقْتَابُهٗ فِي النَّارِ ، فَيَطْحَنُ فِيْهَا كَطَحْنِ الْحِمَارِ بِرَحَاهُ ، فَيَجْتَمِعُ اَهْلُ النَّارِ عَلَيْهِ فَيَقُوْلُوْنَ: اَيْ فُلَانُ! مَا شَانُكَ؟ اَلَيْسَ كُنْتَ تَأْمُرُنَا بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَانَا عَنِ الْمُنْكَرِ؟ قَالَ: كُنْتُ اٰمُرُكُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ لَا اٰتِيْهِ ، وَاَنْهَاكُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاٰتِيْهِ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 5139 صحیح بخاری، رقم 3267 صحیح مسلم، رقم 7483
اللؤلؤ والمرجان، رقم 1882

”حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
قیامت کے دن ایک آدمی کو لایا جائے گا۔ پھر اُسے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا تو آگ میں اُس کی انتڑیاں باہر آ جائیں گی۔ وہ ان کے اردگرد اس طرح چکر لگائے گا جیسے گدھا چکی کے گرد گھومتا ہے۔ دوزخی لوگ اس کے پاس جمع ہو جائیں گے اور اُس سے پوچھیں گے: اے فلاں! تمہیں کیا ہوا؟ کیا تو ہمیں نیکی کا حکم نہیں دیا کرتا تھا اور برے کاموں سے نہیں روکتا تھا؟ وہ کہے گا: میں تمہیں نیکی کا حکم دیتا تھا مگر خود نیک کام نہیں کرتا تھا۔ میں تمہیں برائی سے روکتا تھا مگر خود برے کام کرتا تھا۔“

تشریح:

اسی مضمون سے ملتی جلتی ایک اور حدیث یہ ہے:

((عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ ، سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: اِنَّ اَوَّلَ النَّاسِ يُقْضٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَيْهِ رَجُلٌ اُسْتُشْهِدَ فَاُتِيَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعَمَهٗ فَعَرَفَهَا . قَالَ: فَمَا عَمِلْتَ فِيْهَا؟ قَالَ قَاتَلْتُ فِيْكَ حَتّٰى اسْتُشْهِدْتُ . قَالَ كَذَبْتَ ، وَلٰكِنَّكَ قَاتَلْتَ لِاَنْ يُقَالَ جَرِيْءٌ ، فَقَدْ قِيْلَ . ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهٖ حَتّٰى اُلْقِيَ فِي النَّارِ . وَرَجُلٌ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ وَعَلَّمَهٗ وَقَرَاَ الْقُرْاٰنَ فَاُتِيَ بِهٖ ، فَعَرَّفَهٗ نِعَمَهٗ

فَعَرَفَهَا . قَالَ: فَمَا عَمِلْتَ فِيهَا؟ قَالَ: تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ وَعَلَّمْتُهُ وَقَرَأْتُ فِيكَ الْقُرْآنَ . قَالَ: كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ تَعَلَّمْتَ الْعِلْمَ لِيُقَالَ عَالِمٌ وَقَرَأْتَ الْقُرْآنَ لِيُقَالَ هُوَ قَارِئٌ فَقَدْ قِيلَ ، ثُمَّ أُمِرَ بِهٖ ، فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهٖ حَتّٰى أُلْقِيَ فِي النَّارِ . وَرَجُلٌ وَسَّعَ اللّٰهُ عَلَيْهِ ، وَأَعْطَاهُ مِنْ أَصْنَافِ الْمَالِ كُلِّهٖ فَأُتِيَ بِهٖ فَعَرَّفَهُ نِعَمَهُ فَعَرَفَهَا . قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِيهَا؟ قَالَ: مَا تَرَكْتُ مِنْ سَبِيلٍ تُحِبُّ أَنْ يُنْفَقَ فِيهَا إِلَّا أَنْفَقْتُ فِيهَا لَكَ ، قَالَ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ فَعَلْتَ لِيُقَالَ: هُوَ جَوَادٌ ، فَقَدْ قِيلَ . ثُمَّ أُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ، ثُمَّ أُلْقِيَ فِي النَّارِ .))

(صحیح مسلم، رقم: 4923۔ سنن نسائی، رقم: 3139)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ: جس شخص کے بارے میں سب سے پہلے فیصلہ ہوگا وہ ایسا آدمی ہوگا جو شہید ہوگا۔ اسے اللہ کے دربار میں لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنی نعمتیں یاد دلائے گا، وہ اسے یاد آئیں گی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو نے ان کے ہوتے ہوئے کیا کیا؟ وہ کہے گا: میں نے تیرے لیے جہاد کیا اور شہید ہوگیا۔ اللہ فرمائے گا: تو نے جھوٹ کہا۔ تو اس لیے لڑا تھا کہ تجھے بہادر کہا جائے...... اور وہ کہہ دیا گیا۔ پھر اسے اللہ کے حکم کے مطابق گھسیٹ کر چہرے کے بل جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ پھر ایک اور شخص ہوگا جس نے علم سیکھا اور سکھایا ہوگا۔ قرآن پڑھا اور پڑھایا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنی نعمتیں یاد دلائے گا، وہ اسے یاد آئیں گی۔ اللہ فرمائے گا: تو نے ان کے ہوتے ہوئے کیا کیا؟ وہ شخص کہے گا: میں نے علم سیکھا اور دوسروں کو سکھایا۔ میں نے تیری خاطر قرآن پڑھا۔ ارشاد ہوگا: تو نے جھوٹ کہا۔ تو نے علم اس لیے سیکھا کہ تجھے عالم کہا جائے اور قرآن اس لیے پڑھا کہ قاری کہلائے...... اور وہ کہہ دیا گیا۔ پھر اسے اللہ کے حکم سے چہرے کے بل گھسیٹ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ پھر ایک اور شخص ہوگا جس کو اللہ نے خوب خوشحالی دی ہوگی اور ہر طرح کا مال دیا ہوگا۔ اسے لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنی نعمتیں یاد دلائے گا۔ اسے وہ سب یاد آئیں گی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ تو نے ان کے ہوتے ہوئے کیا کیا؟ وہ کہے گا۔ میں نے تیرے ہر پسندیدہ راستے پر مال خرچ کیا اور تیرے لیے کیا۔ ارشاد ہوگا: تو نے جھوٹ بولا۔ تو نے

یہ سب اس لیے کیا تھا کہ تو سخی کہلائے...... اور وہ کہہ دیا گیا۔ پھر اسے بھی اللہ کے حکم سے چہرے کے بل گھسیٹ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔"

نــــوٹ: ......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جو اس حدیث کے راوی ہیں، جب یہ حدیث روایت کرتے تھے تو بے ہوش ہو جاتے تھے۔

معلوم ہوا کہ آدمی کے قول و فعل میں تضاد نہیں ہونا چاہیے۔ ہر نیک کام میں صحیح نیت اور اخلاص ضروری ہے۔ دین کے ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی پیش نظر رکھنی چاہیے۔ آدمی کے قول و فعل میں تضاد نہیں ہونا چاہیے بلکہ ان دونوں میں مطابقت ہونی چاہیے۔ جو کچھ زبان پر ہے عمل میں بھی وہی کچھ ہونا چاہیے ورنہ آخرت میں ایسے شخص کو دوزخ کا عذاب ہوگا جو کہے کچھ اور کرے کچھ۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں کہ اُس کے کسی بندے کے قول و فعل میں تضاد ہو۔ وہ کہے کچھ اور، کرے کچھ اور۔ قول و فعل میں تضاد ہونا جھوٹ بھی ہے اور منافقت بھی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو یہ ناپسند ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ o كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ o﴾ (الصف: 2-3)

"اے ایمان والو! تم کیوں ایسی بات کہتے ہو جو کرتے نہیں؟ اللہ کے نزدیک یہ بہت ناراضی کی بات ہے کہ تم ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔"

قول و فعل میں تضاد کا ہونا بہت بڑی اخلاقی برائی ہے۔ یہ جس فرد میں ہو اُس کی کوئی عزت نہیں رہتی اور جس قوم میں ہو وہ کامیاب نہیں ہو سکتی۔ دنیا میں قومیں منافقت سے نہیں اُصول پسندی سے ترقی کرتی ہیں۔

قول و فعل میں تضاد کی وضاحت قرآن مجید کی درج ذیل آیات سے بھی ہو جاتی ہے:

1: ﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ o﴾ (البقرہ: 85)

"کیا تم کتاب کے ایک حصے کو مانتے ہو اور ایک حصے کا انکار کرتے ہو؟ تم میں سے جو لوگ ایسا کریں، اُن کی سزا اس کے سوا کیا ہے کہ وہ دنیا کی زندگی میں ذلیل و خوار ہوں اور قیامت کے دن اُنہیں سخت عذاب میں ڈالا جائے۔ اور اللہ اس سے بے خبر نہیں جو تم کرتے ہو۔"

2: ﴿وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰكُمْ عَنْهُ ؕ﴾ (هود:88)

''(شعیب علیہ السلام نے کہا) اور میں یہ نہیں چاہتا کہ میں خود وہ کام کروں جس سے تمہیں روکتا ہوں۔''

3: ﴿يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ﴾ (الفتح:11)

''وہ (منافقین) اپنی زبانوں سے وہ بات کہتے ہیں جو اُن کے دلوں میں نہیں۔''

قول وفعل میں مطابقت کامیابی کی دلیل ہے اور قول وفعل میں تضاد ذلت اور ناکامی کا ثبوت ہے۔

128: سب سے زیادہ عذاب مصوروں کو ہوگا

128...... ((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: اَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا عِنْدَاللّٰهِ الْمُصَوِّرُوْنَ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4497 صحیح بخاری، رقم 5950 صحیح مسلم، رقم 5537
نسائی، رقم 5364 اللؤلؤ والمرجان، رقم 1368

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ: اللہ تعالیٰ کے ہاں تصویریں بنانے والوں کو سب سے زیادہ عذاب دیا جائے گا۔''

تشریح:

1: اِس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن اُن لوگوں کو جو جانداروں کی تصویریں، مورتیاں اور مجسمے بناتے ہیں سب سے زیادہ سخت عذاب ہوگا کیونکہ یہ ایک مشرکانہ کام ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق سے مشابہت پیدا کرنا ہے۔

2: اسی مضمون کی ایک متفق علیہ حدیث یہ ہے:

((عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ يَقُوْلُ قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذَهَبَ يَخْلُقُ كَخَلْقِيْ ، فَلْيَخْلُقُوْا ذَرَّةً أَوْ لِيَخْلُقُوْا حَبَّةً ، أَوْ شَعِيْرَةً .)) (صحیح بخاری، رقم: 7559۔ صحیح مسلم، رقم: 5543)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا۔آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اُس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو میری پیدا کی ہوئی چیزوں کی طرح کچھ چیزیں (تصویریں، مجسّمے وغیرہ) بناتا ہے۔ ایسے لوگوں کو چاہیے کہ وہ ایک چیونٹی، یا ایک دانہ، یا ایک جَو پیدا کر کے دکھائیں۔''

3: صحیح مسلم میں اسی مضمون کی یہ روایت موجود ہے:

((عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: قَالَ اللّٰهُ

عَزَّ وَجَلَّ:

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذَهَبَ يَخْلُقُ خَلْقًا كَخَلْقِي؟ فَلْيَخْلُقُوا ذَرَّةً، أَوْ لِيَخْلُقُوا حَبَّةً، أَوْ لِيَخْلُقُوا شَعِيرَةً.)) (صحيح مسلم، رقم: 5543)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

اور اُس سے بڑا ظالم کون ہے جو میری مخلوق کی طرح کی مخلوق بناتا ہے؟ تو چاہیے کہ وہ ایک چیونٹی، یا ایک دانہ، یا ایک جو پیدا کر دکھائیں۔''

4: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تصویریں اور مصوری کا کام ناپسند تھا۔

صحیح بخاری میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

((أَنَّهَا اشْتَرَتْ نُمْرُقَةً فِيهَا تَصَاوِيرُ، فَلَمَّا رَآهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ قَامَ عَلَى الْبَابِ فَلَمْ يَدْخُلْهُ، فَعَرَفْتُ فِي وَجْهِهِ الْكَرَاهِيَةَ. فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَتُوبُ إِلَى اللَّهِ، وَإِلَى رَسُولِهِ ﷺ مَاذَا أَذْنَبْتُ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَا بَالُ هٰذِهِ النُّمْرُقَةِ؟ قُلْتُ: اشْتَرَيْتُهَا لَكَ لِتَقْعُدَ عَلَيْهَا وَتَوَسَّدَهَا۔ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِنَّ أَصْحَابَ هٰذِهِ الصُّوَرِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُعَذَّبُونَ فَيُقَالُ لَهُمْ: أَحْيُوا مَا خَلَقْتُمْ۔ وَقَالَ: إِنَّ الْبَيْتَ الَّذِي فِيهِ الصُّوَرُ لَا تَدْخُلُهُ الْمَلَائِكَةُ))

(صحيح بخاری، رقم: 2105)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تصویروں والا ایک چھوٹا سا تکیہ خریدا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھا تو دروازے پر ٹھہر گئے اور اندر داخل نہیں ہوئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر ناگواری کے آثار دیکھ کر عرض کیا: میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرتی ہوں' میں نے کون سا گناہ کیا ہے؟ فرمایا: یہ تکیہ کیسا ہے؟ میں نے عرض کیا: میں نے یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹھنے اور ٹیک لگانے کے لیے خریدا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تصویریں بنانے والے قیامت کے دن عذاب میں گرفتار ہوں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ تم نے جو کچھ بنایا، اسے اب زندہ کر کے دکھاؤ اور فرمایا: جس گھر میں تصویریں ہوں وہاں (رحمت

کے) فرشتے داخل نہیں ہوتے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کو جانداروں کی تصاویر ناپسند تھیں۔

5: جس گھر میں تصویریں ہوں وہاں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔

6: بے جان چیزوں جیسے درخت، پہاڑ اور دریا وغیرہ کی منظر کشی اور تصاویر جائز ہیں لیکن اگر وہ بھی بے مقصد بنائی جائیں تو لہو ولعب، فضولیات اور مکروہ شمار ہوتی ہیں۔

7: چھوٹے بچوں بچیوں کے کھلونے اور گڑیائیں جائز ہیں۔

8: ضرورت اور مجبوری کے لیے جیسے پاسپورٹ، شناختی کارڈ وغیرہ بنوانے کے لیے تصویر جائز ہے۔

129: اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا مقابلہ کرنے والا ظالم ہے

129...... ((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ: قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذَهَبَ یَخْلُقُ کَخَلْقِیْ، فَلْیَخْلُقُوْا ذَرَّةً، اَوْ لِیَخْلُقُوْا حَبَّةً، اَوْشَعِیْرَةً.))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4496 صحیح بخاری، رقم 5953 — صحیح مسلم، رقم 5543
اللؤلؤ والمرجان، رقم 1370

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اُس سے بڑھ کر اور کون ظالم ہوسکتا ہے جو میری طرح تخلیق کرنے لگتا ہے۔ ایسے لوگ ایک ذرہ، ایک دانہ، یا ایک جو تو پیدا کر دکھائیں۔''

تشریح:

1: یہ حدیث قدسی ہے۔

2: اِس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ تخلیق کا مقابلہ کرنے والے مصوروں کو بڑا ظالم کہا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کیا مقابلہ کریں گے جو ایک ذرّہ، ایک دانہ، یا ایک جو بھی ازخود پیدا نہیں کرسکتے۔

3: خالق صرف ایک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ کوئی مخلوق کبھی خالق نہیں ہوسکتی۔

4: اسلام میں جاندار چیزوں کی تصویریں بنانا حرام ہے۔

نوٹ: مزید تفصیل کے لیے دیکھیے حدیث نمبر 128 کی تشریح۔

130: ہر بیماری کے لیے علاج ہے

130...... ((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ دَاءً اِلَّا اَنْزَلَ لَهٗ شِفَاءً .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4514 صحیح بخاری، رقم 5678 ابن ماجہ، رقم 3439
ترمذی، رقم 2038

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
اللہ تعالیٰ نے ایسی کوئی بیماری نہیں اُتاری جس کے لیے شفا نہ اُتاری ہو۔''

تشریح:

1: اِس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مرض کی دوا پیدا فرمائی ہے اور ہر بیماری کا علاج بھی رکھا ہے جس کے ذریعے شفا حاصل کی جا سکتی ہے۔

اِس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں جہاں بیماریوں کے اسباب پائے جاتے ہیں وہاں اُن کے علاج کے ذرائع اور وسائل بھی موجود ہیں۔

2: قرآنِ مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حوالے سے یہ بات فرمائی گئی ہے کہ جب میں بیمار ہوتا ہوں تو مجھے اللہ تعالیٰ ہی شفا دیتا ہے۔

﴿ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ۝﴾ (الشعراء: 80)

'' مطلب یہ ہے کہ جب کوئی بندہ بیمار ہوتا ہے اور اپنا علاج کراتا ہے تو اُسے جو شفا ملتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔

3: اسی مضمون کی ایک اور حدیث یہ ہے:

((عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ، فَاِذَا اُصِيْبَ دَوَاءُ الدَّاءِ، بَرَءَ بِاِذْنِ اللّٰهِ تَعَالٰی .)) (صحیح مسلم، رقم: 5741)

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر بیماری کے لیے دوا ہے۔

جب وہ دوا بیماری کا توڑ بن جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے مریض تندرست اور صحت یاب ہوجاتا ہے۔''

4: دوا اور علاج ظاہری سبب ہے جو کبھی کامیاب اور مؤثر ثابت ہوسکتا ہے اور کبھی ناکام اور غیر مؤثر ہوتا ہے۔ کسی دوا کا مؤثر ہونا سراسر اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اُس کے حکم پر منحصر ہے۔ اللہ سبحانہٗ جب چاہے کسی دوا کو کسی بیماری میں مؤثر بنادے اور شفادے دے جب چاہے اسے غیر مؤثر کردے اور شفا نہ دے۔ گویا اصل مؤثر دوا نہیں اللہ تعالیٰ ہے۔

5: بیماری کا علاج کرنا سنت سے ثابت ہے۔

6: مرض کا علاج دوا کے ذریعے بھی ہوتا ہے اور دعا کے ذریعے بھی۔

7: قرآنی آیات اور حدیث کی دعاؤں کے ذریعے بھی روحانی علاج ہوسکتا ہے۔

8: علاج تقدیر کو نہیں بدل سکتا لیکن یہ بجائے خود تقدیر ہی کا ایک حصہ ہے۔

9: بڑھاپے اور موت کا کوئی علاج نہیں۔

10: بیماری کی تکلیف پر صبر کرنے والے کو اجر و ثواب ملتا ہے۔

131: شہد سے علاج کرنا

131...... ((عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ: جَآءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ: اِنَّ اَخِیْ اِسْتَطْلَقَ بَطْنُهٗ . فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِسْقِهٖ عَسَلًا . فَسَقَاهُ ثُمَّ جَآءَ فَقَالَ: سَقَیْتُهٗ فَلَمْ یَزِدْهُ اِلَّا اِسْتِطْلَاقًا . فَقَالَ لَهٗ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ، ثُمَّ جَآءَ الرَّابِعَةَ فَقَالَ: اَسْقِهٖ عَسَلًا . فَقَالَ: لَقَدْ سَقَیْتُهٗ فَلَمْ یَزِدْهُ اِلَّا اِسْتِطْلَاقًا . فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: صَدَقَ اللّٰهُ ، وَكَذَبَ بَطْنُ اَخِیْكَ . فَسَقَاهُ ، فَبَرَأَ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم 4521 — صحیح بخاری، رقم 5684 — صحیح مسلم، رقم 5770
مسند احمد، رقم 11163 — اللؤلؤ والمرجان، رقم 1432

''سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: میرے بھائی کو پیچش (جلاب) لگے ہوئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اُسے شہد پلا دو۔ اُس نے اُسے شہد پلایا۔ پھر وہ حاضر ہو کر کہنے لگا: میں نے اُسے شہد پلایا مگر اس سے پیچش اور زیادہ ہو گئے ہیں۔ حضور ﷺ نے اُسے تین مرتبہ شہد پلانے کی تاکید فرمائی۔ پھر وہ چوتھی مرتبہ آیا تو آپ ﷺ نے اُسے فرمایا کہ: اُس کو شہد پلاؤ۔ اُس نے عرض کیا: میں اُسے پلا چکا ہے مگر اُس کے پیچش میں اور اضافہ ہو گیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کا فرمان سچا ہے اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے۔ پھر اُس آدمی نے اپنے بھائی کو مزید شہد پلایا تو وہ بالکل تندرست ہو گیا۔''

تشریح:

شہد کا ذکر قرآن مجید میں بطور نعمت اس طرح آیا ہے:

﴿وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا یَعْرِشُوْنَ ○ ثُمَّ كُلِیْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِیْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ط یَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ط اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ○﴾ (النحل: 68'69)

''اور تمہارے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ تو پہاڑوں میں، درختوں میں اور لوگوں کی بنائی چھتوں میں اپنے چھتے بنا۔ پھر ہر قسم کے پھل پھول سے رَس چوس اور اپنے رب کے ہموار کیے ہوئے راستوں پر چل۔ اُس کے پیٹ سے پینے کی چیز نکلتی ہے، اُس کے رنگ مختلف ہیں۔ اس میں لوگوں کے لیے شفا ہے۔ بے شک اس میں بڑی نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو غور کرتے ہیں۔''

2: شہد مختلف رنگوں کا اور مختلف ذائقوں کا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں کئی بیماریوں کے لیے شفا رکھی ہے۔ یہ جراثیم کش (Germicide) ہوتا ہے اور نہایت مفید اور غذائیت سے بھرپور نعمت ہے۔ اہل جنت کو تو شہد کی نہریں دستیاب ہوں گی۔

3: صحیح بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُحِبُّ الْحَلْوٰى وَالْعَسَلَ .))

(صحيح بخاری، رقم: 5431)

''نبی ﷺ کو شیرینی اور شہد پسند تھا۔''

4: مذکورہ حدیث میں مریض کو شہد پلانے کے جس واقعے کا ذکر ہے اُس شخص کے پیٹ میں فاسد مواد جمع تھا جو بار بار شہد پلانے سے خارج ہوتا رہا۔ جب وہ مکمل طور پر خارج ہو گیا تو مریض صحت یاب ہو گیا۔

5: پھر حضور ﷺ کا یہ فرمانا کہ ''اللہ کا فرمان سچ ہے'' تو اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے کہ شہد میں لوگوں کے لیے شفا رکھی گئی ہے۔

﴿ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ﴾ (النحل: 69)

''اس میں لوگوں کے لیے شفا ہے۔''

6: پھر حضور ﷺ کا یہ فرمانا کہ ''تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے۔'' تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دوا تو بالکل صحیح تھی مگر پیٹ میں کچھ خرابی کی وجہ سے صحت یابی نہیں ہو رہی تھی۔

7: آخر میں یہ بات بھی ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ شہد میں شفا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ اکثر بیماریوں میں مفید ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ہر قسم کے مرض کے لیے صرف شہد ہی استعمال کیا جائے۔ بلکہ بعض امراض ایسے ہیں جن میں شہد کا استعمال مضر اور نقصان دہ ہو سکتا ہے۔ اس سلسلے میں کسی ماہر طبیب یا ڈاکٹر سے مشورہ ضروری ہے۔

ضمیمہ 1: علم حدیث سے متعلق اصطلاحات (TERMS)

(ا)

1. آحاد (واحد احد):

ایسی حدیث جو متواتر حدیث کی شرطوں پر پوری نہ اُترے اور اس سے کم درجے کی ہو۔ اسے خبر واحد بھی کہتے ہیں۔

2. اثر (جمع آثار):

ایسا قول یا فعل جس کی نسبت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین یا تابعین کی طرف کی جاتی ہے۔ البتہ بعض علماء کے نزدیک اثر کا لفظ خبر، حدیث اور سنت کا مترادف ہے۔

3. اجازہ :

اس سے مراد کسی استاد کا اپنے شاگرد کو اس بات کی اجازت دینا ہے کہ وہ اس کی سنی ہوئی روایات (مسموعات) یا جمع کی ہوئی کتب حدیث کو روایت کرسکتا ہے۔ اگرچہ یہ تمام روایات نہ شاگرد نے استاد سے سنی ہوں اور نہ وہ کتب استاد کو پڑھ کر سنائی ہوں۔

4. اجزا :

(دیکھو جزء):

5. اخبار آحاد:

وہ حدیثیں جو متواتر حدیث کی شرطوں پر پوری نہ اُتریں اور اُس سے کم درجے کی ہوں۔ ان کو خبر واحد بھی کہا جاتا ہے۔

6. اَخْبَرَنَا:

اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میرے اُستاد نے یہ حدیث ہمیں سنائی۔

7. اَخْبَرَنِیْ:

اس کا مطلب یہ ہے کہ میرے شیخ (یا اُستاد) نے یہ حدیث مجھے سُنائی۔

8. اختلاف الحدیث:

دو ایسی حدیثوں کا ایک دوسرے سے بالکل مختلف اور متضاد ہونا جو صحت میں برابر ہوں۔ پھر اگر ممکن ہو تو ان دونوں میں سے کسی ایک کو دوسری پر ترجیح دی جاتی ہے، یا توقف کیا جاتا ہے یا پھر ان کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔

9. اِدراج:

کسی حدیث کی سند یا متن میں ایسا اضافہ ہونا جو اصل میں نہ ہو۔جس حدیث میں اِدراج ہوا ہو اُسے مدرج کہتے ہیں۔

10. اربعین:

ایسی کتاب جس میں چالیس (40) حدیثیں جمع کی گئی ہوں، جیسے امام نووی رحمہ اللہ کی 'اربعین نووی'۔ چونکہ اس کام پر ثواب بتایا گیا ہے اس لیے بے شمار علماء نے 'اربعین' لکھی ہیں۔

11. اِرسال (مرسل ہونا):

کسی تابعی کا بغیر کسی صحابی کا نام لیے کوئی حدیث بیان کرنا اِرسال کہلاتا ہے اور ایسی حدیث کو مُرسل حدیث کہا جاتا ہے۔

12. اسماء الرجال:

حدیث کے راویوں (مردوں اور عورتوں) کے حالات زندگی، اُن کی چھان بین اور اُن کے معتبر یا غیر معتبر ہونے کا علم۔ اس بارے میں محدثین نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں جیسے میزان الاعتدال (حافظ ذہبی) اور تہذیب التہذیب (امام ابن حجر عسقلانی) وغیرہ۔

13. اِسناد:

کسی حدیث کا وہ حصہ جس میں ترتیب سے ان راویوں کے ناموں کا ذکر ہوتا ہے جنہوں نے اُس حدیث کو بیان کیا ہوتا ہے۔اسے سند بھی کہتے ہیں۔

14. اَصحاب سُنن:

صحاح ستہ میں سے چار کتابوں سنن ابی داوٗد، سنن ترمذی، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ کے مرتبین ومؤلفین کو کہتے ہیں۔

15. اصول حدیث:

(دیکھو علم اصول حدیث):

16. اضطراب:

(دیکھیے مضطرب حدیث)

17. اَطراف:

حدیث کی ایسی کتاب جس میں مرتب نے بہت سے احادیث کا صرف ایک ایک ٹکڑا (پہلا حصہ) ذکر کیا ہو اور اس ٹکڑے سے باقی حدیث کی طرف اشارہ ہو جائے۔ جیسے موسوعہ اطراف الحدیث از محمد سعید زغلول۔

18. اعلام:

اس کے لفظی معنی اعلان کرنے اور خبر دینے کے ہیں لیکن اصطلاح میں اس سے مُراد یہ ہوتی ہے کہ کوئی شیخ اپنے شاگرد کو یہ بتا دے کہ فلاں کتاب یا حدیث اس کی مرویات (روایت کردہ احادیث) یا مسموعات (سماع سے سنی ہوئی احادیث) ہیں۔ اگر اس کے ساتھ وہ ان کی روایت کی اجازت دیدے تو اس کی روایت جائز ہے۔

19. اَلصَّحَابَۃُ کُلُّھُمْ عَدُوْلٌ (تمام صحابہ عادل ہیں):

یہ محدثین کے ہاں ایک مسلمہ اصول ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین حدیث کی روایت کرنے میں معتبر، ثقہ اور عادل ہیں اور ان پر اس حوالے سے کوئی جرح یا طعن نہیں ہوسکتا۔

20. اَنْبَاَنَا:

اس سے مراد یہ ہے کہ استاد (شیخ) نے ہمیں فلاں حدیث سنائی۔

21. اَنْبَاَنِیْ:

اس سے مراد یہ ہے کہ استاد (شیخ) نے مجھے فلاں حدیث سنائی۔

22. اَوثق:

اول درجے کا وہ معتبر راوی جس کی روایت کردہ حدیث قابل اعتبار اور قابل حجت ہوتی ہے۔

(ب)

23. بلاغات:

وہ حدیثیں جو کسی راوی نے دوسرے راویوں کے ناموں کے بغیر بیان کی ہوں جیسے موطا امام

مالک رحمۃ اللہ علیہ میں کئی بلاغات ہیں اوران کی سند کا ذکر نہیں ہے۔

(ت)

24. تابعي (جمع تابعين):

تابعی وہ شخص ہے جس نے ایمان کی حالت میں کسی صحابی سے ملاقات کی ہو اور اسلام کی حالت پر اُس کی وفات ہوئی ہو۔

25. تابعين:

تابعین وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسلام کی حالت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے ملاقات کی اور اسلام ہی کی حالت میں ان کی وفات ہوئی۔

26. تبع تابعي (جمع تبع تابعين):

ہر وہ شخص تبع تابعی ہے جس نے ایمان کی حالت میں کسی تابعی سے ملاقات کی ہو اور ایمان کی حالت پر ہی اس کی وفات ہوئی ہو۔

27. تخريج:

کسی حدیث کو اُس کی پوری سند سے بیان کرنا اور اسی حدیث کو اس کی دوسری تمام سندوں کے ساتھ بیان کرنا تخریج کہلاتا ہے۔

28. تَدليس:

حدیث کی سند میں موجود کسی عیب یا نقص کو چھپانا 'تدلیس' کہلاتا ہے اور جس حدیث میں یہ عیب ہو وہ مُدَلَّس کہلاتی ہے۔

29. تصحيف:

کسی لکھی ہوئی حدیث کی اصلاح اور درستی کرنے کو تصحیف کہتے ہیں۔ یہ دراصل کاتب کی غلطی کی اصلاح ہوتی ہے۔ جس حدیث کی تصحیح ہوئی ہو اُسے مصحف کہا جاتا ہے۔

30. تعديل:

اس سے مراد کسی حدیث کے راویوں کو عادل اور (معتبر) ٹھہرانا ہے۔ پھر ایسے راویوں کی روایت کردہ حدیث صحیح اور مقبول ہو سکتی ہے۔

31. تقریر:

(دیکھئے تقریری حدیث):

32. تقریری حدیث:

کوئی عمل جو حضور ﷺ کے سامنے ہوا اور آپ ﷺ خاموش رہے یا آپ ﷺ کے سامنے کسی عمل کا ذکر ہوا اور آپ ﷺ نے اس پر خاموشی اختیار کی، اُسے گوارا کیا تو اسے ''تقریری حدیث'' کہتے ہیں۔ گویا آپ ﷺ نے اُسے برقرار رکھا۔

(ث)

33. ثقہ (جمع ثقات):

دوسرے درجے کا معتبر راوی جس کی روایت کردہ حدیث قابلِ اعتبار اور قابل حجت ہوتی ہے۔

34. ثلاثیات:

ایسی احادیث جو زمانے کی دُوری کے باوجود صرف تین واسطوں سے حضور ﷺ سے نقل کی گئی ہیں۔ جیسے صحیح بخاری میں بائیس (22) حدیثیں ایسی ہیں جو ثلاثیات میں سے ہیں۔

35. ثنائیات:

ایسی حدیثیں جو زمانے کی دُوری کے باوصف صرف دو واسطوں سے نبی ﷺ سے نقل کی گئی ہوں۔ مؤطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ میں ایسی کئی احادیث ہیں جو ثنائیات ہیں۔

(ج)

36. جامع (جمع جوامع):

حدیث کی ایسی کتاب کو کہتے ہیں جس میں ہر طرح کے مضامین ہوں جیسے صحیح بخاری، صحیح مسلم اور جامع ترمذی وغیرہ۔

37. جرَح:

اس سے مراد حدیث کے کسی راوی پر تنقید اور اعتراض ہے جس کے بعد وہ راوی مجروح کہلاتا ہے اور اُس کی روایت کردہ حدیث ضعیف ہو جاتی ہے۔

38. جزء (جمع اجزاء):

حدیث کی وہ مختصر کتاب جس میں کسی راوی کی تمام مرویات جمع کر دی گئی ہوں۔ اس کے علاوہ کسی

ایک موضوع سے متعلق احادیث جمع کر لینے کو بھی 'جزء' کہتے ہیں جیسے امام بخاری کی جزء ''رفع الیدین فی الصلوٰۃ۔''

(ح)

حافظ، حافظ الحدیث:

متاخرین بڑے محدث کو حافظ کہتے ہیں جسے کم سے کم ایک لاکھ احادیث سند اور متن کے ساتھ زبانی یاد ہوں۔البتہ سابقہ سلف صالحین کے ہاں محدث اور حافظ مترادف تھے۔

39. حَدَّثَنَا:

اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ استاد (شیخ) نے ہمیں حدیث سنائی خواہ اپنے حافظے سے یا کسی کتاب سے الفاظ پڑھ کر۔

40. حَدَّثَنِيْ:

اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ استاد (شیخ) نے فلاں حدیث مجھے سنائی۔

41. حدیث، حدیث قُدسی:

حدیث سے مراد وہ قول، فعل اور تقریر وتصویب ہے جو حضور ﷺ کی طرف منسوب ہو اور حدیث قُدسی وہ ہے جس کی نسبت حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف کی ہو۔اس میں اللہ تعالیٰ کے لیے 'متکلم کا صیغہ' استعمال ہوتا ہے۔

42. حسن حدیث :

ایسی حدیث جس میں صحیح حدیث کی پانچ میں سے چار شرطیں پوری پائی جائیں مگر پانچویں شرط میں کچھ کمی پائی جاتی ہو یعنی اُس کے راوی میں حفظ وضبط کی کمزوری ہو۔

43. حفظ حدیث :

حدیث کو یاد کرنے اور یاد رکھنے کو حفظ حدیث کہتے ہیں اس کے علاوہ راوی کی یادداشت کو بھی حفظ کہتے ہیں۔

(خ)

44. خبر (جمع اخبار):

حدیث کو خبر بھی کہتے ہیں۔اس کی جمع اخبار آتی ہے۔

45. خبر واحد :

خبر واحد وہ حدیث ہے جس میں متواتر کی شرطیں نہ پائی جاتی ہوں۔اس کے راوی تعداد میں متواتر سے کم ہوں۔اس کا درجہ متواتر سے کم ہوتا ہے۔خبر واحد کو آحاد یا اخبار آحاد بھی کہتے ہیں۔

46. خماسیات:

ایسی حدیثیں جو زمانے کی دُوری کے باوجود صرف پانچ (5) واسطوں سے حضور ﷺ سے نقل کی گئی ہوں۔

(ر)

47. راجح:

اگر دو مختلف مضامین کی معارض (مخالف) حدیثیں ہوں اور اُن دونوں کو بیک وقت جمع کرنا ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں متن یا سند کے وجوہِ ترجیح سے کسی ایک کو دوسری پر ترجیح دی جائے گی۔جس حدیث کو ترجیح حاصل ہوگی وہ راجح کہلائے گی۔

48. راوی:

حدیث روایت کرنے والے شخص کو راوی کہتے ہیں۔یہ کوئی صحابی، تابعی، تبع تابعی یا ان کے بعد کا کوئی شخص ہوسکتا ہے۔

49. رباعیات:

ایسی احادیث جو زمانے کی دُوری کے باوصف صرف چار (4) واسطوں سے حضور ﷺ سے نقل کی گئی ہوں۔جیسے ''رباعیات امام نسائی'' وغیرہ۔

50. روایت:

حدیث بیان کرنے کو روایت کہتے ہیں اور حدیث اور روایت مترادف بھی ہیں۔

51. روایت بالمعنیٰ:

کسی حدیث کو اس طرح بیان کرنا کہ اس کا مضمون اور مفہوم باقی اور سلامت رہے البتہ حدیث اپنے اصل الفاظ میں بیان نہ ہو۔

(س)

52. سماع:

(اُستاد کی زبان سے سننا): یہ اخذ حدیث کا سب سے اعلیٰ طریقہ ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ شاگرد استاد سے حدیث سنے، خواہ اُستاد کسی کتاب سے وہ حدیث پڑھ کر سنا رہا ہو یا اپنے حافظے سے اور خواہ وہ حدیث شاگرد کو لکھوائے یا نہ لکھوائے۔

53. سَمِعْتُ:

اس سے مراد یہ ہے کہ استاد (شیخ) نے مجھے فلاں حدیث سنائی۔ ایسی حدیث مرفوع ہوتی ہے۔

54. سَمِعْنَا:

اس سے مراد یہ ہے کہ استاد نے ہمیں فلاں حدیث سنائی۔ ایسی حدیث بھی مرفوع ہوتی ہے۔

55. سنت:

عام طور پر حدیث اور سنت کے الفاظ مترادف ہوتے ہیں لیکن بعض علماء اس سے نبی ﷺ کے ثابت شدہ قول، فعل یا تقریر مراد لیتے ہیں۔ گویا 'حدیث' عام ہے اور 'سنت' خاص۔

56. سند:

اس سے مراد راویوں کا وہ سلسلہ ہے جو تبع تابعی، تابعی اور صحابی سے ہو کر اُس متن (حدیث کے مضمون) تک پہنچتا ہے جو نبی ﷺ سے منسوب ہو۔ گویا یہ متن تک پہنچے کا راستہ ہے۔ یہ سند عالی بھی ہوتی ہے اور نازل بھی۔ عالی سند وہ ہے جس میں کم واسطوں سے کوئی حدیث حضور ﷺ (11ھ) تک پہنچتی ہو اور نازل سند وہ ہے جس میں زیادہ واسطوں سے کوئی حدیث حضور ﷺ (11ھ) تک پہنچتی ہو۔

57. سنن:

اس سے مراد حدیث کی ایسی کتاب ہے جس میں احکام سے متعلق احادیث ہوں اور ان کو فقہی ابواب کی ترتیب سے لکھا گیا ہو۔ جیسے سنن ابی داؤد۔

58. سنن اربعہ:

حدیث کی چار کتابوں سنن ابی داؤد، سنن ترمذی، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ کو سنن اربعہ کہا جاتا ہے۔

59.شاذ حدیث:

ایسی حدیث جس کا کوئی مقبول اور ثقہ راوی اپنے سے زیادہ مقبول اور زیادہ ثقہ راوی مخالفت کرے۔ شاذ کے مقابلے میں 'محفوظ حدیث' ہوتی ہے۔

60.شاھد (جمع شواہد):

کسی حدیث کے الفاظ ومعانی یا صرف معانی کی تائید کرنے والی ایسی حدیث کو کہتے ہیں جو کسی دوسرے صحابی سے مروی ہے۔

61.شُذُوذ:

جب کوئی مقبول راوی کسی ایسے راوی کے خلاف روایت کرے جو درجے میں اُس سے بڑھ کر ہو تو یہ شذوذ ہے اور ایسی حدیث شاذ کہلاتی ہے اور یہ بھی ضعیف حدیث کی ایک قسم ہے۔ یہ شذوذ سند میں بھی ہوسکتا ہے اور متن میں بھی۔

62.شیخ (جمع شیوخ):

جس سے کوئی حدیث یا روایت لی جاتی ہے۔

63. شیخ الحدیث:

حدیث کے اُستاد کو آج کل شیخ الحدیث کہتے ہیں۔

64. شیخین:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کو ملا کر شیخین کہا جاتا ہے۔

(ص)

65.صحابی:

ہر وہ شخص جس نے ایمان کی حالت میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی ہو اور اُس کی وفات بھی ایمان کی حالت میں ہوئی ہو۔

66. صحاح ستہ:

حدیث کی چھ (6) کتابوں کو صحاحِ ستہ کہا جاتا ہے جن میں صحیح بخاری، صحیح مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی

اور ابن ماجہ شامل ہیں۔

67. صحیح حدیث:

وہ حدیث جو درج ذیل شرائط پر پوری اُترتی ہو۔

1: اُس کی سند متصل ہو۔

2: اُس کے تمام راوی عادل ہوں۔

3: اُس کے تمام راوی ضابط ہوں۔

4: اُس میں شذوذ نہ ہوں۔

5: اُس میں کوئی مخفی عیب نہ پایا جاتا ہو۔

ایسی حدیث، مقبول، قابل اعتبار اور قابل حجت ہوتی ہے۔

68. صحیحین:

صحیح بخاری اور صحیح مسلم، حدیث کی ان دو کتابوں کو ملا کر صحیحین (دو صحیح کتابیں) کہا جاتا ہے۔ ان دونوں میں جو حدیث آئی ہو وہ 'متفق علیہ' کہلاتی ہے۔

69. صحیفہ:

حدیث کے مجموعے کو کہتے ہیں۔

(ض)

70. ضابطہ و حافظ:

ایسا راوی جس میں ضبط و حفظ کی قوت و صلاحیت ہو۔ حدیث کو یاد رکھے یا کتاب میں محفوظ رکھے۔

71 ضبط و حفظ:

کسی حدیث کو لکھ کر محفوظ رکھنا ضبط کہلاتا ہے اور اُسے یاد رکھنا حفظ ہے۔

72. ضعیف حدیث:

ہر وہ حدیث جس میں حسن حدیث کی چار ضروری شرائط نہ پائی جاتی ہوں۔ یہ مردود حدیث کہلاتی ہے۔

73. ضعیف راوی:

ایسا راوی جس میں ثقہ یا معتبر راوی والے اوصاف نہ پائے جائیں۔ وہ عادل نہ ہو یا وہ ضابط و حافظ

نہ ہو۔

(ط)

74. طبقہ:

صحتِ حدیث کے اعتبار سے کتب حدیث کی درجہ بندی طبقہ کہلاتی ہے۔ پہلے طبقہ میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم شامل ہیں۔اور بعض کے نزدیک موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی ان میں شامل ہے۔

75. طعن (عیب):

اگر حدیث کے کسی راوی میں کوئی ایسا عیب یا نقص پایا جائے جو صحت حدیث پر اثر انداز ہوتا ہو تو اسے طعن کہتے ہیں اور ایسے مطعون شخص کی روایت نہیں لی جاتی۔

(ع)

76. عادل راوی:

عادل راوی وہ ہے جو دینی فرائض کا پابند اور حرام کاموں سے بچنے والا ہے۔صرف ایسا شخص ہی حدیث کی روایت کرنے میں معتبر اور ثقہ ہوتا ہے۔

77. عدالت (راوی کی):

راوی کی عدالت سے مراد اُس کے عادل ہونے اور معتبر ہونے کا وصف ہے کہ ایسا راوی دینی فرائض کی پابندی کرتا ہے اور حرام کاموں یعنی فسق و فجور سے بچتا ہے۔

78. عدول (عادل کی جمع):

عادل راویوں کو عدول کہا جاتا ہے۔ایسے راوی معتبر اور ثقہ ہوتے ہیں اور ان کی روایت قبول کی جاتی ہے۔

79. عزیز حدیث:

جس حدیث کے راویوں کی تعداد کسی دور یا طبقے میں صرف دو (2) ہو۔

80. علت:

کسی حدیث میں کوئی مخفی عیب یعنی چھپا ہوا نقص ہونا جس کے بعد وہ صحیح حدیث نہ رہے۔ایسی حدیث

ضعیف ہوتی ہے۔ان احادیث کے مجموعے کو علل کہا جاتا ہے جیسے ابن ابی حاتم کی 'العلل'۔

81. علم اصول حدیث:

وہ علم جس کے ذریعے راوی اور اُس کی روایت کی پہچان ہوتی ہے اور اس کی روشنی میں کسی حدیث کو قبول یا رَد کیا جاتا ہے۔

82. علم درایت:

وہ علم جس میں راوی اور اُس کی روایت کردہ حدیث کی قبولیت یا عدم قبولیت کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

83. علم حدیث (علم روایت):

نبی ﷺ سے منسوب اقوال، افعال اور تقریرات کا علم۔

(غ)

84. غریب حدیث:

جس حدیث کے راویوں کی تعداد کسی دور یا طبقے میں صرف ایک ہی ہو۔

85. غریب الحدیث:

احادیث کے مشکل الفاظ اور اُن کے معانی بیان کرنے کو غریب الحدیث کہتے ہیں ۔اس موضوع پر 'النہایۃ' از ابن اثیر عمدہ کتاب ہے۔

(ف)

86. فرد حدیث:

یہ غریب حدیث ہی کا دوسرا نام ہے۔جس میں راویوں کی تعداد کسی دور یا طبقے میں صرف ایک ہی ہوتی ہے۔

87. فعلی حدیث:

جو حدیث نبی ﷺ کے کسی فعل یا عمل پر مبنی ہو۔

88. فقہ الحدیث:

یہ احادیث میں وارد احکام کو سمجھنے جاننے کا نام ہے۔

89. فن حدیث:

(دیکھو علم حدیث)

(ق)

90. قَالَ لَنَا:

یہ بھی حدیث کے اخذ و تحمل کا ایک طریقہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ استاد (شیخ) نے ہمیں فلاں حدیث سنائی۔

91. قَالَ لِیْ:

اخذ حدیث کے اس طریقے سے مراد یہ ہے کہ استاد (شیخ) نے مجھے فلاں حدیث سنائی۔

92. قرأت:

یہ بھی اخذ حدیث کا اچھا طریقہ ہے جس میں شاگرد اپنے استاد کو زبانی کوئی حدیث سنائے یا کتاب سے پڑھ کر سنائے۔ گویا اس طریقے میں شاگرد استاد کو پڑھ کر سناتا ہے اس لیے اسے قراءت علی الشیخ بھی کہتے ہیں۔

93. قولی حدیث:

وہ حدیث جو نبی ﷺ کے کسی قول پر مبنی ہو۔ جیسے "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ" (اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے)۔

(ک)

94. کتب صحاح:

(دیکھو صحاحِ ستہ):

(م)

95. متابع حدیث (جمع متابعات):

یہ وہ حدیث ہے جس کے راوی کی تائید کوئی دوسرا راوی بھی کرتا ہو اور تائید کرنے والا ایسا ہو کہ اس کی روایت کو تسلیم کیا جاتا ہو۔ اس میں تائید کرنے والا پہلے راوی کے شیخ یا شیخ الشیخ سے ایسے الفاظ میں حدیث روایت کرے جو پہلے راوی کے بیان کردہ الفاظِ حدیث سے ملتے جلتے ہیں۔

96. متروک حدیث (راوی):

ایسا راوی جو اپنی روز مرہ گفتگو میں جھوٹ کا عادی ہو لیکن حدیث سے ظاہر نہ ہوتا ہو کہ وہ جھوٹا ہے، یا اُسے بہت زیادہ وہم لاحق ہوتا ہو (کثیر الوہم)۔

98. مُتفقٌ عَلَیْہ:

وہ حدیث جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں موجود ہو۔

99. متن حدیث (جمع متون):

کسی سند کے بعد کلام کا وہ حصہ جو نبی ﷺ سے منسوب پر مشتمل ہوتا ہے۔ ایک ہی متن کی کئی روایتیں اور سندیں ہو سکتی ہیں جو سب کی سب الگ الگ حدیثیں شمار ہوتی ہیں حالاں کہ اُن کا مضمون ایک ہی ہوتا ہے۔

100. متواتر حدیث:

اس سے مراد وہ حدیث ہے جسے ہر دور میں راویوں کی اتنی زیادہ تعداد نے روایت کیا ہو کہ اُن کا جھوٹ پر متفق ہونا ممکن نہ ہو۔ متواتر لفظی بھی ہوتی ہے اور معنوی بھی۔

101. مجھول راوی:

ایسا راوی جس کا ثقہ (یا معتبر) ہونا یا نہ ہونا معلوم نہ ہو۔ گویا یہ کوئی نامعلوم شخص ہوتا ہے جو کسی حدیث کی روایت کرتا ہے۔

102. مُحدِّث (جمع محدثین):

حدیث کے ماہر عالم کو محدث کہتے ہیں۔ اس کی جمع محدثین ہے۔

103. محفوظ حدیث:

شاذ (ضعیف حدیث) کے مقابلے میں جو صحیح حدیث ہوتی ہے وہ محفوظ حدیث کہلاتی ہے۔

104. مختلف الحدیث (اختلاف الحدیث):

دو بظاہر متضاد حدیثیں جو صحت میں برابر ہوں اور ان میں جمع و تطبیق ممکن ہو یا ایک کو دوسری پر ترجیح دی جا سکتی ہو۔

105. مُدرَج حدیث:

ایسی حدیث جس کی اصل سند یا اُس کے اصل متن میں کچھ اضافہ کر دیا گیا ہو۔ اسے کسی حدیث میں

'اِدراج' ہونا کہا جاتا ہے۔

106. مُدَلَّسْ حدیث:

ایسی حدیث جس میں راوی نے تدلیس سے کام لیا ہو یعنی اُس کی سند میں اس کے مخفی عیب کو چھپا دیا ہو۔ گویا ایسی حدیث جس کی سند میں مخفی عیب کو چھپایا گیا ہو۔ مُدَلَّس کہلاتی ہے۔

107. مرجوح حدیث:

اگر ایک مختلف اور معارض حدیث پر کسی اور مختلف اور معارض حدیث کو کسی وجہ سے ترجیح حاصل ہو جائے تو اُسے مرجوح حدیث کہتے ہیں اور ترجیح پانے والی کو راجح کہا جاتا ہے۔

108. مردود حدیث:

ایسی حدیث جسے قبول نہیں کیا جاتا۔ یہ ضعیف یا موضوع ہوتی ہے۔

109. مُرسَل حدیث:

جس حدیث کی سند میں صحابی کا نام ساقط ہو یعنی نام موجود نہ ہو۔ ایسی حدیث غیر متصل اور ضعیف ہوتی ہے۔

110. مرفوع حدیث:

ایسی حدیث جس کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف کی گئی ہو۔

111. مَرْوِی (جمع مرویات):

کسی روایت شدہ حدیث کو کہتے ہیں۔

112. مُستخرج (جمع مستخرجات):

حدیث کی ایسی کتاب جس کا مصنف کسی دوسرے مصنف کی کتاب میں درج احادیث کو اپنی الگ سند سے بیان کرتا ہے۔ اس طرح یہ دوسری سند بھی پہلی سند سے کسی مرحلے پر اُوپر جا کر مل جاتی ہے۔

113. مُسْتَدْرَك (جمع مستدركات):

حدیث کی ایسی کتاب جس میں کسی دوسرے مصنف کی شرائط کے مطابق حدیثیں جمع کی جائیں جو اصل مصنف کی کتاب میں موجود نہ ہوں جیسے مستدرک علی الصحیحین از امام حاکم نیشا پوری (م405ھ)۔ اس کتاب میں امام حاکم نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی شرائط کے مطابق حدیثیں جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔

114. مُستفیض حدیث:

اکثر علماء کے نزدیک یہ مشہور حدیث ہی کا دوسرا نام ہے۔

115. مُسند:

مرفوع حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند متصل ہوتی ہے۔

116. مُسند (جمع مسانید):

حدیث کی ایسی کتاب جس میں ہر صحابی کی روایت کردہ تمام احادیث ایک ہی جگہ پر جمع کر دی گئی ہوں جیسے مسند امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ، مسند شافعی اور مسند ابی داوٗد طیالسی۔ لیکن اگر ہر صحابی کی روایات کو فقہی ابواب کی ترتیب سے جمع کیا جائے تو اسے مصنف کہتے ہیں جیسے مصنف عبدالرزاق۔

117. مشہور حدیث:

جس حدیث کے راویوں کی تعداد کسی دور یا طبقے میں تین (3) سے نو (9) تک ہو۔

118. مُصَحَّف حدیث:

ایسی حدیث جس میں کسی کاتب کی غلطی کی اصلاح کی گئی ہو۔ گویا یہ تصحیح شدہ حدیث ہوتی ہے۔

119. مُضطرب حدیث (کسی حدیث میں اضطراب ہونا):

کسی حدیث کی ایسی شکلیں جو ایک دوسرے کے بالکل خلاف اور معارض ہوں اور ان کو جمع کرنا، یا ایک دوسرے پر ترجیح دینا ممکن نہ ہو۔

120. مطعون (راوی):

جس راوی پر طعن یعنی (عیب) لگا ہوا سے مطعون راوی کہتے ہیں اور اس کی روایت قبول نہیں کی جاتی کیونکہ وہ ضعیف ہوجاتی ہے۔

121. معجم (جمع معاجم):

جس کتاب میں حروف تہجی کے لحاظ سے شیوخ، بلدان (شہروں) اور قبیلوں کے ناموں کے اعتبار سے احادیث درج کی جاتی ہیں جیسے معجم کبیر (طبرانی)

122. مُعضَل حدیث:

ایسی حدیث جس میں دو یا دو سے زیادہ راوی موجود نہ ہوں۔

123. مُعَلَّق حدیث:

ایسی حدیث جس کی سند کی ابتداء سے ایک یا ایک سے زیادہ راویوں کا ذکر نہ ہو۔ اسے تعلیق بھی کہتے ہیں۔ ایسی حدیث ضعیف ہوتی ہے۔

124. مُعَلَّلُ حدیث:

ایسی حدیث جس میں کوئی مخفی علت یعنی چھپا ہوا عیب یا نقص پایا جاتا ہو۔ اسے معلول حدیث بھی کہتے ہیں۔

125. مقبول حدیث:

ایسی حدیث جسے قبول کیا جاتا ہے۔ یہ صحیح ہوتی ہے یا پھر حسن۔

126. مقطوع حدیث:

ایسی حدیث جس کی نسبت کسی تابعی یا اس سے نیچے کسی شخص کی طرف کی گئی ہو۔

127. مقلوب حدیث:

ایسی حدیث جس کی سند یا جس کے متن میں تقدیم و تاخیر کردی جائے۔ گویا کسی ایک لفظ کو دوسرے سے بدل دیا جائے یا اسے آگے پیچھے کر دیا جائے۔

128. مکاتبه:

اس سے یہ مراد ہے کہ شیخ خود لکھ کر یا کسی سے اپنی مرویات (روایت کردہ احادیث) لکھوا کر ایک موجود شاگرد کو دے یا غیر موجود شاگرد کو بھیج دے۔

129. مُکَثِّرِین صحابه:

ایک ہزار سے زیادہ احادیث روایت کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو مکثرین کہا جاتا ہے۔ جیسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، انس بن مالک رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ۔

130. مناوله:

اس سے مراد یہ ہے کہ استاد اپنے شاگرد کو کوئی کتاب یا لکھی ہوئی حدیث دے اور کہے کہ اس کو میری طرف سے روایت کرنے کی اجازت ہے۔

131. منسوخ حدیث:

جس حدیث کا حکم کسی دوسری حدیث کے حکم سے بدل چکا ہو۔ اس لیے منسوخ حدیث پر عمل نہیں کیا جاتا۔

132. منقطع حدیث:

وہ حدیث جس کی سند متصل نہ ہو اور اس میں کسی جگہ کوئی راوی نہ پایا جاتا ہو یا وہ راوی مجہول (Unknown) ہو۔

133. منکر حدیث:

ایسی حدیث جس کی سند کا کوئی راوی فاش غلطیاں کرتا ہو، یا جس میں بہت غفلت پائی جائے، یا وہ فاسق و فاجر ہو اور یا وہ ضعیف راوی کی بھی مخالفت کرے۔

134. منکر الحدیث راوی:

(دیکھو منکر حدیث):

135. موضوع حدیث:

جھوٹی اور من گھڑت حدیث کو موضوع حدیث کہتے ہیں۔ جسے کوئی شخص خود گھڑ کر نبی ﷺ کی طرف منسوب کر دے۔ (نعوذ باللہ) یہ کبیرہ گناہ ہے۔ اس بارے میں محدثین نے کئی کتب لکھی ہیں۔

136. موقوف حدیث:

ایسی حدیث جس کی نسبت کسی صحابی کی طرف کی گئی ہو۔

(ن)

137. ناسخ حدیث:

جس حدیث کے حکم سے کسی پہلی حدیث کا حکم بدل گیا ہو۔ ایسی نئی حدیث کو ناسخ اور پہلے والی حدیث کو منسوخ کہتے ہیں۔ پھر ناسخ حدیث پر عمل کیا جاتا ہے اور پہلی منسوخ حدیث پر عمل نہیں کیا جاتا۔

(و)

138. وجادہ:

اس سے مراد حدیث کی کسی کتاب سے سماع، اجازہ اور مناولہ کے بغیر علم حاصل کرنا ہے۔ جیسے کوئی شخص کسی محدث کی اپنی لکھی ہوئی حدیثیں دیکھے اور سابقہ ملاقات کی بنیاد پر اُن کو اچھی طرح پہچان لے کہ یہ اُسی کی تحریر کی ہوئی ہیں۔ ایسی حدیثیں ضعیف ہوتی ہیں۔

139. وحدانیات:

ایسی احادیث جن کو زمانے کی دُوری کے باوجود صرف ایک ہی واسطے سے حضور ﷺ سے نقل کیا گیا ہو۔

140. وصیت:

یہ حدیث کے اخذ وتحمل کی نادر مگر کمزور ترین صورت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شیخ سفر کے دوران میں یا بستر مرگ پر صراحت کے ساتھ یہ کہے کہ:

''میں فلاں شخص کو فلاں کتاب کے روایت کرنے کی اجازت دیتا ہوں۔''

ضمیمہ 2: قرآن اور رسول ﷺ کا باہمی تعلق

قرآن اور رسول اللہ ﷺ میں روح اور قالب کا تعلق ہے۔قرآن اللہ کی کتاب ہے اور رسول اس کتاب کا معلم ہے۔قرآن کلامِ الٰہی ہے اور رسولؐ اس کلامِ الٰہی کا مدعا و مفہوم واضح کرنے والا مُبَیِّـنْ ہے۔ قرآن ایک دستور (Constitution) ہے اور اور رسولؐ اس دستور کی مستند اور معتبر تشریح وتعبیر کرنے والا (Explainer and Interpreter) اور شارع (Law- Giver) ہے۔

رسول ﷺ کی یہ تمام حیثیات خود قرآنِ حکیم نے متعین کردی ہیں اور ان کے مطابق رسول ﷺ نے اپنا فریضہ رسالت سرانجام دیا ہے۔

رسول ﷺ کا یہی وہ منصبِ رسالت ہے جس میں امت کا کوئی فرد آپ ﷺ کا ہرگز شریک نہیں ہے اس لیے کہ رسول ﷺ کے علاوہ دوسرا کوئی شخص صاحبِ وحی نہیں ہے۔آنحضرت ﷺ نے قرآن حکیم کے بارے میں جو تشریح وتعبیر اور تعلیم وتشریح فرمائی اس میں کسی خطا کا کوئی امکان نہیں ہے کیونکہ حضور ﷺ معصوم عن الخطا ہیں اور رسول ﷺ کی تشریح وتعبیر بھی قرآنی حکم کی طرح واجب العمل ہے۔

1: قرآن و رسول ﷺ میں رُوح و قالب کا تعلق:

قران کا ارشاد ہے:

﴿قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا٥ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ﴾ (الطلاق:10تا11)

”اللہ نے تمہاری جانب ذکر (قرآن) نازل کیا ہے یعنی رسول ﷺ جو تمہیں اللہ کی واضح آیات پڑھ کر سناتا ہے تاکہ وہ اہل ایمان اور نیکو کاروں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئے۔“

اس مقام پر ذکر یعنی قرآن کا بدل رسول ﷺ ہے گویا قرآن اور رسول ﷺ ہدایت کے باب میں یکساں حیثیت رکھتے ہیں۔قرآن جن حقائق کی یاددہانی کراتا ہے رسول ﷺ بھی انہیں حقائق کی یاددہانی

کرانے والا ہے۔ رسول ﷺ کی اسی صفت کو قرآن نے ایک اور جگہ بیان فرمایا ہے کہ:

﴿فَذَكِّرْ إِنَّمَآ أَنتَ مُذَكِّرٌ﴾ (الغاشیہ:21)

''پس آپ یاد دہانی کرا دیجئے، آپ ﷺ تو یاد دہانی کرانے والے ہیں۔''

ایک شخص نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا:

((يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ حَدِّثِيْنِي عَنْ خُلُقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، قَالَتْ: أَلَسْتَ تَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ؟ فَإِنَّ خُلُقَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ كَانَ الْقُرْاٰنَ .)) (صحیح مسلم، رقم: 1739)

''اے ام المؤمنین! مجھے رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کے بارے بتایئے؟ انہوں نے فرمایا: ''کیا تو نے قرآن نہیں پڑھا؟'' کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے اخلاق تو بس قرآن تھا۔''

دوسرے الفاظ میں قرآن اگر روح ہے تو رسول ﷺ اس کا قالب ہے، قرآن اگر جان ہے تو رسول ﷺ اس کا جسم ہے۔

2: رسول ﷺ بحیثیت معلم وشارح قرآن:

قرآن فرماتا ہے:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ (آل عمران:164)

''اللہ نے مومنین پر یہ بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود انہی میں سے ایک رسول ﷺ مبعوث کیا جو اس کی آیات پڑھ کر لوگوں کو سناتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت سکھاتا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے لوگ کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔''

یہی مضمون سورہ بقرہ آیات 129 اور 151 نیز سورۂ جمعہ آیت 2 میں بھی آیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن نے رسول ﷺ کو معلمِ قران کی حیثیت دی ہے۔ جو تلاوتِ آیات سے الگ ایک منصب ہے۔

3: رسول ﷺ بحیثیت شارع:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ

وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۝﴾

(الاعراف : 157)

''جولوگ اُمی نبی ورسول ﷺ کی پیروی کرتے ہیں جسے وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، وہ ان کو معروف کا حکم دیتا اور منکر سے روکتا ہے۔وہ ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حرام ٹھہراتا ہے وہ ان پر سے وہ بوجھ اور پابندیاں اتارتا ہے جو ان پر پہلے سے رہی ہیں۔''

اس آیت کے الفاظ ﴿وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ﴾......رسول اللہ ﷺ کے لیے بطور صفت آئے ہیں......جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول ﷺ کو تحلیل وتحریم کا کام بھی سپرد کیا گیا ہے اور جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ آپ کو قرآنی دستور کی روشنی میں تشریع (Legislation) کا حق حاصل ہے۔احادیث سے بھی آپ ﷺ کے شارع ہونے کا ثبوت ملتا ہے مثلاً ایک حدیث ہے:

((مَابُعث نبی اللہ الا مُحِلًا و مُحرِّمًا .))

(صحیح مسلم، رقم : 5040)

''اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو حلال وحرام ٹھہرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔''

فقہ اور اصولِ فقہ کی کتابوں میں بھی جگہ جگہ الشارع (Law-Giver) کا لفظ نبی ﷺ کے لیے بطور ایک عَلَم کے آتا ہے اور یہ لفظ ہمارے دینی ادب میں حضور ﷺ کی صفت کے طور پر مستعمل ہے۔اس تفصیل سے رسول ﷺ کی تشریعی حیثیت واضح ہو جاتی ہے۔

4: رسول ﷺ بحیثیت مطاع:

پھر جس طرح قرآن واجب الاطاعت ہے اسی طرح رسول اللہ ﷺ بھی واجب الاطاعت مطاع ہیں۔قرآن میں کئی جگہ آیا ہے کہ:

﴿اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ﴾

''اللہ کی اطاعت کرو اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو۔''

مثال کے طور پر سورۂ محمد میں ہے کہ:

﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ اَطِیْعُوْا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْآ اَعْمَالَکُمْ o﴾

(محمد:33)

''اے مسلمانو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال خراب نہ کرو۔''

دوسری جگہ فرمایا:

﴿وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِ ط﴾ (النساء:64)

''اور ہم نے ہر رسول ﷺ کو اسی لیے بھیجا ہے کہ اللہ کے اذن سے اس کی اطاعت کی جائے۔''

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿وَمَا اٰتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا ط﴾ (الحشر:7)

''رسول ﷺ جو کچھ تمہیں دے، لے لو اور جس چیز سے روکے اس سے رک جاؤ۔''

ان آیات سے بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ واجب الاطاعت مطاع ہیں۔

5: رسول ﷺ بحیثیت مُبیّن قرآن

رسول اللہ ﷺ کے منصبِ رسالت کا ایک اہم فریضہ یہ تھا کہ آپ قرآن کی تبیین فرمائیں تا کہ لوگوں پر اس کا صحیح مدعا و مفہوم واضح ہو سکے اور وہ اس کے مطابق ٹھیک ٹھیک عمل کر کے دنیا و آخرت میں فوز و فلاح سے ہم کنار ہوں۔

﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتَابَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَیْھِمْ ط﴾ (النحل:44)

''اور ہم نے آپ کی طرف ذکر یعنی قرآن نازل کیا ہے تا کہ تم لوگوں پر وہ چیز واضح کر دوں جو ان کے لیے نازل ہوئی ہے۔''

اگر تبیین کا یہ خدائی اہتمام نہ ہوتا تو قرآن مجید باوجود اپنے عربی مبین ہونے کے عملی دنیا میں سب کے لیے ایک معمہ اور چیستان بن کر رہ جاتا۔

تبیین قرآن، رسول اللہ ﷺ کا وہ خاص پیغمبرانہ منصب ہے جو آپ ﷺ کے سوا اس اُمت کے کسی فرد کو حاصل نہیں۔ کیونکہ کوئی دوسرا شخص آپ کی طرح معصوم عن الخطا نہیں ہے کہ اس کی تبیین کی صحت پر پوری طرح اعتماد کیا جا سکے۔ اور نہ ہی دوسرا شخص رسول یا نبی ہے کہ اس کی تبیین کو یہ مقام حاصل ہو کہ اسے

بے چون چرا تسلیم کرلیا جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی پیغمبرانہ حیثیت سے قرآن کی جو تبیین وتشریح فرمائی۔اس کی چند اہم صورتیں یہ تھیں۔

1: قرآن کے کسی مجمل حکم کی تفصیل یا تشریح بیان کرنا۔

2: قرآن کے کسی مطلق حکم کی تقیید یا تحدید کرنا۔

3: قرآن کے کسی حکمِ عام میں تخصیص کردینا۔

اب ہم ان تینوں امور کی وضاحت کرتے ہیں۔

1: قرآن کے کسی مجمل حکم کی تفصیل یا تشریح بیان کرنا:

یہ ایک حقیقت ہے کہ قرآن مجید اصول وکلیات کی کتاب ہے اور اس میں بیشتر احکام مجمل طور بیان ہوئے ہیں۔مثال کے طور پر نماز کے حکم کو لیجئے۔نماز دین کا ستون اور سب سے افضل عمل ہے۔اور قرآن میں اکثر آتا ہے کہ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ (نماز قائم کرو) مگر قرآن یہ نہیں بتاتا کہ اقامتِ صلٰوۃ کا عملی طریقہ کیا ہے؟ اوقات نماز کیا ہیں؟ رکعاتِ نماز کتنی ہیں؟ ہیئت وترکیب نماز کیا ہیں؟ یہ سب چیزیں ہمیں سنت بتاتی ہے اور سنت کی شرح وتفصیل کے بغیر کوئی شخص وہ نماز نہیں پڑھ سکتا جس کا حکم قرآن نے دیا ہے۔

اسی طرح قرآن مجید میں دین کا ایک بڑا حکم ایتائے زکوٰۃ یعنی زکوٰۃ ادا کرنے کا موجود ہے۔مگر اس کی عملی تفصیل بیان نہیں ہوئی۔نصابِ زکوٰۃ کیا ہے؟ زکوٰۃ کب واجب ہوتی ہے؟ اور صاحبِ نصاب کون شخص ہے؟ ان تمام سوالوں کا جواب ہمیں سنت دیتی ہے اور زکوٰۃ کے فریضہ کو ایک قابلِ عمل حکم بناتی ہے۔ورنہ سنت کی غیر موجودگی میں زکوٰۃ کی ادائیگی ایک ناممکن العمل چیز ہے۔سنت کے ذریعے قرآن کے مجمل احکام کی تفصیلات کا طے کرنا بھی تبیین قرآن کا ایک حصہ ہے۔

2: قرآن کے کسی مطلق حکم کی تقیید یا تحدید کرنا:

قرآن مجید میں کئی جگہ مطلق احکام وارد ہوئے ہیں۔سنتِ نبوی ﷺ قرآن کی تبیین کرتے ہوئے بعض مطلق احکام کو مقید یا محدود کرتی ہے اور اس طرح سنت کے ذریعے سے قرآن کے حکم کا اصل منشا اور صحیح عملی اطلاق واضح ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر قرآن مجید کا ارشاد ہے:

1: ﴿اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا﴾ (المائدہ: 38)

''چور مرد اور چور عورت، دونوں کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔''

اس طرح قرآن نے ہر چور مرد اور چور عورت کے لیے قطع ید کا مطلق حکم دیا ہے اور جہاں تک ظاہر الفاظ کا تعلق ہے، ایک سوئی اور ایک پیشہ چوری کرنے والا بھی ''سارق'' ہے اور اس کو دونوں ہاتھ کاٹنے کی سزا دی جانی چاہئے۔

مگر سنت اس بظاہر مطلق حکم کو مقید اور محدود کر دیتی ہے۔ وہ ''سارق'' کی تعریف کر کے اس کے لیے حد جاری کرتی ہے۔ دونوں ہاتھ کاٹنے کی بجائے صرف ایک ہاتھ اور وہ بھی دایاں ہاتھ کاٹنے کا حکم دیتی ہے۔دونوں ہاتھ کاٹنے کی بجائے ایک ہاتھ اور وہ بھی دایاں کاٹنے کا حکم دیتی ہے۔چوری کی کم سے کم مقدار یعنی نصاب سرقہ مقرر کرتی ہے جس سے کم کی چوری ''سرقہ'' نہیں ہے۔صرف محفوظ ومحروز مال کی چوری پر چوری کا اطلاق کرتی ہے غیر محفوظ مال چرانے والے کو ''سارق'' قرار نہیں دیتی۔اس طرح قرآن کے ایک مطلق حکم پر بعض قیود عائد کر کے اسے مقید اور محدود کر دیتی ہے۔ [1]

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

2: ﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا جَلْدَةٍ﴾ (النور :2)

''زانیہ عورت اور زانیہ مرد دونوں میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو۔''

جہاں تک ظاہر الفاظ کا تعلق ہے قرآن کا یہ حکم مطلق طور پر آیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا ہر قسم کے جرم زنا کی سزا سو کوڑے ہیں۔مگر حقیقت یہ نہیں ہے کیونکہ ایسا سمجھنا خود قرآن کی اس نص کی خلاف ورزی ہے۔جس میں قرآن حکیم نے لونڈی کے ارتکاب زنا پر ان کے لیے پچاس کوڑوں کی سزا مقرر کی ہے۔
(ملاحظہ ہو النساء آیت 25)

---

[1] بعض فقہاء نے سنت کی اسی حیثیت کے پیش نظر یہ بات کہی ہے کہ ''السنة قاضية على الكتاب''، جس کا مطلب یہ ہے کہ سنت کو قرآن کے بارے میں فیصلہ کن حیثیت حاصل ہے۔بعض لوگوں نے اس بات کی مخالفت اس غلط فہمی کی بنا پر کی ہے کہ یوں اس کے قائلین نے سنت کو قرآن پر مقدم کر دیا ہے۔حالانکہ امر واقعہ یہ نہیں ہے۔جیسا کہ امام شاطبیؒ نے تصریح کی ہے۔

"فمعنى كون السنه قاضية على الكتاب انها مبينة له فلا يوقف مع اجماله واحتماله و قد بينت المقصود منه لا انها مقدمة عليها." (موافقات جلد 4 ص104)

''السنة قاضيه على الكتاب''کے معنی یہ ہیں کہ سنت قرآن تبیین وتشریح کرتی ہے اور اس کے اجمال واحتمال کا اصل مقصود اور مدعا واضح کرتی ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ سنت کو قرآن پر تقدم یا فوقیت حاصل ہے۔

اس کے بعد سنت نے آزاد زانیوں میں سے صرف غیر شادی شدہ زانیوں پر حکم کا اطلاق کیا ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ قرآن کے حکم کا منشا یہی ہے اس لئے کہ سنت قرآن ہی کی تبیین وتشریح کا نام ہے جسے اس سے الگ یا اس کے خلاف قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اور سنت کا یہ کام خلاف قرآن نہیں ہے بلکہ عین موافقِ قرآن ہے

3: قرآن کے کسی حکم عام کی تخصیص کرنا:

قرآن مجید میں بعض ایسے امور بھی ہیں جن کی نوعیت ''حکم عام'' کی ہوتی ہے اور جہاں تک قرآن کے عموم الفاظ کا تعلق ہے تعمیم کی وجہ سے ان کا حکم نوعِ مذکور کے تمام افراد پر حاوی ہوتا ہے مگر سنت بعض افراد کو اس عموم سے الگ کر دیتی ہے اور ان پر اس حکم عام میں سنت کی تخصیص کرنا بھی منشائے قرآنی کو واضح کرنے کے کیے ہے اور اس سے ''قرآن کی خلاف ورزی'' لازم نہیں آتی۔

تخصیص کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

1: قرآن مجید کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَآ أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللّٰهِ﴾

(البقرہ:173)

''اللہ نے تمہارے لیے صرف مردار، خون اور سور کا گوشت حرام ٹھہرایا ہے اور جو غیر اللہ کے نام سے منسوب ہو''

اس مقام کے علاوہ اور بھی چند ایک مقامات پر قرآن نے میتہ یعنی ہر قسم کا مردار حرام قرار دیا ہے مگر حدیث میں آتا ہے کہ:

((أُحِلَّتْ لَنَا مَيْتَتَانِ ـ اَلْحُوتُ وَالْجَرَادُ .)) (ابن ماجه، رقم: 3314)

''ہمارے لیے دو مردار حلال ہیں۔ ایک مچھلی اور دوسری ٹڈی۔''

ایک دوسری روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سمندر کے پانی کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا اس سے وضو کیا جا سکتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا۔

((هُوَ الطَّهُوْرُ مَاؤُهُ وَالْحِلُّ مَيْتَتُهُ .)) (ابوداؤد، رقم: 83)

''اس (سمندر) کا پانی پاک ہے اور اس کا مردار (مردار مچھلی)''

ان دونوں حدیثوں کی رو سے مردہ مچھلی اور مردہ ٹڈی دونوں حلال ہیں اور ان روایات کی بنیاد پر فقہاء نے قرآن کے حکم عام میں تخصیص مانی ہے اور قرآن کے حکم کے مطابق ہر قسم کا مردار حرام سمجھتے ہوئے مردہ مچھلی اور مردہ ٹڈی کا معاملہ الگ قرار دیا ہے اور ان دونوں کو سنت کے حکم کے تحت حلال سمجھا ہے اور یہ چیز خلاف قرآن نہیں ہے بلکہ منشائے قرآن یہی ہے۔

2: قرآن مجید نے نماز کے لئے وضو کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ (المائدہ:6)

''اے مسلمانو! جب نماز کے لئے اٹھو تو اپنے منہ ہاتھ اور کہنیوں تک ہاتھ دھولیا کرو اور ٹخنوں تک اپنے پاؤں بھی دھولیا کرو۔''

قرآن نے وضو میں پاؤں دھونے کو بھی واجب قرار دیا ہے۔ مگر حدیث میں ہے کہ مسح علی الخفین یعنی جس شخص نے موزے پہن رکھے ہوں تو وہ پاؤں نہ دھوئے بلکہ موزوں پر مسح کرلے اس کے لیے یہی حکم ہے۔

((عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّهٗ مَسَحَ عَلَى الْخُفَّیْنِ ﷺ .))

(صحیح بخاری، رقم : 202)

''سعد بن ابی وقاص سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے موزوں پر مسح کیا۔''

قرآن کا حکم بظاہر عام تھا کہ ہر وضو کرنے والا پاؤں دھوئے مگر سنت نے تخصیص کردی کہ متخفف (موزے پہنے ہوئے) شخص کے لیے پاؤں دھونے کا نہیں بلکہ مسح الخفین کا حکم ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ موزوں پر مسح بھی کامل الطہارۃ چیز ہے اور اس کے ساتھ پورا وضو ہو جاتا ہے اس طرح قرآن کا حکم ہر اس شخص کے لیے عام ہے جو موزے پہنے ہوئے نہ ہو اور سنت کا حکم اس شخص کے لے خاص ہے جس نے موزے پہن رکھے ہوں اور دونوں حکموں میں کوئی تناقض اور تضاد نہیں ہے۔

3: قرآن مجید فرماتا ہے:

﴿وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ (البقرہ : 275)

''اور اللہ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام ٹھہرایا ہے۔''

گویا قرآن نے ہر قسم کی تجارت جو حلال اور ہر قسم کے سود کو حرام ٹھہرایا ہے مگر حدیث میں آتا ہے کہ:

((اِنَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ حَرَّمَا بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْاَصْنَامِ ﷺ .))

(صحيح بخاری، رقم: 2236)

''اللہ اور اس کے رسول نے شراب ٗ مردہ جانور اور بتوں کی تجارت کو حرام ٹھہرایا ہے۔''

اس کے علاوہ دیگر روایات بھی ملتی ہیں جن کی رو سے تجارت کی بعض دیگر صورتیں بھی حرام ہیں:

غور کیجئے! قرآن کے الفاظ ہر قسم کی تجارت کو مطلقاً حلال ٹھہراتے ہیں مگر سنت نے تجارت کی بعض صورتوں کی تخصیص کر کے ان کو حرام قرار دے دیا ہے مگر اس سے قرآن کی خلاف ورزی نہیں ہوتی بلکہ قرآن ہی کا منشا و مفہوم واضح ہوتا ہے۔

4: قرآن مجید نے محرمات نکاح کی تفصیل بیان کرنے کے بعد آخر میں فرمایا ہے کہ:

﴿وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ﴾ (النساء: 24)

''ان کے ماسوا سب عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں یعنی ان سے نکاح جائز ہے۔''

مگر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا يُجْمَعُ بَيْنَ الْمَرْءَةِ وَعَمَّتِهَا وَلَا بَيْنَ الْمَرْءَةِ وَخَالَتِهَا .))

(صحيح بخاری، رقم: 5109)

''ایک مرد کے نکاح میں بیک وقت عورت اور اس کی پھوپھی جمع نہیں ہوسکتیں اور اسی طرح عورت کوئی عورت اور اس کی خالہ بھی کسی ایک مرد کے نکاح میں جمع نہیں ہوسکتیں۔''

اس طرح سنت کی رو سے کوئی شخص اپنے نکاح میں کسی عورت اور اس کی پھوپھی یا خالہ کو بیک وقت جمع نہیں کرسکتا۔

قرآن میں تمام محرمات نکاح کا ذکر کرنے کے بعد جو حکم عام فرمایا کہ:

﴿وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ﴾ یعنی ان محرمات مذکورہ کے بعد تمام قسم کی عورتوں سے نکاح ہوسکتا ہے تو سنت نے اس میں تخصیص فرمادی ہے کہ عورت اور اس کی پھوپھی یا خالہ سے بھی بیک وقت نکاح نہیں ہوسکتا۔ گویا قرآن کے حکم عام کا اطلاق ان پر نہیں ہوتا۔ بلکہ ان عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے۔ سنت کی یہ تخصیص بھی خلافِ قرآن ہرگز نہیں ہے بلکہ قرآن کے بالکل مطابق ہے۔

5: قرآن مجید کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا﴾ (النساء : 103)

''بلاشبہ اہل ایمان پر پابندیٔ وقت کے ساتھ نماز فرض ہے۔''

قرآن کی رو سے ہر مسلمان کے لئے خواہ وہ مرد ہو یا عورت نماز ادا کرنا فرض ہے مگر حدیث میں ہے۔

((اَلَيْسَ اِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ .)) (صحیح بخاری، رقم : 304)

''کیا ایسا نہیں ہے کہ عورت جب حائضہ ہوتو نماز ادا نہیں کرسکتی۔''

اس طرح سنت نے قرآن کے حکم عام میں حائضہ عورت کی تخصیص کر دی ہے اور اس کے ایا م حیض میں اس قرآنی حکم کا اطلاق نہیں کیا۔ اگر ایسی عورت پر نماز فرض ہوتی تو اس کے لیے فوت شدہ نمازوں کی قضا لازم ٹھہرتی اور اہل علم جانتے ہیں کہ حائضہ کے لئے نمازوں کی قضا نہیں ہے۔ پوری اُمت کا اسی پر عمل رہا ہے اور کسی نے بھی سنت کی اس تخصیص کو کبھی ''خلافِ قرآن'' نہیں سمجھا۔

:6 قرآن حکیم فرماتا ہے۔

﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًاo﴾

''والدین اور رشتہ داروں کے ترکے میں مردوں کا حصہ ہے خواہ ترکہ کم ہو یا زیادہ اور والدین اور رشتہ داروں کے ترکے میں عورتوں کا حصہ ہے خواہ ترکہ کم ہو یا زیادہ۔ ہر ایک کا مقررہ حصہ ہے۔''

قرآن کی اس آیت کی رو سے اس کا یہ حکم عام ہے کہ والدین کے ترکہ سے اولاد کو اس کا حصہ ملنا چاہئے اور یہ استحقاق وراثت مجرد قرابت داری کی بنیاد ہے لہٰذا ایک معاشرے کا یہ فرض ہے کہ وہ اولاد کو ان کے والدین کی چھوڑی ہوئی جائداد سے حصّہ دلائے۔

مگر حدیث میں آتا ہے:

((لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ .)) (صحیح مسلم، رقم : 4140)

''کوئی مسلمان کسی کافر کا وارث نہیں ہوسکتا۔''

اس طرح سنت نے قران لے ایک حکم عام میں تخصیص کردی کہ کافر والدین کے ترکے میں مسلمان اولاد کا کوئی حصّہ نہیں۔ سنت کی اس تخصیص کو بھی آج تک امت کے کسی صاحب علم نے ''خلاف قرآن'' نہیں کہا بلکہ سب نے اسے قرآن کے منشا کے عین مطابق ہی سمجھا ہے۔

7: قرآن کا ارشاد ہے:

﴿اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ﴾ (المائدہ:1)

''تمہارے لئے مویشی کی قسم کے سب چوپائے حلال ہیں سوائے ان کے جن کے حرام ہونے کے بارے میں تمہیں پڑھ کے سنا دیا جائے''

قرآن کے اس حکم سے واضح ہوتا ہے کہ ہر قسم کے چوپائے حلال ہیں سوائے ان کے جن کو قرآن نے حرام ٹھہرایا ہے۔

مگر حدیث میں ہے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ:

((نهى النبي ﷺ عن لحوم الحمر الاهلية يوم خيبر.))

''نبی ﷺ نے خیبر کے دن پالتو گدھے کا گوشت کھانے سے منع کیا۔''

پھر پالتو گدھے کے گوشت کو قرآن نے کہیں بھی حرام نہیں ٹھہرایا مگر سنت نے اسے حرام قرار دیا ہے۔ (صحیح بخاری، رقم:5527) سنت کی یہ تخصیص قرآن کے اسی حکم عام میں ہوئی ہے اور اس کے خلاف ہرگز نہیں ہے بلکہ منشائے قرآن کے عین مطابق ہے۔

8: قرآن کہتا ہے:

﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾ (النور:2)

''زانیہ عورت اور زانی مرد دونوں میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو۔''

اس آیت کی رو سے جرمِ زنا کی حد سو کوڑے ہیں۔ مگر قرآنِ حکیم نے دوسری جگہ لونڈیوں کے جرمِ زنا کی سزا یہ بیان کی ہے:

﴿فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ﴾

[النساء:25]

''پھر اگر وہ (لونڈیوں) قیدِ نکاح میں آ جانے کے بعد بدکاری کا ارتکاب کریں تو جو سزا ''محصنات'' کے لیے مقرر ہے۔اس کی نصف سزا ان پر ہوگی۔''

اس دوسری آیت نے پہلی آیت کے حکم کو آزاد زانیوں کے ساتھ مخصوص کر دیا کیونکہ لونڈیوں اور (ان کے ساتھ غلاموں) کے لیے جرمِ زنا پر نصف عذاب یعنی پچاس کوڑوں کی الگ حد ہے۔

مگر بہت سی احادیث و روایات میں رسول اللہ ﷺ نے شادی شدہ آزاد زانیوں کو کوڑوں کی سزا نہیں دی بلکہ ان پر رجم کی علیحدہ حد جاری فرمائی۔اس طرح قرآن کے ایک حکم عام میں سنت نے شادی شدہ آزاد زانی کی تخصیص کر دی کہ آیتِ جلد کے حکم کا اطلاق اس پر نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے الگ سے رجم کی سزا مقرر ہے۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ سنت رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید کی تبیین اور تشریح کئی طرح سے کی ہے۔کبھی اس کے اجمال کی تفصیل بیان کر کے،کبھی اس کے کسی مطلق حکم کو مقید و محدود کر کے اور کبھی اس کے کسی حکم عام کو مخصص کر کے فریضۂ تبیین ادا کیا ہے اور سنت کی یہ تبیین،قرآن ہی کی شرح وتفسیر ہے جو قانونی حیثیت سے وہی وزن رکھتی ہے جو وزن قرآن کے ظواہر احکام رکھتے ہیں اور اس کا انکار قرآن سے انکار کے مترادف ہے۔

ضمیمہ 3: صحابہ کرام اور اطاعت رسول ﷺ کے واقعات

اطاعت رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے صحابہ کرام کا کردار مثالی تھا۔ وہ نبی کریم ﷺ کے ہر حکم پر بلکہ اشارۂ ابرو پر فوراً عمل کرتے تھے۔ اس سلسلے میں ذیل میں چند واقعات بطورِ نمونہ دیے جاتے ہیں۔

1۔ شہادت کا بدلہ جنت:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (ایک غزوے کے دوران میں) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''بے شک جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔''

یہ سن کر ایک شخص جو پراگندہ حال تھا، اُٹھ کھڑا ہوا۔ اُس نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا:

''اے ابوموسیٰ! تم نے رسول اللہ ﷺ کو یہ بات فرماتے ہوئے سنا ہے؟''

ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: جی ہاں!

اس پر وہ شخص اپنے ساتھیوں کی طرف مڑا اور اُن سے کہنے لگا:

''میں تمھیں سلام کہتا ہوں۔''

پھر وہ شخص اپنی تلوار لے کر دشمن کی طرف گیا۔ وہ تلوار چلاتا رہا، یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ (صحیح مسلم، رقم: 4916)

2۔ مسافر یا اجنبی کی امامت:

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ:

''جو شخص کہیں اور لوگوں کے ہاں جائے تو ان کی امامت نہ کرے بلکہ خود اُنہی لوگوں میں سے کوئی شخص اس فرض کو ادا کرے۔''

ایک مرتبہ حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کسی علاقے کی مسجد میں تشریف لے گئے تو وہاں کے لوگوں نے امامت کے لیے درخواست کی۔ حضرت مالک رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع کیا ہے۔ (ابوداؤد، رقم: 596۔ ترمذی، رقم: 356۔ نسائی، رقم: 788)

وضاحت :......ایک اور روایت میں ((إِلَّا بِإِذْنِهِمْ)) کے الفاظ آئے ہیں کہ وہاں کے لوگوں کی اجازت سے اجنبی شخص بھی امامت کرسکتا ہے۔ممکن ہے یہ دوسری حدیث حضرت مالک رضی اللہ عنہ کے علم میں نہ آئی ہو، یا اس کے باوجود اُنھوں نے تقویٰ اور احتیاط کا پہلو اختیار کر کے امامت سے اجتناب کیا ہو۔

3۔زیور کی زکوٰۃ:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یمن کی ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی۔ اس کے ساتھ اس کی بیٹی بھی تھی، جس کے ہاتھ میں سونے کے دو کنگن تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا:

''کیا تم ان کی زکوٰۃ دیتی ہو؟''

اس نے نفی میں جواب دیا۔اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کیا تمھیں یہ پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمھیں آگ کے دو کنگن پہنادے۔''

یہ سن کر اس عورت نے وہ کنگن اُتار کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ڈال دیے اور کہا:

''یہ اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہیں۔'' (سنن نسائی، رقم:2481)

4۔موت کی تمنا نہ کرو:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

اگر میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نہ سنا ہوتا کہ:

''موت کی تمنا نہ کرو۔''

تو میں ضرور موت کی تمنا کرتا۔(صحیح بخاری، رقم:7233)

5۔قبر بنوانے میں اطاعت:

حضرت عامر بن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اُن کے والد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے وفات سے پہلے بیماری کی حالت میں یہ وصیت کی تھی:

''میرے لیے لحد (بغلی قبر) بنانا اور لحد کے اُوپر کچی اینٹیں رکھنا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کیا گیا تھا۔''(صحیح مسلم، رقم:2240)

6۔میت کا سوگ تین دن:

رسول اللہ ﷺ نے شوہر کے سوا باقی تمام رشتہ داروں میں سے کسی کی وفات پر سوگ کے لیے صرف تین دن مقرر فرمائے تھے۔صحابیات نے اِس امر کی اِس شدت کے ساتھ پابندی کی کہ جب اُمّ المؤمنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے بھائی کا انتقال ہوا تو اُن کی وفات کے بعد چوتھے دن بھی کچھ خواتین اُن سے ملنے آ گئیں۔اُنھوں نے اُن سب کے سامنے خوشبو لگائی اور کہا کہ؛

''مجھے خوشبو لگانے کی کوئی ضرورت نہ تھی، لیکن میں نے حضور ﷺ کو منبر پر یہ فرماتے سنا ہے کہ کسی مسلمان عورت کو شوہر کے سوا تین دن سے زیادہ کسی کا سوگ نہیں منانا چاہیے، تو یہ اسی حکم کی تعمیل میں ہے۔'' (ترمذی، رقم:1196)

7۔حاجیوں کو پانی پلانا:

جناب بکر بن عبداللہ مزنی کہتے ہیں کہ میں خانہ کعبہ کے پاس ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک دیہاتی شخص آیا اور اُس نے ان سے کہا:

''آپ کے چچا کے بیٹے لوگوں کو شہد کا شربت اور دودھ پلاتے ہیں لیکن آپ صرف کھجور کا شربت پلا دیتے ہیں، کیا آپ غریب ہوگئے ہیں یا بخیل؟''

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا:

''الحمد للہ ہم نہ غریب ہیں اور نہ بخیل۔اصل بات یہ ہے کہ ایک مرتبہ ہمارے ہاں حضرت محمد ﷺ اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر تشریف لائے۔ان کے ہمراہ سیّدنا اُسامہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔حضور ﷺ نے ہم سے پانی طلب فرمایا تو ہم نے آپ ﷺ کو کھجور کے شربت کا پیالہ پیش کر دیا۔آپ ﷺ نے اسے نوش فرمایا اور جو باقی بچا وہ اُسامہ رضی اللہ عنہ کو پلا دیا۔اس کے بعد فرمایا:

''تم لوگوں نے بہت اچھا اور خوب کام کیا۔ایسا ہی کیا کرو۔''

اب ہم اس روایت کو چھوڑنا نہیں چاہتے جس کی تاکید ہمیں رسول اللہ ﷺ نے فرمائی تھی۔''

(صحیح مسلم، رقم:3179)

8۔حجرِ اسود کو بوسہ دینا:

جناب عابس بن ربیعہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حجرِ اسود کے پاس دیکھا، وہ فرما رہے تھے

کہ میں خوب جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے اور اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو تجھے کبھی بوسہ نہ دیتا۔ پھر آپ اس کے قریب آئے اور اُسے چوما۔

(سنن ابی داود، رقم:1873۔ سنن نسائی، رقم:2940)

9۔ سوار ہونے کی دُعا:

علی بن ربیعہ کہتے ہیں کہ:

میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ اُن کے پاس ایک سواری لائی گئی تا کہ وہ اس پر سوار ہوں۔ پھر جب اُنھوں نے رکاب میں پاؤں رکھا تو کہا: "بِسْمِ اللّٰہِ" جب اس کی پیٹھ پر بیٹھے تو کہا: "أَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" اور پھر یہ پڑھا کہ:

((سُبْحَانَ الَّذِيْ سَخَّرَلَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَإِنَّا إِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ .))

"پاک ہے وہ ذات جس نے اس سواری کو ہمارے تابع کر دیا ورنہ ہم اس پر قابو پانے والے نہ تھے اور بے شک ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔"

پھر تین دفعہ الحمدللہ اور تین بار اللہ اکبر کہا اور اس کے بعد یہ دُعا کی:

((سُبْحَانَكَ إِنِّيْ قَدْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْلِيْ فَإِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا أَنْتَ .))

"تیری ذات پاک ہے، میں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے، پس تو مجھے بخش دے، کیونکہ تیرے سوا کوئی بھی گناہوں کو نہیں بخش سکتا۔"

اس کے بعد آپ ہنسے۔

میں نے پوچھا: "اے امیر المومنین! آپ کیوں ہنسے؟"

فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے بھی ایسا ہی کیا تھا، جو کچھ میں نے کیا ہے۔ میں نے بھی رسول اللہ ﷺ سے تبسم فرمانے کا سبب پوچھا تھا تو انھوں نے فرمایا تھا:

"جب کوئی بندہ یہ دُعا کرتا ہے کہ: "اے میرے پروردگار! میرے گناہ بخش دے، تیرے سوا گناہوں کو کوئی اور معاف کرنے والا نہیں تو اللہ تعالیٰ اس بندے سے بہت خوش ہوتا ہے۔"

(جامع ترمذی، رقم:3446)

10۔ حضور ﷺ کے قاصد کا نکاح:

حضرت ربیعہ اسلمی رضی اللہ عنہ ایک نہایت مفلس صحابی تھے۔ ایک بار نبی ﷺ نے ان کو نکاح کرنے کا مشورہ دیا اور فرمایا کہ جاؤ انصار کے فلاح قبیلے کی لڑکی سے نکاح کر لو۔

وہ اس قبیلے کے لوگوں کے پاس پہنچے اور کہا کہ:

''رسول اللہ ﷺ نے مجھے آپ لوگوں کے ہاں نکاح کرنے کے لیے بھیجا ہے۔''

ان لوگوں نے حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ کا خیر مقدم کیا اور کہا:

''رسول اللہ ﷺ کا قاصد ناکام واپس نہیں جا سکتا۔''

چنانچہ اس انصاری قبیلے والوں نے حضور ﷺ کے حکم کی فوری تعمیل کی۔ (مسند احمد)

11۔ بیوی سے علیحدگی:

رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ تبوک میں شرکت نہ کر سکنے والے تین صحابیوں سے قطع تعلق کرنے کا حکم فرمایا۔ ان تین حضرات میں سے ایک حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ آخر میں نبی ﷺ نے ان کو اپنی بیوی سے بھی علیحدگی اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی تو وہ بولے:

''طلاق دے دوں یا کچھ اور؟''

نبی ﷺ کے قاصد نے کہا:

''صرف علیحدگی مقصود ہے، طلاق نہیں۔''

چنانچہ اُنھوں نے اپنی بیوی کو فوری طور پر میکے بھیج دیا۔ (صحیح بخاری، رقم:4418۔ صحیح مسلم، رقم:7016)

12۔ قرض لینا:

حضرت عمران بن حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ؛ اُمّ المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا دوسروں سے بہت قرض لیا کرتی تھیں۔ بعض لوگوں نے اس پر اعتراض کیا تو وہ فرمانے لگیں:

میں نے اپنے پیارے اور برگزیدہ نبی ﷺ سے سنا ہے کہ؛

''جو شخص اس نیت سے قرض لیتا ہے کہ بعد میں ادا کر دے گا تو اللہ تعالیٰ اُسے دنیا ہی میں قرض ادا کرنے کی توفیق دے دے گا۔'' (سنن نسائی، رقم:4691)

13۔ وراثت میں دادی کا حصہ:

ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس ایک عورت اپنے پوتے کی میراث میں سے اپنا حصہ مانگنے آئی۔ آپ نے اُس سے کہا:

'' قرآنِ مجید میں تمہارے حصے کا ذکر نہیں آیا اور نہ دادی کے حصے کے متعلق مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی حکم معلوم ہے۔''

اُس موقعہ پر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ اُنھوں نے کہا:

مجھے معلوم ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وراثت میں دادی کا چھٹا حصہ دلایا تھا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے کہا؛ اس حدیث کا کوئی اور گواہ بھی ہے؟

اس پر وہاں موجود حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے گواہی دی۔

ان کی گواہی سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو وراثت میں سے چھٹا حصہ دلوا دیا۔

(ابوداؤد، رقم:2894)

14۔ شراب بہادینا:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ؛

میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے مکان میں لوگوں کا ساقی تھا (اور اُنھیں شراب پلا رہا تھا) ان دنوں کھجور ہی کی شراب پی جاتی تھی۔ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یہ منادی کرنے کا حکم دیا کہ؛

''لوگو، سنو! شراب حرام ہوگئی ہے۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ منادی سن کر حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا کہ؛

''باہر جا کر یہ ساری شراب بہادو۔''

چنانچہ میں نے باہر آ کر وہ ساری شراب بہادی اور وہ مدینے کی گلیوں میں بہہ رہی تھی۔

(صحیح بخاری، رقم:5582)

15۔ کسی پر لعنت کرنا:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ؛

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے والد محترم) کے

پاس سے گزرے۔ اُس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے کسی غلام کو لعن طعن کر رہے تھے۔

اس موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

''تعجب ہے اور لعنت کرنے والا صدیق ہے؟ ہرگز نہیں۔ کعبے کے رب کی قسم! یہ دونوں وصف جمع نہیں ہو سکتے۔''

یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اُسی دن اپنا ایک غلام آزاد کیا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

''میں آئندہ ایسا ہرگز نہیں کروں گا۔'' (شعب الایمان، امام بیہقی)

16۔ اولاد میں برابری کرنا:

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے والد نے مجھے ایک غلام تحفے میں دیا۔ اس پر میری والدہ عمرہ بن رواحہ رضی اللہ عنہا بولیں:

''جب تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس تحفہ دینے پر راضی نہیں ہوں گے، میں بھی راضی نہیں ہوں گی۔''

چنانچہ میرے والد صاحب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور سارا ماجرا سنایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا:

''کیا آپ نے اپنے دوسرے بیٹوں کو بھی یہی کچھ دیا ہے؟''

انھوں نے عرض کیا:

''نہیں!''

فرمایا:

''پھر اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان انصاف کرو۔''

اس پر میرے والد گھر آئے اور انھوں نے اپنا دیا ہوا تحفہ مجھ سے واپس لے لیا۔

(صحیح بخاری، رقم:2586۔ صحیح مسلم، رقم:4185۔ ابوداؤد، رقم:3542)

17۔ کسی سے سوال نہ کرنا:

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص میری ایک بات قبول کرے میں اُس کے لیے جنت کا ذمہ لیتا ہوں۔''

میں نے عرض کیا: میں یہ قبول کرتا ہوں۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

''لوگوں سے کچھ نہ مانگ۔''

پھر حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کا حال یہ تھا کہ وہ اگر گھوڑے پر سوار ہوتے اور اُن کا کوڑا (چابک) کبھی نیچے گر جاتا تو کسی سے یوں نہ کہتے کہ میرا کوڑا اُٹھا دو، بلکہ وہ خود گھوڑے سے نیچے اُتر کر اُسے اُٹھاتے تھے۔

(ابن ماجہ، رقم:1837)

18۔مومن کی خیر خواہی:

ایک مرتبہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ بن عبداللہ نے اپنے ایک غلام کو گھوڑا خریدنے کے لیے بھیجا۔ اُس نے تین سو درہم میں ایک گھوڑے کا سودا کر لیا۔ اس گھوڑے کا مالک بھی رقم لینے کے لیے اُس کے ساتھ آ گیا۔

حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے گھوڑے کے مالک سے کہا:

''تمہارا گھوڑا تین سو درہم سے زیادہ کا ہے۔ تم اسے چار سو میں بیچ دو۔''

مالک بولا:

''میری طرف سے آپ کو اختیار ہے، آپ جتنی رقم دے دیں۔''

حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''وہ چار سو درہم سے بھی زیادہ کا ہے۔ اسے پانچ سو میں بیچو۔''

اس طرح حضرت جریر رضی اللہ عنہ ایک ایک سو درہم بڑھاتے گئے جب کہ گھوڑے کا مالک اس کی کم قیمت پر بھی راضی تھا۔ یہاں تک کہ آٹھ سو درہم میں گھوڑا خرید لیا۔

اس پر لوگوں نے حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے کہا: ''یہ تم نے کیا کیا؟''

حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بات کی بیعت کی تھی کہ میں ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کروں گا۔ یہ گھوڑے کا مالک بھی مسلمان تھا اور یہ خیر خواہی نہیں کہ میں اُسے نقصان پہنچاؤں۔''

(صحیح بخاری، رقم:524۔صحیح مسلم، رقم:199۔نسائی، رقم:4180)

19۔ وعظ و نصیحت میں وقفہ کرنا:

جناب عمرو بن حفص رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ تابعین میں سے کچھ لوگ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے وعظ کا انتظار کر رہے تھے مگر وہ اپنے گھر سے باہر نہ نکلے۔ پھر دریافت کرنے پر اُنھوں نے فرمایا:

''مجھے معلوم تھا کہ آپ لوگ میرا وعظ سننے کے لیے تشریف لائے ہیں لیکن میں اس لیے وعظ کہنے کے لیے نہیں آیا تھا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے وہ ہمیں خاص خاص موقعوں اور مناسب وقفوں کے ساتھ وعظ فرماتے تھے، تاکہ ہم لوگ کہیں اُکتا نہ جائیں۔ لہٰذا میں بھی تم لوگوں کو روزانہ وعظ نہیں کہوں گا۔''

(صحیح بخاری، رقم:70۔ صحیح مسلم، رقم:7129۔ ترمذی، رقم:6855۔ مشکوۃ، رقم:207)

20۔ گرا ہوا نوالہ کھانا:

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ صبح کا کھانا کھا رہے تھے۔ اس دوران میں ان کے ہاتھ ایک نوالہ نیچے گر پڑا۔ انھوں نے اُسے اُٹھایا اور صاف کر کے کھالیا۔

یہ منظر دیکھ کر کچھ عجمی کسانوں نے (جن کے وہ امیر تھے) ذرا حقارت سے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک دوسرے کو آنکھ ماری اور ان میں سے ایک شخص بولا:

''اللہ تعالیٰ ہمارے امیر کو سلامت رکھے۔ یہ کسان آپ کی طرف اشارے کر رہے ہیں کہ آپ کے پاس وافر کھانا ہے اور پھر بھی گرا ہوا نوالہ اُٹھا کر کھا رہے ہیں۔''

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں ان عجمیوں کی خاطر وہ بات (سنت) نہیں چھوڑ سکتا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ ہمیں یہی حکم دیا گیا ہے کہ اپنا گرا ہوا نوالہ اُٹھا کر کھالیا کریں اور اسے شیطان کے لیے نہ چھوڑ دیا کریں۔'' (ابن ماجہ، رقم:3278)

ضمیمہ 4: صحاحِ ستّہ کے مؤلفین اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ

1۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا نام محمد اور کنیت ابوعبد اللہ ہے۔ شوال 194ھ میں بخارا میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام اسماعیل، آپ کے دادا مغیرہ اپنے خاندان کے پہلے فرد ہیں جو مسلمان ہوگئے ورنہ مغیرہ کے والد تک پہلے سب لوگ مجوسی مذہب کے ماننے والے تھے۔ امام صاحب کے دادا نے چونکہ بخارا کے امیر یمان جعفی کے ہاتھوں اسلام قبول کیا تھا اس نسبت سے آپ جعفی بھی کہلاتے تھے۔ امام بخاری کا پورا نام یہ ہے:

ابوعبد اللہ محمد بن اسماعیل بن مغیرہ بخاری جعفیؒ

امام بخاری بچپن ہی میں یتیم ہو گئے تھے۔ امام صاحب کی والدہ آپ کو اور آپ کے بڑے بھائی احمد کو بخارا سے مکہ معظمہ لے آئی تھیں تا کہ اچھی تعلیم و تربیت ہو سکے۔

امام صاحب بہت ذہین اور عمدہ حافظے کے مالک تھے۔ ابتدا میں فقہ کی طرف توجہ کی۔ پھر علم حدیث کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کے لیے مصر، حجاز اور بصرہ کا سفر کیا۔

آپ کے اساتذہ میں اسحاق بن راہویہ، علی بن مدینی، ابوعاصم، محمد بن عبد اللہ، قتیبہ بن سعید، یحییٰ بن معین اور امام احمد بن حنبل شامل ہیں۔ آپ نے "الجامع الصحیح" کے علاوہ اور بھی کئی کتب لکھیں۔

صحیح بخاری کا پورا نام یہ ہے:

"اَلْجَامِعُ الصَّحِیْحُ الْمُسْنَدُ مِنْ حَدِیْثِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَسُنَنِهٖ وَاَیَّامِهٖ."

یہ کتاب چھ لاکھ احادیث میں سے انتخاب کر کے تیار کی گئی۔ اسے علماء و محدثین نے "اَصَحُّ الْكُتُبِ بَعْدَ كِتَابِ اللّٰهِ" (اللہ تعالیٰ کی کتاب کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب) قرار دیا۔ اس کتاب کی تیاری پر سولہ (16) برس لگ گئے۔

امام صاحب کے غیر معمولی حافظے کے بارے میں مشہور واقعہ ہے کہ جب آپ بغداد تشریف لے گئے تو وہاں کے محدثین نے آپ کا امتحان لینا چاہا۔ اس کام کے لیے دس افراد کو دس دس احادیث دی گئیں جن کی

سند اور متن کو الٹ پلٹ کر دیا گیا تھا۔ ان لوگوں نے ایک خاص علمی مجلس میں امام صاحب سے ان احادیث کے بارے میں دریافت کیا۔ امام صاحب نے ہر حدیث سننے کے بعد اُس سے لاعلمی کا اظہار کیا۔ آخر میں امام صاحب نے وہ ساری الٹ پلٹ کی ہوئی احادیث سنا دیں اور پھر اُن کو صحیح اسناد اور متون کے ساتھ پیش کر دیا۔ اس بے مثال حافظے اور ذہانت پر سب لوگ دنگ رہ گئے اور آپ کے علم وفضل کے قائل ہو گئے۔

(تاریخ بغداد)

امام صاحب اپنی صحیح میں ہر حدیث لکھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھتے تھے اور پھر وہ حدیث لکھتے تھے۔

اس کتاب کی وجہ تالیف کے بارے میں دو واقعات بہت مشہور ہیں:

(1)...... پہلا واقعہ ابتدائی دور کا ہے۔ امام بخاری ایک روز اپنے استاد اسحاق بن راہویہ کے درس میں شریک تھے۔ وہاں حدیث کے جمع وتدوین کا ذکر چھڑ گیا۔ استاد نے تمام شاگردوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ کاش کوئی ایسی کتاب جمع ہو جاتی جو رسول اللہ ﷺ کی مستند اور صحیح احادیث پر مشتمل ہوتی۔ اگرچہ یہ خطاب عام تھا لیکن امام صاحب کے دل پر نقش ہو گیا اور وہ اسی وقت سے اس کام کے لیے آمادہ ہو گئے۔

(2)...... دوسرا واقعہ پہلے واقعے سے بھی زیادہ مشہور ہے اور خود امام بخاری کی اپنی روایت کے طور پر بیان کی جاتی ہے کہ ایک دفعہ انھوں نے خواب میں دیکھا کہ رسول اکرم ﷺ تشریف فرما ہیں اور یہ حضور ﷺ کو پنکھا جھل رہے ہیں۔ آپ نے لوگوں سے اس خواب کی تعبیر پوچھی تو آپ کو بتایا گیا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی طرف جو جھوٹ منسوب ہے اُسے دور کرو گے۔ امام صاحب کے ذہن میں اپنے استاد اسحاق بن راہویہ کی بات بھی تھی۔ اس خواب کے دیکھنے اور اُس کی تعبیر معلوم ہو جانے کے بعد آپ نے صحیح احادیث جمع کرنے کا کام شروع کر دیا جو صحیح بخاری کی شکل میں مکمل ہوا۔

امام بخاری پہلے شخص ہیں جنھوں نے صرف صحیح احادیث کا مجموعہ مرتب کیا۔ اس سے پہلے حدیث کی کتابوں میں صحیح اور ضعیف ہر قسم کی روایات جمع کر لی جاتی تھیں۔ امام صاحب کا یہی امتیاز اور تقدم ہے جس نے اُن کو بجا طور پر ''امیر المومنین فی الحدیث'' کا لقب دلایا ہے۔

صحیح بخاری کی مقبولیت، شہرت اور اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ہر زمانے کے علماء نے اس کی شرحیں اور حواشی لکھے جن کی تعداد ایک سو سے زیادہ ہے۔ ان شروح میں چند ایک حسب ذیل ہیں:

1: فتح الباری از ابن حجر عسقلانی (متوفی 852ھ)

2: عمدۃ القاری از بدر الدین عینی (متوفی 855ھ)

3: ارشاد الباری از احمد بن محمد قسطلانی (متوفی 923ھ)

2۔امام مسلم

(پیدائش 206ھ۔وفات 261ھ)

آپ کا پورا نام مسلم بن حجاج القشیری نیشاپوری ہے۔آپ نیشاپور میں پیدا ہوئے۔بہت ذہین تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے شہر نیشاپور کے علماء و محدثین سے حاصل کی۔علم حدیث میں خاص دلچسپی لی۔دوسرے شہروں اور ملکوں کا سفر بھی کیا جن میں مصر، بغداد، بصرہ اور حجاز شامل ہیں۔امام بخاری سے بھی بہت استفادہ کیا۔

آپ کے شاگردوں میں امام ابن خزیمہ، ابوحاتم رازی، ابوعوانہ اور امام ترمذی شامل ہیں۔

آپ اعلیٰ اخلاق و کردار کے مالک تھے۔شاہ عبدالعزیز دہلوی نے آپ کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''ان کے عجائبات میں سے ایک یہ ہے کہ انھوں نے عمر بھر کسی کی غیبت نہیں کی، نہ کسی کو مارا اور نہ کسی کو گالی دی۔''

وہ حق گو اور بے باک شخص تھے۔اپنے اساتذہ کا بے حد احترام کرتے تھے۔امام مسلم فن حدیث میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔بعض لوگوں نے آپ کو امام بخاری پر ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ امام بخاری کی بہت سی روایتیں اہل شام کی کتابوں سے لی گئی ہیں، خود محدثین کی زبان سے نہیں سنی گئیں (فن حدیث کی اصطلاح میں اسے ''مناولہ'' کہا جاتا ہے۔) بعض اوقات ایک ہی راوی اپنی کنیت سے اور کہیں نام سے آجاتا ہے تو امام بخاری اُسے غلطی سے دو الگ الگ اشخاص سمجھ لیتے ہیں۔لیکن امام مسلم کے ہاں یہ غلطی نہیں ہوئی کیونکہ وہ صرف براہِ راست خود سنی ہوئی حدیثوں کو روایت کرتے ہیں۔اس کے علاوہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں یہ شرط بھی لگائی ہے کہ صرف ایسی حدیث روایت کریں گے جس کو کم سے کم دو ثقہ تابعین نے دو صحابیوں سے روایت کیا ہو اور یہی شرط تمام طبقات تابعین اور تبع تابعین میں ملحوظ رکھی ہے۔دوسرے یہ کہ امام مسلم نے راویوں کی صرف عدالت ہی نہیں بلکہ اُن کی شہادت کی شرط عائد کی ہے اور امام بخاری کے ہاں اس قدر پابندیاں نہیں ہیں۔

تاہم جمہور علماء نے صحیح بخاری کو صحیح مسلم پر ترجیح دی ہے۔

امام مسلم کی وفات کا واقعہ بھی اُن کی علمی لگن کو ظاہر کرتا ہے۔کہتے ہیں ایک روز آپ سے کسی نے کوئی

حدیث دریافت کی۔ اُس وقت آپ کو وہ حدیث یاد نہ تھی۔ گھر آ کر اُس حدیث کو اپنی کتابوں میں تلاش کرتے رہے۔ اتفاق سے کھجور کی ٹوکری پاس رکھی تھی۔ حدیث تلاش کرتے وقت ساتھ ہی آپ کھجور بھی کھاتے رہے۔ بے خیالی میں اندازہ نہ رہا کہ ٹوکری خالی ہوگئی۔ اس طرح غیر ارادی طور پر زیادہ کھجوریں کھالینا آپ کی موت کا سبب بن گیا اور 25 رجب 261ھ کو وفات پائی۔ آپ کو نیشاپور کے قریب نصیر آباد میں دفن کیا گیا۔

ابوحاتم رازی کہتے ہیں کہ میں نے امام مسلم کو خواب میں دیکھا اوران کا حال پوچھا تو انھوں نے جواب دیا:

''اللہ تعالیٰ نے اپنی جنت میرے لیے مباح کردی ہے جہاں چاہتا ہوں رہتا ہوں۔''

(بستان المحدثین اردو ترجمہ)

امام مسلم نے "الجامع الصحیح" کے علاوہ اور بھی کئی کتب لکھی ہیں۔لیکن جو شہرت اور قبول عام اس کتاب کو حاصل ہوا وہ آپ کی دوسری تصانیف کو حاصل نہیں ہوا۔صحاح ستہ میں اسے عام طور پر دوسرے درجہ حاصل ہے۔ یہ کتاب پندرہ (15) برس کی محنت کے بعد تیار ہوئی۔

بعض علماء نے صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر ترجیح دی ہے۔حافظ ابوعلی حاکم نیشاپوری کہا کرتے تھے:

''روئے زمین پر صحیح مسلم سے بڑھ کر کوئی اور صحیح کتاب نہیں ہے۔''

امام نسائی، مسلم بن قاسم اور ابوبکر اسماعیل وغیرہ بھی صحیح مسلم کو ترجیح دیتے تھے۔لیکن جمہور امت نے صحیح بخاری کو صحیح مسلم پر ترجیح دی ہے اور اس کا بنیادی سبب یہ قرار دیا ہے کہ جس وقت امام بخاری نے یہ کام کیا اُن کے سامنے کوئی اور نمونہ نہ تھا۔ جبکہ امام مسلم کے سامنے صحیح بخاری موجود تھی اور وہ اُس کی خوبیوں اور خامیوں سے فائدہ اٹھانے کی پوزیشن میں تھے۔

امام مسلم نے اپنی صحیح کا انتخاب تین لاکھ احادیث میں سے کیا تھا اور قابل اعتماد روایات جمع کیں۔ یہ کتاب اپنی گوناگوں خصوصیات رکھتی ہے۔ اس میں کل بارہ ہزار احادیث ہیں لیکن مکررات حذف کردیے جائیں تو مجموعی تعداد چار ہزار باقی رہ جاتی ہے۔ (ابن ماجہ اور علم حدیث)

3۔امام ابوداؤد

(پیدائش 206ھ۔وفات 275ھ)

آپ کا نام سلیمان اور کنیت ابوداؤد ہے۔ والد کا نام اشعث بن اسحاق ہے۔ سجستان میں پیدا ہوئے۔

پورا نام یہ ہے:

ابوداؤد سلیمان بن اشعث بن اسحاق سجستانی

آپ ایک خوشحال گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ابتدائی تعلیم کے بعد علم حدیث کی طرف متوجہ ہوئے۔ اپنے زمانے کے مشہور اساتذہ سے استفادہ کیا۔حصولِ علم کے لیے عراق، خراسان، مصر، شام، حجاز اور دوسرے ملکوں کا سفر کیا۔

آپ کے اساتذہ میں امام احمد بن حنبلؒ، اسحاق بن راہویہ، یحیٰ بن معین، ابوثور، ابوبکر بن ابی شیبہ اور قتیبہ بن سعید شامل ہیں۔

عمر کا زیادہ حصہ بغداد میں گزارا۔ وہیں اپنی کتاب ''سنن ابی داوٗد'' تالیف کی۔

شاگردوں میں امام ترمذی، امام نسائی، ابوعمرو، ابوسعید، ابوعیسیٰ اسحاق اور ابوبکر محمد بن عبد الرزاق بہت مشہور ہیں۔

امام صاحب کا حافظہ بہت اچھا تھا۔نہایت پرہیزگار انسان تھے۔ سادہ اور تحمل مزاج تھے۔آپ عالم باعمل تھے۔حدیث، فقہ اور تفسیر کے امام تھے۔

امام ابوداؤد کو بے شمار احادیث یاد تھیں۔آپ جرح وتعدیل کے بھی ماہر تھے۔اپنی سنن میں انھوں نے صرف احکام سے متعلق احادیث جمع کی ہیں۔

آپ بادشاہوں کے درباروں سے دور رہتے تھے۔آپ کے بارے میں یہ واقعہ مشہور ہے کہ خلیفہ ابو احمد موفق ایک روز آپ کے گھر آئے۔امام صاحب نے آمد کی وجہ پوچھی تو اُس نے کہا کہ آپ کے پاس تین گزارشات لے کر آیا ہوں۔ایک یہ کہ آپ ہمارے بصرہ تشریف لے چلیں اور وہاں مستقل قیام کریں تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ آپ سے مستفید ہوسکیں۔ دوسری گزارش یہ ہے کہ آپ میرے بچوں کو ''سنن'' کی تعلیم دیں اور تیسری درخواست یہ ہے کہ میرے بچوں کو باقی طلبہ سے الگ وقت دیں۔

جواب میں امام صاحب نے فرمایا کہ پہلی دونوں باتیں تو ممکن ہیں لیکن تیسری ممکن نہیں کیونکہ علم کے حصول میں عام طلبہ اور خلیفہ کی اولاد سب برابر ہیں۔

اس کے بعد آپ بصرہ تشریف لے گئے۔ وہاں درس کا حلقہ قائم کیا جس میں خلیفہ کے لڑکے بھی شریک ہوئے۔

امام صاحب نے اپنی عمر کے آخری چند برس بصرہ میں گزارے اور وہیں 275ھ میں فوت ہوئے۔

امام احمد بن حنبل نے ''سنن ابی داؤد'' کی تعریف کی تھی۔ یہ کتاب پانچ لاکھ احادیث میں سے سنن و احکام کی چار ہزار آٹھ سو (4800) احادیث کا مجموعہ ہے۔ اس سے پہلے ایسی کتاب لکھنے کا رواج نہ تھا۔ یہ کتاب آئی تو اسے بہت مفید اور اہم قرار دیا گیا۔

خود امام ابوداؤد نے اپنی سنن کے بارے میں لکھا ہے کہ:

> ''سنن میں چار ہزار آٹھ سو احادیث ہیں جو سب صحیح یا صحیح کے قریب ہیں۔ میں نے علم و یقین کے مطابق صحیح روایات جمع کرنے کی کوشش کی ہے جو حدیثیں سند کے لحاظ سے اعلیٰ درجے کی ہیں، ان کو ترجیح دی ہے۔ مرسل احادیث اُس وقت لاتا ہوں جب مسند اور متصل روایات نہیں ملتیں کیونکہ ایسی احادیث اہم ائمہ کے نزدیک قابل حجت رہی ہیں۔ منکر اور ضعیف سند والی روایتوں کو میں اہمیت نہیں دیتا البتہ صحیح روایات نہ ملنے کی صورت میں ان کی خامیوں کا ذکر کر کے ان کو نقل کر دیتا ہوں۔'' (تذکرۃ المحدثین)

امام صاحب نے لکھا ہے کہ میرے اس مجموعے (سنن ابی داؤد) میں چار ایسی احادیث ہیں جو دین پر عمل کرنے کے لیے کافی ہیں:

1: ((اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ .))

''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔''

2: ((مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ .))

''کسی آدمی کے اچھے مسلمان ہونے کی نشانی یہ ہے کہ وہ بے فائدہ کاموں کو چھوڑ دے۔''

3: ((لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِاَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ .))

''تم میں سے کوئی شخص اُس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے وہی کچھ پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔''

4: ((اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اِسْتَبْرَءَ لِدِيْنِهِ .))

''حلال اور حرام دونوں واضح ہیں اور ان کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں۔ جو شخص ان سے بھی بچتا ہے

اُس نے اپنے دین کو محفوظ کرلیا۔"

شاہ عبدالعزیز دہلوی نے امام صاحب کے اس قول کی تشریح میں لکھا ہے کہ:

"ان کے کافی ہونے سے مراد یہ ہے کہ شریعت کے قواعد و اصول معلوم کرنے کے بعد جزئی مسائل میں کسی مجتہد یا مرشد کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ مثلاً عبادات کی درستی کے لیے پہلی حدیث کافی ہے۔ زندگی کے قیمتی وقت کی حفاظت کے لیے دوسری حدیث کافی ہے۔ حقوق العباد کے لحاظ سے تیسری حدیث کافی ہے اور شک و شبہ کی حالت میں چوتھی حدیث کفایت کرتی ہے۔ گویا ایک سمجھ دار آدمی کے لیے یہ چار حدیثیں اُستاد اور مرشد کا درجہ رکھتی ہیں۔"

امام غزالی لکھتے ہیں کہ علم حدیث میں یہی ایک کتاب مجتہد کے لیے کافی ہے۔

امام نووی کہتے ہیں کہ جس شخص کو فقہ سے دلچسپی ہو وہ سنن ابی داؤد کا اچھی طرح مطالعہ کرے کیونکہ اس سے فقہی احکام کو سمجھنا بہت آسان ہوگیا ہے۔

4۔امام ترمذی

(پیدائش 209ھ۔ وفات 279ھ)

آپ کا نام محمد اور کنیت ابوعیسیٰ ہے۔ بلخ کے شہر ترمذ میں پیدا ہوئے اس لیے ترمذی کہلائے۔ عام طور پر آپ اپنے نام کی بجائے اپنی کنیت ہی لکھتے تھے۔ اپنی "جامع ترمذی" میں بھی جہاں کہیں اپنا ذکر کرتے ہیں تو "قَالَ اَبُوْ عِیْسٰی" (ابوعیسیٰ نے کہا) لکھتے ہیں۔

امام ترمذی کے ابتدائی حالات کی تفصیل بہت کم ملتی ہے۔ تحصیل علم کے لیے آپ نے خراسان اور ماوراءالنہر کے علاوہ عراق و حجاز کا سفر کیا۔ علم حدیث سے خاص لگاؤ تھا۔ اس لیے اپنے زمانے کے اہم علماء اور محدثین سے استفادہ کیا۔ آپ کے کثیر اساتذہ میں امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد اور قتیبہ بن سعید شامل ہیں۔ شاگردوں میں داؤد بن نصر، احمد بن یوسف نسفی، محمد بن محبوب مروزی، محمد بن منذر اور ابن سعید ہروی شامل ہیں۔ ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ امام ترمذی سے اُن کے استاد اور شیخ امام بخاری نے بھی دو حدیثیں روایت کی ہیں جس کی وجہ سے امام بخاری کو آپ کی اُستادی اور شاگردی دونوں حیثیت حاصل تھی۔

امام ترمذی بڑے عبادت گزار اور پرہیز گار تھے۔ آپ غیر معمولی حافظے کے مالک تھے۔ آخری عمر میں بینائی ختم ہوگئی تھی۔ جس کا سبب گریہ وزاری کی کثرت تھی۔ آپ کے علم و کمال پر تمام بڑے بڑے علماء و

محدثین متفق ہیں۔ امام ابن حجر عسقلانی اور امام ذہبی نے آپ کو ائمہ محدثین میں شمار کیا ہے اور امام بخاری کا جانشین قرار دیا ہے۔

امام ترمذی کسی کے مقلد نہ تھے بلکہ خود مجتہد تھے۔ بعض لوگوں نے اُن کو شافعی یا حنبلی لکھا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔

امام ترمذی کی جامع (جسے سنن بھی کہا جاتا ہے) کو محدثین نے متفقہ طور پر صحاح ستہ میں شمار کیا ہے۔ جامع ترمذی کی خوبیوں میں اُس کی عمدہ ترتیب، افادیت اور جامعیت ہے۔ اس میں تکرار بہت کم ہے۔ اس میں فقہی مسائل کا استنباط اور فقہاء کے اختلافات کا ذکر ہے۔ ہر حدیث میں راوی کی حیثیت سے اُسے صحیح، حسن، غریب یا ضعیف بتایا گیا ہے۔ راویوں کی کنیت کا بھی ذکر ہوتا ہے۔ مشکل الفاظ کی تشریح کی ہے۔ حدیث کی یہ کتاب علماء، فقہاء اور محدثین سب کے لیے یکساں طور پر مفید ہے۔

امام ترمذی نے اپنی جامع کو سب سے پہلے حجاز کے علماء کے سامنے پیش کیا جنھوں نے اسے بہت پسند کیا۔ پھر علمائے عراق کو یہ کتاب دکھائی گئی تو انھوں نے بھی اس کی تحسین کی۔ پھر خراسان کے علماء نے بھی اس کتاب کے بارے میں پسندیدگی کا اظہار کیا۔

جامع ترمذی کے بارے میں آراء:

جامع ترمذی کے بارے میں بعض اکابر علماء کی آراء حسب ذیل ہیں:

1: شیخ ابراہیم بن محمد شافعی نے کہا ہے کہ امام ترمذی کی جامع میں حدیث اور فقہ کا قیمتی سرمایہ جمع ہوگیا ہے۔ یہ مجتہد کے لیے کافی ہے اور مقلد کو دوسری کتابوں سے بے نیاز کرتی ہے۔ (تذکرۃ المحدثین)

2: شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں کہ امام ترمذی نے امام بخاری اور امام مسلم کے بیان کیے ہوئے کئی متون اور اسناد کے ابہام کو دور کردیا ہے۔ امام ابوداؤد کے طریقے پر فقہی احادیث جمع کر کے صحابہ، تابعین اور ائمہ کے مذاہب کو بیان کردیا ہے۔ احادیث کے مختلف سلسلے ذکر کیے ہیں۔ ہر حدیث کی حیثیت کا تعین کیا ہے اور راویوں کے ناموں اور کنیت کو واضح کر کے کئی اختلافات اور غلط فہمیوں کو دور کیا ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ)

3: شاہ عبدالعزیز دہلوی نے لکھا ہے کہ جامع ترمذی مجموعی طور پر کئی دوسری کتب حدیث پر فوقیت رکھتی ہے۔ اس کی ترتیب عمدہ ہے۔ اس میں تکرار نہیں ہے۔ اس میں فقہاء کے مذاہب و مسائل اور اُن کے استدلال کا ذکر ہے۔ حدیث کی درجہ بندی ہے۔ راویوں کے نام اور کنیتوں کی وضاحت ہے۔

امام ترمذی بہت بڑے محدث اور مجتہد تھے۔ انھوں نے اپنی جامع میں اپنی مخصوص اصطلاحات بھی استعمال کی ہیں جو خود اُن کی جدت ہیں۔

5۔ امام نسائی

(پیدائش 215ھ۔ وفات 303ھ)

آپ کا نام احمد اور کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے۔ والد کا نام شعیب تھا۔ پورا نام یوں ہے: ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب۔

امام صاحب کی پیدائش خراسان کے شہر نساء میں ہوئی۔ اس لیے آپ ''امام نسائی'' کے نام سے مشہور ہوئے۔

آپ نے اپنے شہر ہی میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ پھر علم کے حصول کے لیے اُس زمانے کے دستور کے مطابق کئی شہروں اور ملکوں کا سفر کیا۔ اس دوران وہ حجاز، عراق، شام اور مصر کے اساتذہ سے ملے اور اُن سے استفادہ کیا۔ پھر مصر ہی میں مستقل رہائش اختیار کر لی تھی۔

آپ کے بہت سے اساتذہ تھے جن میں اسحاق بن راہویہ، قتیبہ بن سعید، عیسیٰ بن حماد، محمد بن بشار، محمد بن نصر مروزی، امام بخاری اور امام ابوداؤد شامل ہیں۔

آپ کے شاگرد بھی خاصی تعداد میں تھے جن میں چند ایک کے نام یہ ہیں:

ابن اسحاق، ابن رشیق، طبرانی، محمد بن قاسم اندلسی، ابوجعفر طحاوی اور ابوعوانہ۔

امام نسائی بڑے عابد و زاہد تھے۔ ہر وقت اللہ کا خوف دل پر طاری رہتا تھا۔ سنت کے پیرو اور بدعت کے مخالف تھے۔ عام طور پر ایک دن کے ناغے سے روزہ رکھتے تھے۔ بڑے خود دار تھے۔ امیروں اور بادشاہوں کی مجلس سے پرہیز کرتے تھے۔ تحمل مزاج، پرعزم اور مجاہد تھے۔ تذکرۃ المحدثین میں ہے کہ ایک مرتبہ امیر مصر کے ساتھ جہاد میں شریک ہوئے تھے۔

امام صاحب بڑے خوشحال اور فیاض تھے۔ آپ کا دستر خوان وسیع ہوتا تھا۔ آپ غریبوں کی مدد کرتے تھے۔ مسلمان قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑاتے تھے۔ امام صاحب کو اہل بیت اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بہت محبت اور عقیدت تھی لیکن آپ شیعہ نہ تھے بلکہ اہل سنت میں سے تھے۔ کیونکہ آپ نے فضائل صحابہ پر بھی ایک کتاب لکھی تھی۔

آخری عمر میں جب مصر سے دمشق پہنچے تو وہاں دیکھا کہ لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور شان

کے قصیدے پڑھتے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نامناسب الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

اس موقع پر امام نسائی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خوبیوں اور مناقب پر مشتمل ایک کتاب ''خصائص علی رضی اللہ عنہ'' کے نام سے لکھی اور اسے دمشق کی جامع مسجد میں لوگوں کے سامنے پڑھنا شروع کر دیا چونکہ یہ بات وہاں کے لوگوں کی عام رائے کے خلاف تھی اس لیے اس کتاب کا تھوڑا ہی حصہ سننے کے بعد لوگ ناراض ہوگئے۔ اور آپ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل بیان کرنے کی فرمائش کرنے لگے جس سے انھوں نے انکار کیا۔ اس پر سب لوگ بگڑ گئے اور امام صاحب کو سخت مارا پیٹا۔ غالباً اسی مار پیٹ کی وجہ سے کچھ عرصہ بعد رملہ (فلسطین) میں آپ کی موت واقع ہوگئی۔

امام نسائی کا شمار عظیم محدثین میں ہوتا ہے۔ آپ کسی فقہ کے پابند نہ تھے بلکہ محدثین کی طرح ظاہر احادیث پر عمل کرتے تھے۔

ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ:

> ''امام نسائی جرح وتعدیل کے بارے میں انتہائی محتاط تھے۔ آپ بہت قابل اعتماد تھے اور تمام ہم عصر محدثین پر فوقیت رکھتے تھے۔ بعض محدثین نے امام نسائی کو فن رجال (جرح وتعدیل) میں امام مسلم پر ترجیح دی ہے۔''

امام ذہبی نے لکھا ہے کہ:

> ''امام نسائی حدیث، علل حدیث اور اسمائے رجال کے علوم میں امام مسلم، امام ترمذی اور امام ابوداؤد سے زیادہ ماہر تھے۔''

امام نسائی کا حافظہ غیر معمولی تھا۔ آپ حدیث کے بڑے نقاد اور ماہر تھے۔ آپ کی روایت کرنے کی شرطوں کو بعض علماء نے بخاری ومسلم سے بھی زیادہ سخت قرار دیا ہے۔ آپ کو حدیث کے کھرے کھوٹے کی پہچان کا بڑا ملکہ حاصل تھا۔

امام نسائی نے کئی کتابیں لکھیں لیکن ان میں سنن نسائی سب سے زیادہ مشہور ہوئی۔

6۔ امام ابن ماجہؒ

(پیدائش 209ھ۔ وفات 273ھ)

امام صاحب کا اصل نام محمد ہے۔ آپ کی کنیت ابوعبداللہ ہے۔ ابن ماجہ کے نام سے مشہور ہیں کیونکہ

آپ کے والد یزید کا لقب ماجہ تھا۔قزوین شہر میں پیدا ہوئے۔اس لیے قزوینی بھی کہلاتے ہیں۔آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے:

ابوعبداللہ محمد بن یزید بن عبداللہ۔

امام ابن ماجہ عجمی تھے لیکن عرب کے ایک مشہور قبیلے ربیعہ سے گہرے دوستانہ تعلق کی وجہ سے ''ربعی'' بھی کہلائے جاتے ہیں۔اس زمانے کا دستور تھا کہ جب کوئی شخص اسلام قبول کرتا تو جس قبیلے سے اس کے قریبی مراسم ہوجاتے اُسی قبیلے کی طرف وہ منسوب کردیا جاتا۔

امام ابن ماجہ کے زمانے میں علم وفن کا بڑا چرچا تھا۔یہ عباسی خلافت کے عروج کا زمانہ تھا۔آپ نے بھی اپنے آبائی شہر قزوین میں اہل علم سے استفادہ کیا۔پھر زمانے کے دستور کے مطابق تحصیل علم اور تکمیل فن کے لیے دوسرے شہروں اور ملکوں کے سفر کیے۔

آپ کے اساتذہ اور شیوخ کی تعداد تین سو بیان کی جاتی ہے۔مختلف شہروں اور ملکوں کا سفر کرنے کے بعد امام صاحب واپس اپنے وطن قزوین آئے تو وہیں ساری عمر درس وتدریس اور علم حدیث کی نشر واشاعت میں بسر کی۔آپ چونسٹھ (64) سال کی عمر میں 273ھ میں فوت ہوئے۔

آپ کے شاگردوں کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔امام صاحب کا زمانہ حدیث کی تدوین کا زمانہ تھا۔آپ نے اس فن میں اتنی مہارت پیدا کرلی کہ جلد ہی اس فن کے اکابر میں شمار کیے گئے۔آپ کی ثقاہت، فنی مہارت اور حفظ حدیث مسلم ہے۔

علامہ ابن جوزی لکھتے ہیں کہ امام ابن ماجہ حدیث، تاریخ اور تفسیر کے ممتاز ماہر تھے۔

حافظ ذہبی نے لکھا ہے کہ ابن ماجہ عظیم الشان حافظ وضابطہ، ثقہ اور بڑے عالم تھے۔

علامہ ابن اثیر کہتے ہیں کہ وہ صاحب علم اور حدیث کے امام تھے۔

ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ وہ صاحب سنن، حافظ حدیث اور امامِ فن تھے۔

امام ابن ماجہ نے تین اہم کتب لکھی تھیں:

1: قرآن مجید کی تفسیر (جو ہم تک نہیں پہنچی اور ضائع ہوئی)

2: تاریخ (یہ کتاب بھی آج دنیا میں کہیں موجود نہیں۔)

3: سنن۔جو سنن ابن ماجہ کے نام سے مشہور ہے اور حدیث کی چھ مشہور کتابوں (صحاح ستہ) میں شامل ہے۔

7۔امام مالکؒ

(93ھ تا 179ھ)

1:مختصر حالاتِ زندگی:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا پورا نام مالک بن انس بن مالک بن مالک بن ابی عامر اصبحی ہے۔آپ امام مدینہ، امام اہل حجاز اور امامِ دارالہجرت کے لقب سے مشہور ہوئے۔آپ ائمہ اربعہ میں سے ہیں۔محدث، مجتہد اور فقیہ ہیں۔فقہ مالکی کے بانی ہیں۔

آپ 93ھ کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔آپ کے دادا مشہور تابعی تھے اور علماء میں سے تھے۔انھوں نے حضرت عثمانؓ سمیت بہت سے صحابہ کرام کو دیکھا تھا۔

امام صاحب کے پردادا ابوعامر بن عمرو مشہور صحابی تھے جنھوں نے غزوۂ بدر کے سوا تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شرکت کی۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث اور فقہ کا علم پہلے ربیعہ المدینی سے اور پھر ابن ہرمز ابوبکر عبد اللہ (متوفی 140ھ) سے حاصل کیا۔ان کے علاوہ آپ کے اساتذہ میں امام ابن شہاب زہری، نافع اور امام جعفر صادق شامل ہیں۔

امام صاحب کی عمر ابھی سترہ (17) برس تھی جب آپ نے مدینے میں درس و تدریس کی مسند سنبھالی۔ آپ کے درس کا حلقہ دوسرے تمام علماء سے بڑا تھا۔آپ کی شخصیت باوقار اور پر رعب تھی۔آپ کم بولتے تھے اور ہنسی مذاق کو ناپسند کرتے تھے۔لوگوں سے بڑی شفقت سے پیش آتے تھے۔آپ چاندی کی ایک انگوٹھی پہنتے تھے جس پر سیاہ رنگ کا نگینہ تھا۔اس انگوٹھی پر یہ قرآنی عبارت کندہ کر کے لکھوائی تھی:

﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ (آل عمران:173)

''ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔''

آپ سے اس کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے یہ اہل ایمان کے وصف کے طور پر فرمایا ہے۔میرا جی چاہتا ہے کہ اس آیت کا مضمون ہمیشہ میرے سامنے رہے یہاں تک کہ میرے دل پر نقش ہو جائے۔''

آپ کے درس کی مجلس میں انتہائی خاموشی (Pin drop silence) ہوا کرتی تھی اور حاضرین بڑے

مؤدب ہوکر بیٹھتے تھے۔

آپ بڑے اہتمام کے ساتھ حدیث کا درس دیا کرتے تھے۔ پہلے غسل کرتے، صاف ستھرا لباس پہنتے، خوشبو لگاتے اور پھر درس کی مسند پر تشریف فرما ہوتے تھے۔

مشہور محدث عبداللہ بن مبارکؒ کے بقول درس میں امام صاحب کی مشغولیت اور محویت کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ درس کے دوران میں آپ کو ایک بچھو نے بار بار کاٹا مگر آپ نے درس جاری رکھا اور کسی قسم کی پریشانی یا اضطراب کا اظہار نہ کیا۔ (بحوالہ بستان المحدثین از شاہ عبدالعزیز دہلویؒ)

امام صاحب نے ساری عمر مدینہ منورہ میں گزاری۔ اس مقدس شہر سے آپ کو بہت پیار تھا۔ حج کے سوا آپ کبھی مدینے سے باہر سفر کے لیے نہیں گئے۔ مدینے میں کبھی سواری پر نہ بیٹھتے، فرمایا کرتے:

''میں ایسی جگہ کو اپنی سواری کے سُموں سے روندنا ہرگز پسند نہیں کرتا جہاں پر حضور ﷺ نے اپنے مبارک قدم رکھے اور جہاں آپ ﷺ مدفون ہیں۔''

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی سادگی، بے لوثی اور بے غرضی کے بارے میں امام ذہبیؒ نے ''تذکرہ الحفاظ'' میں ابن مہد کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

''ایک مرتبہ ایک شخص نے امام مالکؒ سے کوئی مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا:

''میں اس مسئلے کو اچھی طرح بیان نہیں کرسکتا۔''

وہ آدمی کہنے لگا:

''میں تو آپ کا نام سن کر بڑی دور سے یہ مسئلہ پوچھنے آیا ہوں۔''

امام صاحب نے پھر فرمایا:

''جب تم واپس اپنے ہاں جاؤ تو لوگوں کو بتا دینا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تھا کہ میں یہ مسئلہ اچھی طرح بیان نہیں کرسکتا۔''

ایک مرتبہ جب عباسی خلیفہ منصور 148ھ میں حج کے لیے گیا تو وہاں اس نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی اور یہ کہا کہ اگر وہ اجازت دیں تو تمام مسلمانوں کو ان کی فقہ پر چلنے کا حکم جاری کردوں لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی اس تجویز سے بالکل اتفاق نہ کیا۔

بعد میں ہارون الرشید جو کہ عباسی خلیفہ تھا اس نے بھی اپنی خلافت کے زمانے میں امام مالک سے ان کی

کتاب ''الموطا'' کو ملکی قانون بنادینے کی اجازت مانگی تو امام صاحب نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ:

''رسول اللہ ﷺ کے اصحاب مختلف علاقوں میں پھیل گئے تھے۔ان کی پیروی میں لوگوں کے الگ الگ معتمد علماء موجود ہیں۔اس لیے آپ ان کو ان کے حال ہی پر چھوڑ دیں تو یہی بہتر ہے۔''

دراصل امام صاحب اپنی فقہ اور اپنے اجتہادات دوسروں پر مسلط کرنے کے حق میں نہ تھے۔

آپ اُموی اور عباسی حکمرانوں کو وعظ و نصیحت بھی کرتے تھے۔لیکن طلاقِ مکرہ (زبردستی دلائی گئی اور جبری طلاق) کو ہرگز تسلیم نہیں کرتے تھے۔اسی اختلاف کی وجہ سے عباسی خلیفہ منصور کے گورنر نے آپ کو کوڑے لگوائے اور جسمانی تشدد کرایا جس سے آپ کا کندھا اُکھڑ گیا تھا جس کے صدمے اور تکلیف سے آپ نے 179ھ کو مدینے میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن کیے گئے۔

دراصل وقت کے حکمران ان سے جبری طلاق کے جواز (Justification) کا فتویٰ طلب کرتے تھے اور اس فتوے کی آڑ میں اپنی جبری بیعت کا جائز ہونا ثابت کرنا چاہتے تھے لیکن اس معاملے میں امام صاحب نے بڑی استقامت دکھائی اور حق پر قائم رہے۔

ایک مرتبہ عباسی خلیفہ مہدی نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ:

''آپ میرے دو بیٹوں موسیٰ اور ہارون کو دینی تعلیم دیں اور ''موطا'' سکھا دیں۔''

اس پر امام صاحب نے فرمایا:

''علم ایک قیمتی شے ہے۔شائقین اس کے پاس خود آتے ہیں۔''

چنانچہ وہ دونوں شہزادے بغداد سے مدینے پہنچے اور آپ کے حلقہ درس میں شریک ہوئے۔

2: علمی مقام و مرتبہ:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بیک وقت حدیث اور فقہ کے امام تھے۔آپ کا مسلک اہل رائے اور اہل حدیث کے درمیان معتدل سمجھا جاتا ہے۔آپ کے طرزِ فکر میں حدیث اور فقہ کا حسین امتزاج ملتا ہے۔

ایک دفعہ حج کے موقع پر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ہوئی تھی اور امام صاحب نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے فقیہ ہونے کی گواہی دی تھی۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مدینے میں اس علمی سلسلے کے جانشین تھے جو صحابہ کرام سے شروع ہو کر تابعین میں سعید بن مسیّب، عروہ، سالم اور قاسم تک جاری رہا۔پھر تبع تابعین میں آپ کے اساتذہ ابن شہاب زہری، یحییٰ بن

سعید انصاری، زید بن اسلم اور ربیعہ المدنی وغیرھم سے ہوتا ہوا آپ تک پہنچا۔

ایک حدیث نبوی میں ہے:

''عنقریب لوگ علم کی طلب میں سفر کر کے اونٹوں کے جگر پگھلا دیں گے۔لیکن ان کو مدینے کے عالم سے بڑھ کر کوئی اور عالم نہ ملے گا۔'' (ترمذی، باب علم)

سفیان بن عیینہؒ اور امام عبدالرزاق کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے اس فرمان میں امام مالک کی طرف اشارہ ہے۔

امام شافعی کا قول ہے کہ:

''امام مالک علماء کے درمیان ایک روشن ستارے کی طرح ہیں۔''

نیز فرمایا:

''اگر امام مالک اور سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز سے علم اُٹھ گیا ہوتا۔''

ابن وہب کہتے ہیں:

''اگر مالکؒ اور لیثؒ (بن سعد) نہ ہوتے ہم گمراہ ہو جاتے۔''

امام نسائی فرماتے ہیں کہ:

''میرے نزدیک تبع تابعین کی جماعت میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ عظیم کوئی اور شخص نہیں اور نہ ان سے بڑھ کر کوئی اور شخص حدیث میں مامون و معتبر تھا۔''

(تہذیب التہذیب از ابن حجر عسقلانیؒ)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں سب سے زیادہ صحیح اور معتبر سند (اصح الاسانید) اور سلسلۃ الذہب (سنہری زنجیر) یہ ہے:

"مالك عن نافع عن ابن عمر"

مطلب یہ ہے کہ جس حدیث میں امام مالکؒ راوی ہوں اور وہ نافع سے روایت کریں اور وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اور وہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کریں وہ حدیث سب سے زیادہ صحیح اور معتبر ہوتی ہے۔گویا حدیث کی روایت میں ان حضرات کا نام ہی کافی ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''امام مالکؒ فقہ وحدیث کے امام ہیں۔''

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ:

''میں نے امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور ابن لیلیٰ سے بڑھ کر کوئی فقیہ نہیں دیکھا۔''

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اجتہاد کا طریقہ شاہ ولی اللہ دہلوی نے اپنی کتاب ''مسویٰ'' (شرح موطا) میں یوں بیان کیا ہے:

''امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ کی بنیاد قرآن وسنت پر ہے۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فیصلے، عمر بن عبدالعزیز کے فتاویٰ اور مدینے کے فقہاء کی آراء پر فقہ مالکی کی بنیاد ہے۔''

3: موطا امام مالکؒ:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا تصنیفی کارنامہ ''موطا'' نامی کتاب ہے۔ جس کے بارے میں امام صاحب خود فرماتے ہیں کہ:

''میری کتاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے۔ صحابہ کے اقوال ہیں۔ پھر تابعین کے اقوال ہیں اور رائے یعنی اہل مدینہ کا اجماع ہے۔ میں ان سے باہر نہیں نکلا ہوں۔''

یادرہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اہل مدینہ کے عمل اور اجماع کو خبر واحد پر ترجیح دیتے ہیں۔

موطا امام مالکؒ علم حدیث پر لکھی جانے والی سب سے پہلی باقاعدہ کتاب ہے جو آج امت کے پاس موجود ہے۔

کہا جاتا ہے کہ یہ کتاب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مشہور عباسی خلیفہ منصور کی فرمائش پر لکھی تھی اور بعد میں خلیفہ مہدی کے زمانے میں یہ کتاب مشہور ہو چکی تھی۔

اس کتاب کا اسلوب (Style) یہ ہے کہ امام صاحب پہلے ایک فقہی عنوان قائم کرتے ہیں۔ پھر اس سے متعلق مرفوع حدیث لاتے ہیں۔ اگر مرفوع اور مسند حدیث موجود نہ ہو تو پھر ثقہ اور معتبر بلاغات (بغیر کسی سند کے منقطع حدیث) لے آتے ہیں۔ اس کے بعد صحابہ کرام کے آثار اور فتاویٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور خاص طور پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلوں اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے فتاویٰ اور آراء کو مقدم سمجھ کر بہت اہمیت دیتے ہیں۔ صحابہ کرام کے بعد تابعین کے اقوال لیتے ہیں اور تابعین میں سے مدینے کے فقہاء کو ترجیح دیتے ہیں جن میں سعید بن مسیب، ابوبکر بن عبدالرحمٰن اور عمر بن عبدالعزیز وغیرہم شامل ہیں اور آخر میں کبھی

اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔

موطا 130ھ اور 140ھ کے درمیانی عرصے میں لکھی گئی۔ اس میں کل 1720 روایات ہیں۔ جن میں 600 مرفوع اور مسند احادیث ہیں، 228 مرسل ہیں اور 613 موقوف ہیں۔ تابعین کے اقوال کی تعداد 275 ہے۔

موطا امام مالک کو ہر طبقے کے لوگوں نے روایت کیا ہے۔ اس کے (30) سے زیادہ نسخے ہیں جن میں سے یحییٰ بن یحییٰ مصمودی کا نسخہ سب سے زیادہ مشہور ہے۔ دوسرے نمبر پر امام محمد حسن شیبانی کا نسخہ ہے جو ''موطا امام محمدؒ'' کے نام سے معروف ہے۔

چونکہ موطا علم حدیث پر پہلی با قاعدہ کتاب تھی اس لیے اسے بہت شہرت حاصل ہوئی۔ اس کی بے شمار شرحیں (Commentaries) لکھی گئیں۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے موطا کی دو شرحیں لکھی تھیں جن میں سے ایک کا نام "المسویٰ" ہے جو عربی زبان میں ہے اور دوسری "المصفّٰی" ہے جو فارسی میں ہے۔

4: المدونۃ الکبریٰ:

یہ کتاب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی تصنیف نہیں ہے بلکہ یہ امام صاحب سے روایت کی ہوئی مختلف آراء اور فتاویٰ پر مشتمل مجموعہ ہے اور یہ فقہ مالکی کی مستند ترین کتاب ہے۔

5: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان میں امام ابن شہاب زہری، نافع اور امام جعفر صادق زیادہ مشہور ہیں۔

6: امام مالکؒ کے تلامذہ:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے شاگرد اور تلامذہ تھے جن میں درج ذیل بہت مشہور ہیں:

1: امام شافعیؒ (متوفی 204ھ)

2: عبدالرحمٰن بن قاسم (متوفی 191ھ)

3: زیاد بن عبدالرحمٰن (متوفی 193ھ)

4: عبدالعزیز بن ابی حازم (متوفی 185ھ)

5: محمد بن ابراہیم بن دینار (متوفی 182ھ)

6: معن بن عیسیٰ (متوفی 198ھ)

7: عبداللہ بن سلمہ قعنبی (متوفی 221ھ)

8: یحییٰ بن یحییٰ تمیمی (متوفی 226ھ)

9: عبداللہ بن وھب (متوفی 197ھ)

10: اشھب بن عبدالعزیز (متوفی 240ھ)

11: عبداللہ بن عبدالحکم (متوفی 214ھ)

12: علی بن زیاد تونسی (متوفی 183ھ)

13: عبداللہ بن غانم افریقی (متوفی 190ھ)

14: ابومحمد یحییٰ بن یحییٰ لیثی اندلسی (متوفی 234ھ)

15: ابومصعب مطرف بن عبداللہ (متوفی 214ھ)

16: اسد بن فرات (متوفی 213ھ)

7: مالکی مسلک کی اشاعت:

مالکی مسلک کئی علاقوں اور ملکوں میں پھیلا۔اس کا سب سے پہلا مرکز مدینہ اور حجاز تھا۔پھر بصرہ، مصر (Egypt)، اندلس (Spain)، شمالی افریقہ اور سوڈان کے علاقوں میں اس کی اشاعت ہوئی۔اندلس میں مالکی مسلک کو سرکاری مذہب کی حیثیت حاصل تھی جس کا سلسلہ صدیوں تک برقرار رہا۔آج بھی امت کا ایک کثیر طبقہ مالکی فقہ کا پیروکار ہے۔

ضمیمہ 5: صحاحِ ستہ کا مختصر تعارف

حدیث کی چھ مشہور و معتبر کتابوں کو صحاحِ ستہ کہا جاتا ہے۔ ان کا مختصر تعارف ذیل میں ہے:

1۔ صحیح بخاری (الجامع الصحیح)

یہ کتاب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف ہے۔ امام صاحب کا پورا نام محمد بن اسماعیل بخاری ہے۔ آپ 194 ہجری میں بخارا میں پیدا ہوئے اور سمرقند کے قریب 256 ہجری میں وفات پائی۔

جمہور محدثین کی رائے کے مطابق امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی "الجامع الصحیح" صحت کے اعتبار سے حدیث کی تمام کتابوں پر فوقیت رکھتی ہے۔ اس کتاب کے بارے میں کہا گیا ہے کہ قرآن کے بعد صحیح بخاری کا درجہ ہے:

((أَصَحُّ الْكُتُبِ بَعْدَ كِتَابِ اللّٰهِ الْبَارِیْ "اَلْجَامِعُ الصَّحِيْحُ" لِلْبُخَارِيِّ .))

اور اسے مختصر کر کے یوں کہا جاتا ہے کہ:

((أَصَحُّ الْكُتُبِ بَعْدَ كِتَابِ اللّٰهِ .))

صحیح بخاری کا شمار صحاح ستہ کی کتب میں سرفہرست ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے 6 لاکھ احادیث میں سے صحیح ترین احادیث منتخب کر کے اسے مرتب کیا ہے اور اس کام کو 16 سال میں مکمل کیا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو "امیر المؤمنین فی الحدیث" کا لقب دیا گیا ہے۔ آپ کا حافظہ بے مثال تھا۔ جو بات ایک دفعہ سن لیتے اُسے ہمیشہ یاد رکھتے۔ مسلک کے اعتبار سے آپ شافعی تھے، مگر محض مقلد نہ تھے بلکہ مجتہد فی المسائل کا درجہ رکھتے تھے۔ آپ نے اس کتاب کے علاوہ اور بھی کئی کتابیں لکھی ہیں۔

صحیح بخاری میں احادیث کی کل تعداد کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک قول کے مطابق اس کی احادیث کی کل تعداد 7255 ہے اور تکرار کے بغیر یہ تعداد صرف 2360 رہ جاتی ہے۔

صحیح بخاری کے تراجم دنیا کی کئی زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ عربی زبان میں اس کی بہت سی شرحیں لکھی گئیں جن میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی "فتح الباری" سب سے زیادہ مشہور اور اہم ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ شامل ہیں۔

2۔صحیح مسلم

اس کتاب کا نام بھی "الجامع الصحیح" ہے۔ یہ امام مسلم بن حجاج نیشاپوری کی تالیف ہے۔ آپ 204 ہجری میں پیدا ہوئے اور 261 ہجری میں وفات پائی۔

صحاح ستہ میں صحیح مسلم کا دوسرا درجہ ہے۔ یہ کتاب اپنی عمدہ ترتیب کے اعتبار سے صحیح بخاری سے بہتر ہے۔لیکن دونوں میں افضل صحیح بخاری ہی ہے۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی محنت سے اسے 15 سال کے عرصے میں مرتب کیا۔آپ کے اساتذہ میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور شاگردوں میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ شامل ہیں۔

صحیح مسلم کی احادیث کی تعداد کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ایک قول کے مطابق اس کی احادیث کی کل تعداد 5777 ہے اور تکرار کے بعد یہ تعداد 3033 رہ جاتی ہے۔

عربی میں صحیح مسلم کی کئی شرحیں لکھی گئیں۔سب سے زیادہ مشہور اور عمدہ شرح امام نووی ؒ کی ہے۔صحیح مسلم کے ترجمے دنیا کی کئی زبانوں میں ہو چکے ہیں۔

جس حدیث پر امام بخاری اور امام مسلم دونوں متفق ہوں، اُسے "متفق علیہ" کہا جاتا ہے۔ ایسی تمام احادیث کی تعداد 1906 ہے۔ان کے مجموعے کا نام "اللؤلؤ والمرجان" ہے۔

امام بخاری اور امام مسلم کو "شیخین" بھی کہتے ہیں۔اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم کو ملا کر "صحیحین" بھی کہا جاتا ہے۔

3۔سنن نسائی

یہ کتاب امام نسائی کی تالیف ہے۔آپ 215 ہجری میں خراسان میں پیدا ہوئے اور 303 ہجری میں فوت ہوئے۔

سنن نسائی کا درجہ صحاحِ ستہ میں تیسرا ہے۔اس میں باقی کتب سنن سے بہت کم ضعیف احادیث ہیں۔ اس میں کوئی حدیث موضوع نہیں ہے۔اس کتاب میں کل 5743 حدیثیں ہیں۔ یہ کتاب صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں کے اسلوب کی جامع ہے۔اس کی کئی شرحیں لکھی گئی ہیں جو عربی زبان میں ہیں۔

امام نسائی کا شمار فن رجال کے ماہرین میں بھی ہوتا ہے۔

4۔ سنن ابی داوٗد

یہ کتاب امام ابو داوٗد رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف ہے۔ آپ 202 ہجری میں پیدا ہوئے اور 275 ہجری میں وفات پائی۔

سنن ابی داوٗد کا درجہ صحاحِ ستہ میں چوتھا ہے۔ اس میں کل 5182 حدیثیں ہیں۔ کچھ ضعیف احادیث بھی شامل ہیں۔ امام صاحب نے ان کے ضعف کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

سنن ابی داوٗد فقہی احکام و مسائل کا بہترین ماخذ ہے۔ اس کی فقہی ترتیب بھی نہایت عمدہ ہے۔

اس کتاب کی بھی کئی شرحیں لکھی گئی ہیں جن میں سب سے زیادہ مشہور امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ کی ''معالم السنن'' ہے۔

امام ابو داوٗد رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ شامل ہیں۔

5۔ جامع ترمذی (سنن ترمذی)

صحاح ستہ میں جامع ترمذی، جسے سنن ترمذی بھی کہا جاتا ہے، کا پانچواں نمبر ہے۔ یہ کتاب امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا پورا نام ابو عیسیٰ ترمذی ہے۔ آپ بلخ کے شہر ترمذ میں 202 ہجری میں پیدا ہوئے اور 279 ہجری میں وفات پائی۔

جامع ترمذی میں کل 4234 حدیثیں ہیں۔ ان احادیث میں سے کچھ ضعیف بھی ہیں اور امام موصوف نے ان کے ضعف کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

جامع ترمذی علم حدیث میں نہایت ہی مفید اور فنی کتاب ہے۔ اس کتاب میں اصولِ حدیث کی بحثیں بھی موجود ہیں۔ اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور سلف صالحین کے اقوال بھی ملتے ہیں۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جامع کے علاوہ اور کتب بھی لکھی ہیں۔ آپ کے اساتذہ میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو داوٗد رحمۃ اللہ علیہ شامل ہیں۔

جامع ترمذی کی کئی شرحیں لکھی گئی ہیں اور انگریزی سمیت اس کے کئی زبانوں میں تراجم ہو چکے ہیں۔

6۔ سنن ابن ماجہ

یہ کتاب امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف ہے۔ صحاح ستہ میں اس کا آخری نمبر ہے۔ بعض علماء نے اس کی بجائے امام دارمی کی سنن دارمی کو اس کی جگہ چھٹا درجہ دیا ہے۔

امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ 209 ہجری کو پیدا ہوئے اور 273 ہجری میں وفات پائی۔

سنن ابن ماجہ میں کل 4418 حدیثیں ہیں، جن میں سے بعض ضعیف بھی ہیں۔

اس کتاب کے علاوہ بھی امام صاحب نے اور کئی کتب لکھی تھیں۔

سنن ابن ماجہ میں پانچ ثلاثیات شامل ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ ان احادیث میں امام ابن ماجہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کل 5 راوی ہیں۔

سنن ابن ماجہ کی کئی شرحیں لکھی گئیں۔ اس کے تراجم بھی انگلش سمیت دوسری زبانوں میں ہو چکے ہیں۔

صحاح ستہ کی تمام کتابوں کا انگلش میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

ضمیمہ 6: راویانِ حدیث کے مختصر حالاتِ زندگی

ذیل میں اُن راویانِ حدیث (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کے مختصر حالاتِ زندگی حروف تہجی کے اعتبار سے بیان کیے گئے ہیں جن کی روایت کردہ احادیث ''مشکوٰۃ الحدیث جلد چہارم'' میں شامل ہیں۔

1۔ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ:

آپ مشہور انصاری صحابی ہیں۔اصل نام زید بن سہل تھا۔قبیلہ بنو نجار سے تعلق رکھتے تھے۔بہت بہادر اور نشانہ باز تھے۔آپ کی آواز بہت بارعب اور بلند تھی۔آپ مشہور صحابی خادمِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے سوتیلے باپ تھے۔حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ اُمّ سلیم نے ابوطلحہ سے حق مہر کے بغیر صرف اسلام لانے کی شرط پر نکاح کیا تھا۔

آپ نے غزوۂ بدر سمیت تمام غزوات میں شرکت کی۔ساری عمر جہاد میں گزاری۔نفلی روزے کثرت سے رکھتے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر اور آپ کے خاندان پر خصوصی شفقت فرماتے تھے۔حجۃ الوداع کے موقع پر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک منڈایا (حلق کرایا) تو اپنے آدھے سر کے بال حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمائے اور باقی آدھے سر کے بال مبارک دوسرے صحابہ کو عطا کیے۔

آپ کی وفات کب ہوئی؟ اس بارے میں کئی اقوال ہیں۔بعض نے 32ھ، کسی نے 34ھ اور بعض لوگ 51ھ کو آپ کی وفات کا سال قرار دیتے ہیں۔

صحاح ستہ میں آپ سے مروی احادیث موجود ہیں۔

2۔اُبی بن کعب انصاری رضی اللہ عنہ:

آپ مشہور بدری صحابی ہیں۔آپ کا لقب سیّد القراء (قاریوں کے سردار) ہے۔قبیلہ بنو نجار سے تعلق رکھتے تھے۔ہجرت سے پہلے بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر مکے میں جو بارہ (12) افراد اسلام لائے تھے آپ اُن میں سے ایک تھے۔اُس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اور دوسرے انصار صحابہ کو مختلف انصاری قبیلوں کا

نقیب (سردار) مقرر فرمایا تھا۔

آپ نے تمام غزوات میں شرکت کی۔ کاتبین وحی میں بھی آپ کا شمار ہوتا ہے۔ پورا قرآن حفظ کرلیا تھا۔ آپ مجتہد اور فقیہ صحابی تھے اور نبی ﷺ کے زمانۂ مبارک میں بھی فتویٰ دیتے تھے۔ بعض دوسرے صحابہ کرام نے بھی آپ سے احادیث روایت کی ہیں۔

جب نبی کریم ﷺ پر سورۂ البینہ ﴿لَمْ یَكُنِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ نازل ہوئی تو حضور ﷺ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لے گئے اور اُن سے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں یہ سورت سناؤں۔''

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیا ہے؟

حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہاں تمہارا نام لیا ہے۔

یہ سن کر خوشی کے مارے اُن کے آنسو نکل گئے۔

آپ کی تاریخ وفات میں سخت اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک آپ نے 19ھ میں وفات پائی اور بعض کے نزدیک آپ کی وفات 32ھ میں ہوئی۔

صحاح ستہ میں آپ سے مروی احادیث موجود ہیں۔

3۔ ابو اُمامہ باہلی رضی اللہ عنہ:

ان کا پورا نام ابو اُمامہ صدی بن عجلان باہلی ہے۔ اپنی کنیت کے لحاظ سے زیادہ مشہور ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ آپ نے غزوۂ اُحد میں شرکت فرمائی تھی۔ آخری عمر میں مصر چلے گئے۔ اس کے بعد حمص (شام) منتقل ہوگئے جہاں 81ھ یا 86ھ یا 91ھ میں وفات پائی۔ کہتے ہیں شام کے علاقے میں وفات پانے والے آپ آخری صحابی تھے۔ وفات کے وقت ان کی عمر سو برس سے زیادہ ہوچکی تھی۔

صحاح ستہ میں اُن سے مروی احادیث موجود ہیں۔

4۔ اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا:

یہ اُمّ کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط امویہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ ابتدائی زمانے میں مسلمان ہوگئی تھیں۔ آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ماں شریک بہن تھیں۔

آپ نے صلح حدیبیہ کے بعد اکیلے ہی مکے سے مدینے ہجرت کی تھی۔ ان کے بھائی ان کو واپس لینے

کے لیے آئے تو نبی کریم ﷺ نے ان کو واپس بھیجنے سے انکار کر دیا۔

ابن سعد نے الطبقات الکبریٰ میں لکھا ہے کہ یہ واحد مسلمان خاتون تھیں جنہوں نے تن تنہا مکے سے مدینے کی طرف ہجرت کی تھی۔ مدینے آ کر انہوں نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے شادی کر لی اور اُن کی شہادت کے بعد آپ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آ گئیں۔

آپ کی وفات حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں ہوئی۔ سوائے ابن ماجہ کے باقی تمام کتب صحاح میں ان سے مروی احادیث موجود ہیں۔

5۔ براء بن عازِب انصاری رضی اللہ عنہ:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما دونوں باپ بیٹا صحابی ہیں اور انصاری ہیں۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ کو اُن کی کم عمری کی وجہ سے غزوۂ بدر میں شرکت سے روک دیا گیا تھا۔ پھر انہوں نے سب سے پہلے غزوۂ احد یا غزوۂ خندق میں حصہ لیا۔

آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ایران کے بعض محاذوں پر جہاد میں شرکت کی تھی۔ جنگ جمل، جنگ صفین اور جنگ نہروان میں امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کی طرف سے لڑے تھے۔ آخری عمر میں کوفہ میں مقیم ہو گئے تھے اور وہیں 72ھ میں وفات پائی۔

صحاحِ ستہ میں آپ کی روایت کردہ احادیث موجود ہیں۔

6۔ جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ:

یہ صحابی تھے۔ قریش کے سرداروں میں سے تھے۔ دورِ جاہلیت کی تاریخ اور انساب کے ماہر تھے۔ فتح مکہ سے پہلے یا بعد ایمان لائے تھے۔ پھر مدینے میں رہنے لگے۔ آپ کے والد مطعم بن عدی نے کافر ہونے کے باوجود نبی کریم ﷺ سے بہت اچھا سلوک کیا تھا اور آپ ﷺ کو طائف کے سفر سے واپسی پر مکے میں پناہ دی تھی۔ اسی احسان کے بدلے کے طور پر نبی ﷺ نے غزوۂ بدر کے قیدیوں کے بارے میں فرمایا تھا کہ اگر آج مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور وہ مجھ سے ان قیدیوں کو آزاد کرنے کی درخواست کرتا تو میں سب قیدیوں کو آزاد کر دیتا۔ آپ 59ھ کے لگ بھگ فوت ہوئے۔ صحاحِ ستہ میں ان سے مروی احادیث موجود ہیں۔

7۔ صہیب رومی رضی اللہ عنہ:

پورا نام صہیب بن سنان رومی رضی اللہ عنہ ہے۔ نسل کے لحاظ سے آپ عربی تھے۔ آپ کے باپ کو ایران کے

بادشاہ کسریٰ نے ایلہ کا گورنر بنایا تھا۔ جب وہاں رومیوں نے حملہ کیا تو وہ صہیب کو جو اُس وقت ابھی بچے تھے، اپنے ساتھ لے گئے۔ اس طرح آپ کی پرورش رومیوں کے ہاں ہوئی اور رومی کہلائے۔ لیکن بعد میں یا تو آپ وہاں سے بھاگ کر مکے آگئے یا رومیوں نے آپ کو مکے کے ایک آدمی کے ہاتھ بیچ ڈالا جس کے آپ غلام بن گئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ایک دن ہی مکے میں اسلام لائے تھے۔ قریش ان دونوں کو سخت تکلیفیں دیتے تھے۔ جب حضرت صہیب رضی اللہ عنہ مکے سے مدینے ہجرت کرنے لگے تو قریش نے ان کا تعاقب کیا۔ انہوں نے قریش کے لوگوں سے کہا:

”تم جانتے ہو میں تم میں سب سے بڑا تیر انداز ہوں۔ اللہ کی قسم! تم مجھ تک نہیں پہنچ سکتے جب تک میرے ترکش میں ایک بھی تیر موجود ہے۔ اس کے بعد میری تلوار ہے جس سے میں تمہارا مقابلہ کروں گا۔ البتہ اگر تم میرا مال چاہتے ہو تو میں تمہیں بتائے دیتا ہوں کہ وہ مکے میں فلاں مقام پر رکھا ہے۔ تم جا کر وہاں سے اُسے حاصل کر سکتے ہو۔“

مشرکین قریش اُن کا مال لینے پر راضی ہوگئے اور انہوں نے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کو اُن کے حال پر چھوڑ دیا۔ مدینے پہنچ کر انہوں نے اپنی ہجرت کا یہ واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے گھاٹے کا سودا نہیں کیا، بلکہ نفع کا سودا کیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ قرآنِ مجید کی یہ آیت صہیب رضی اللہ عنہ ہی کے بارے میں اُتری تھی:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ﴾

(البقرة: 207)

”اور لوگوں میں سے ایسا بھی ہے جو اللہ کی خوشنودی کے لیے اپنی جان تک قربان کر دیتا ہے۔ اور اللہ اپنے بندوں پر نہایت مہربان ہے۔“

صہیب رومی رضی اللہ عنہ نے غزوۂ بدر سمیت تمام غزوات میں شرکت کی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے وصیت کی تھی کہ اُن کی نمازِ جنازہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ پڑھائیں اور جب تک مجلس شوریٰ کسی کو خلیفہ مقرر نہ کر لے اُس وقت تک وہی نمازوں کی امامت کریں۔ چنانچہ اس وصیت پر عمل کیا گیا۔

حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ شوال 38ھ میں ستر (70) برس کی عمر میں مدینے میں فوت ہوئے۔

صحاحِ ستہ میں آپ سے مروی احادیث موجود ہیں۔

8۔عیاض بن حمار مجاشعی رضی اللہ عنہ:

آپ صحابی تھے۔ نبی کریم ﷺ کے دوستوں میں سے تھے۔ ایک بار انہوں نے، جب کہ ابھی وہ اسلام نہیں لائے تھے، حضور ﷺ کی خدمت میں کوئی تحفہ بھیجا مگر آپ ﷺ نے وہ ہدیہ قبول نہیں فرمایا۔ پھر جب وہ مسلمان ہو گئے تو ان کا ہدیہ قبول فرمالیا۔

ان کی وفات 50ھ کے لگ بھگ ہوئی ہے۔

صحیح بخاری کے سوا باقی تمام صحاح کی کتابوں میں ان سے مروی احادیث موجود ہیں۔ البتہ امام بخاری کی الادب المفرد میں ان کی ایک روایت موجود ہے۔

9۔قتادہ رحمہ اللہ:

یہ عراق کے مشہور، ثقہ اور معتبر تابعی ہیں۔ پورا نام قتادہ بن دعامہ سدوسی بصری ہے۔ آپ پیدائشی نابینا تھے مگر تفسیر، حدیث اور فقہ کے ماہر تھے۔ بڑے بڑے محدثین نے ان سے احادیث روایت کی ہیں۔

مدینے کے مشہور تابعی سعید بن مسیّب رحمہ اللہ کا قول ہے کہ عراق سے قتادہ جیسا کوئی عظیم آدمی میرے پاس نہیں آیا۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ آپ کے ضبط وحفظ کی بڑی تعریف کرتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ انہوں نے بہت سی احادیث صرف ایک بار سن کر یاد کر لی تھیں۔

آپ نے 117ھ کے لگ بھگ قریباً 55 سال کی عمر میں وفات پائی۔

صحاح ستہ میں آپ سے مروی احادیث موجود ہیں۔ انہوں نے بعض مرسل حدیثیں بھی روایت کی ہیں۔ بعض لوگوں نے ان پر تدلیس کا الزام بھی لگایا ہے۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ قدریہ فرقے کے عقائد کی طرف میلان رکھتے تھے۔

10۔عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ:

آپ صحابی ہیں۔ پورا نام عبداللہ بن زبیر بن عوام اسدی قریشی ہے۔ آپ کے والد زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ آپ کی والدہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا تھیں جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں۔

آپ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ ہجرت کے بعد یہودیوں نے یہ بات مشہور کر رکھی تھی کہ ہم نے

مسلمانوں پر ایسا منتر پڑھ دیا ہے کہ ان مہاجرین کے ہاں کوئی بیٹا پیدا نہیں ہوگا۔ مگر عبداللہ بن زبیر پہلا بیٹا تھا جو مہاجرین کے ہاں پہلے سال ہی میں پیدا ہوگیا۔ ان کی پیدائش پر صحابہ کرام نے نعرۂ تکبیر بلند کیا تھا۔ جب یہ پیدا ہوئے تو ان کو حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپ ﷺ نے کھجور چبا کر اُن کے منہ میں ڈالی اور ان کے لیے خیر و برکت کی دعا فرمائی۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بہت بہادر اور عبادت گزار تھے۔ اہل حجاز نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اُن کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی اور اُن کو اپنا خلیفہ چن لیا تھا۔ مگر بنو امیہ کے گورنر حجاج بن یوسف کے لشکر نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پر حملہ کر دیا۔ آپ خانہ کعبہ میں محصور ہوگئے اور وہیں 73ھ میں لڑتے لڑتے شہید ہوگئے۔

آپ کی شہادت کے وقت آپ کی والدہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا زندہ تھیں اور انہوں نے اس شدید صدمے پر کمال ثابت قدمی اور استقامت کا ثبوت دیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی احادیث صحاحِ ستہ میں موجود ہیں۔

11۔ مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ:

آپ مشہور بدری صحابی ہیں۔ اصل نام مقداد بن عمرو بن ثعلبہ ہے۔ چونکہ مکے کے ایک آدمی نے آپ کو اپنا متبنّٰی (Adopted Son) بنا لیا تھا اس لیے مقداد بن اسود کے نام سے مشہور ہوگئے لیکن جب قرآنِ مجید میں یہ حکم آگیا کہ:

﴿اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ مَوَالِيْكُمْ ؕ وَ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ وَ لٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۝﴾ (الاحزاب: 5)

”تم اپنے منہ بولے بیٹوں کو اُن کے باپوں کی نسبت سے پکارو۔ یہی اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف کی بات ہے۔ اگر تمہیں اُن کے باپوں کا علم نہ ہو تو وہ تمہارے دینی بھائی اور رفیق ہیں۔ اس بارے میں تم سے کوئی بھول چوک ہو جائے تو اس کا تم پر کوئی گناہ نہیں۔ لیکن جو کچھ تم جان بوجھ کر کرو گے تو اس پر پکڑ ہوگی۔ اور اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔“

تو پھر آپ کو مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ پکارا جانے لگا۔ آپ ابتدائی دور میں مسلمان ہوئے تھے۔ نبی ﷺ

آپ پر بہت شفقت فرماتے تھے۔ انہوں نے ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ ...... دو ہجرتیں کی تھیں۔ تمام غزوات میں شریک رہے تھے۔ غزوۂ بدر میں یہ اکیلے گھڑ سوار تھے۔ اس لیے ان کو وہ پہلا صحابی کہا جاتا ہے جس نے گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا تھا۔

آپ کی وفات 33ھ میں ہوئی۔ کہتے ہیں آخری عمر میں ان کا پیٹ بڑھ گیا تھا۔ اُن کے ایک غلام نے اُن سے کہا کہ میں آپ کا پیٹ چاک کر کے فالتو چربی نکال دیتا ہوں تا کہ آپ کا موٹاپا کم ہو جائے۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے اس کی اجازت دے دی۔ اُس غلام نے آپ کا پیٹ چاک کر کے سی دیا مگر تکلیف اتنی بڑھی کہ اِس سے ان کی موت واقع ہوگئی۔

صحاحِ ستہ میں آپ سے مروی احادیث موجود ہیں۔ آپ نے کل بیالیس (42) حدیثیں روایت کی ہیں جن میں سے چار (4) صحیحین میں موجود ہیں۔

12۔ نواس بن سمعان رضی اللہ عنہما:

یہ انصاری صحابی ہیں اور ان کے والد بھی صحابی ہیں۔ آپ زیادہ تر شام و فلسطین کے علاقے میں مقیم رہے۔

صحیح بخاری کے سوا دوسری تمام کتب صحاح میں ان سے مروی احادیث موجود ہیں۔ امام بخاری نے اپنی کتاب ''الادب المفرد'' میں اِن سے روایت لی ہے۔

اِشاریہ احادیث مشکوٰۃ الحدیث (جلد چہارم)

(حروف تہجی کے لحاظ سے)

(الف)

صفحہ

اَتَانَا اَبُوْ مُوْسٰی 149

اَتَدْرُوْنَ مَا الْغِیْبَةُ؟ 95

اَتَدْرُوْنَ مَا الْمُفْلِسُ؟ 181

اَتَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ فِیْ دَیْنٍ کَانَ عَلٰی اَبِیْ، 152

اِحْلِقُوْا کُلَّهٗ اَوِ اتْرُکُوْا کُلَّهٗ 168

اَخْنَی الْاَسْمَآءِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ 164

اِذَا رَءَیْتُمُ الْمَدَّاحِیْنَ 132

اِذَا سَلَّمَ عَلَیْکُمْ اَهْلُ الْکِتَابِ 141

اِذَا طَالَ اَحَدُکُمُ الْغَیْبَةَ 153

اِذَا کُنْتُمْ ثَلٰثَةً فَلَا یَتَنَاجٰی اِثْنَانِ 160

اِذَا اسْتَأْذَنَ اَحَدُکُمْ ثَلٰثًا 149

اِسْتَاذَنَ رَهْطٌ مِّنَ الْیَهُوْدِ 84

اَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا عِنْدَاللّٰهِ الْمُصَوِّرُوْنَ 245

اَصْدَقُ کَلِمَةٍ قَالَهَا الشَّاعِرُ 211

اَلْحَیَاءَ مِنَ الْاِیْمَانِ 64

اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ 233

اَلرَّجُلُ مِنَّا یَلْقٰی اَخَاهُ 143

اَلرُّءْیَا الصَّالِحَةُ جُزْءٌ 205

اَ کَانَتِ الْمُصَافَحَةُ فِیْ اَصْحَابِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ؟ 142

اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلْقِ 239

اَلسَّاعِیْ عَلَی الْاَرْمِلَةِ وَالْمِسْکِیْنِ 39
اَلظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ یَّوْمَ الْقِیَامَةِ 110
اَلْعَیْنُ حَقٌّ 188
اَلْفِطْرَةُ خَمْسٌ 134
اَلْمُسْلِمُ اَخُ الْمُسْلِمِ، لا یَظْلِمُهٗ، وَلا یَخْذُلُهٗ 51
اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لا یَظْلِمُهٗ وَلا یُسْلِمُهٗ 55
اَنَا وَکَافِلُ الْیَتِیْمِ لَهٗ 41
اِنَّ الْعَبْدَ لَیَتَکَلَّمُ بِالْکَلِمَةِ 90
اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَیْکُمْ عُقُوْقَ الْاُمَّهَاتِ 91
اِنَّ اللّٰهَ اَوْحٰی اِلَیَّ: اَنْ تَوَاضَعُوْا 79
اِنَّ اللّٰهَ لَیُمْلِی الظَّالِمَ 118
اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْعُطَاسَ 177
اِنَّ اللّٰهَ یَقُوْلُ: ابْنَ اٰدَمَ 232
اَنَّ بِنْتًا کَانَتْ لِعُمَرَ یُقَالُ لَهَا 163
اَنَّ رَجُلًا اِسْتَأْذَنَ عَلَی النَّبِیِّ ﷺ 235
اَنَّ رَجُلًا اِسْتَحْمَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ 225
اِنَّ مِمَّا اَدْرَکَ النَّاسُ مِنْ کَلَامِ النُّبُوَّةِ 66
اِنَّ مِنْ خِیَارِکُمْ اَحْسَنُکُمْ اَخْلَاقًا 22
اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَرَّ بِجَدْیٍ اَسَكَّ مَیِّتٍ 230
اِنَّ فِیْكَ لَخَصْلَتَیْنِ 86
اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِکْمَةً 208
اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا 115
اِنَّمَا النَّاسُ کَالْاِبِلِ الْمِائَةِ 231

اِنِّیْ حَامِلُكَ عَلٰی وَلَدِ نَاقَةٍ؟ 225
أُهْجُ الْمُشْرِكِيْنَ 213
اَوَ اَمْلِكُ لَكَ اِنْ نَزَعَ اللّٰهُ 43
اِيَّاكُمْ وَالْجُلُوْسَ بِالطُّرُقَاتِ 155
اِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ 98
اَیُّ الْاِسْلَامِ خَيْرٌ؟ 139
اَيُّكُمْ مَالُ وَارِثِهٖ اَحَبُّ اِلَيْهِ 184

(ب)

بَيْنَمَا ثَلَاثَةُ نَفَرٍ يَتَمَاشَوْنَ 195
بَيْنَمَا رَجُلٌ يَتَبَخْتَرُ فِیْ بُرْدَيْنِ 126

(ت)

تَجِدُوْنَ شَرَّ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ 100
تَرَی الْمُؤْمِنِيْنَ فِیْ تَرَاحُمِهِمْ 53
تَعِسَ عَبْدُ الدِّيْنَارِ 237

(ث)

ثَلٰثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ 240

(ج)

جَآءَ تْنِیْ اِمْرَأَةٌ وَمَعَهَا اِبْنَتَانِ 27

(خ)

خَالِفُو الْمُشْرِكِيْنَ: اَوْفِرُو اللُّحٰی 170
خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ 136
خَيْرُ الْمَجَالِسِ اَوْسَعُهَا 159

(ر)

رُبَّ اَشْعَثَ مَدْفُوْعٍ بِالْاَبْوَابِ 224
رَغِمَ اَنْفُهٗ 23

(س)

سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ 104
سَمُّوْا بِاسْمِیْ 165

(ص)

صَدَقَ اللّٰهُ، وَكَذَبَ بَطْنُ اَخِيْكَ 250

(ع)

عَجَبًا لِاَمْرِ الْمُؤْمِنِ! 69
عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ 19

(ق)

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ اَسْلَمَ 80
قُوْمُوْا لِسَيِّدِكُمْ 147

(ک)

كُلُّ اُمَّتِیْ مُعَافًی اِلَّا الْمُجَاهِرُوْنَ 206
كُنْ فِی الدُّنْيَا كَاَنَّكَ غَرِيْبٌ 227
كُنْتُ اُطَيِّبُ النَّبِیَّ ﷺ 175
كُنْتُ اُرَجِّلُ رَاْسَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ 174

(ل)

لَا تَدْخُلُ الْمَلٰئِكَةُ بَيْتًا 186
لَا تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا 138
لَا تَغْضَبْ 105
لَا تَقُوْمُوْا كَمَا يَقُوْمُ الْاَعَاجِمُ 144

لاعَدْوٰی، وَلا طِیَرَۃَ، 217
لَاَنْ یَّمْتَلِیَٔ جَوْفُ رَجُلٍ قَیْحًا 210
لا یَحِلُّ لِلرَّجُلِ اَنْ یَّهْجُرَ اَخَاهُ 60
لا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِهٖ 123
لا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ 93
لا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ 94
لا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ لَّا یَاْمَنُ جَارُهٗ 32
لا یَدْخُلُ النَّارَ اَحَدٌ فِیْ قَلْبِهٖ 120
لا یَرْحَمُ اللّٰهُ مَنْ لا یَرْحَمُ النَّاسَ 50
لایَزَالُ قَلْبُ الْکَبِیْرِ شَابًّا 190
لا یَسُبُّ اَحَدُکُمُ الدَّهْرَ 129
لا یُقِیْمُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَجْلِسِهٖ 158
لا یَمْشِیْ اَحَدُکُمْ فِیْ نَعْلٍ وَاحِدَةٍ 167
لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ قَبْلَکُمْ 214
لَعَنَ اللّٰهُ الْمُتَشَبِّهِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ 127
لَعَنَ اللّٰهُ الْوَاصِلَةَ 172
لِلْمُؤْمِنِ عَلَی الْمُؤْمِنِ سِتُّ خِصَالٍ 58
لَمَّا نَزَلَتْ بَنُوْ قُرَیْظَةَ عَلٰی حُکْمِ سَعْدٍ 147
لَوْ اَنَّکُمْ تَتَوَکَّلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ 74
لَوْکَانَ لِاِبْنِ اٰدَمَ وَادِیَانِ 228
لَیْسَ الشَّدِیْدُ بِالصُّرْعَةِ 108
لَیْسَ الْغِنٰی عَنْ کَثْرَةِ الْعَرَضِ 187
لَیْسَ الْکَذَّابُ الَّذِیْ یُصْلِحُ بَیْنَ النَّاسِ 87

لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِي 38

(م)

مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ دَاءً 248
مَارَءَيْتُ أَحَدًا كَانَ أَشْبَهَ سَمْتًا 47
مَا رَءَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ مُسْتَجْمِعًا ضَاحِكًا 179
مَا زَالَ جِبْرِيْلُ يُوْصِيْنِي بِالْجَارِ 31
مَنِ ابْتُلِيَ مِنْ هٰذِهِ الْبَنَاتِ بِشَيْءٍ 27
مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَبْسُطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ 36
مَنْ أَحَقُّ بِحُسْنِ صَحَابَتِيْ؟ قَالَ: أُمُّكَ 25
مِنَ الْكَبَائِرِ شَتْمُ الرَّجُلِ وَالِدَيْهِ 103
مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلَاءَ 124
مَنْ رَاٰى مِنْكُمْ مُنْكَرًا 222
مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَتَمَثَّلَ لَهُ الرِّجَالُ قِيَامًا ، 144
مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ 29
مَنْ قَامَ مِنْ مَجْلِسِهِ ، 157
مَنْ كَانَتْ لَهُ مَظْلِمَةٌ لِأَخِيْهِ 117
مَنْ لَبِسَ الْحَرِيْرَ فِي الدُّنْيَا 166
مَنْ يُحْرَمِ الرِّفْقَ يُحْرَمِ الْخَيْرَ 82
مَنْ يَّضْمَنْ لِيْ مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ 180

(ن)

نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنٌ فِيْهِمَا كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ 226

(و)

وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ! لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ 61
وَاللّٰهِ! لَا يُؤْمِنُ 32
وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذَهَبَ يَخْلُقُ كَخَلْقِيْ 247

(ہ)

هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُوْنَ 220

(ی)

يَتْبَعُ الْمَيِّتَ ثَلَاثَةٌ 192
يُجَآءُ بِالرَّجُلِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ 242
يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِىْ سَبْعُوْنَ اَلْفًا بِغَيْرِ حِسَابٍ 77
يُسَلِّمُ الرَّاكِبُ عَلَى الْمَاشِىْ 140
يُفْتَحُ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ 221
يَقُوْلُ الْعَبْدُ: مَالِىْ مَالِىْ 182
يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى: اَلْكِبْرِيَآءُ رِدَآئِىْ 216

فرہنگِ الفاظ

نوٹ: جن اسموں کے شروع میں اَلْ (لام تعریف) آیا ہو اُن کو اُن کے بعد والے حروفِ تہجی میں تلاش کیجیے جیسے الرِّجَالُ کو (ر) میں

(الف)

اٰتِیہِ (ءت ی) میں وہی کرتا تھا

اٰمُرُکُمْ (ءم ر) میں تمہیں حکم دیتا تھا

اُبْتُلِیَ (ب ل و) اُسے آزمایا گیا

اَبْدَءُ (ب دء) میں شروع کرتا ہوں

اَلْاِبِطِ بغل

اَبْعَدُ (ب ع د) بہت دور/ بعید

اَبْلٰی (ب ل ی) اُس نے پرانا کر دیا

اِبْنَتَیْھَا اُس کی دو بیٹیاں

اَبَیْتُمْ (ءب ی) تمہیں ضروری/ ناگزیر ہو

اُتْرُکُوْا (ت ر ک) تم چھوڑ دو

اِتِّقَاءَ (وق ی) بچنا

اَثَرِہٖ اُس کے بعد/ اثرات

اَلْاِثْمُ گناہ

اَجِبْ (ج و ب) تو جواب دے

اَجِدُ (و ج د) میں پاتا ہوں

اَجْلِ وجہ

اَجِیْرًا (ءج ر) مزدور

اَحْسِبُ (ح س ب) میرا خیال/ گمان ہے

اَحْفُوْا (ح ف ی) تم کتراؤ

اَحَقُّ (ح ق ق) زیادہ حق دار

اَحْلُبُ (ح ل ب) میں دودھ دوہتا ہوں

اِحْلِقُوْا (ح ل ق) تم سر منڈاؤ/ حلق کراؤ

اَخٌ (ءخ و) بھائی

اَخَاہُ اُس کا بھائی

اَخْبَثُ (خ ب ث) زیادہ خبیث/ گندا

اُخِذَ (ءخ ذ) لیا گیا/ لیا جائے گا

اَخَّرَ (ءخ ر) اُس نے پیچھے چھوڑا

اَخْنٰی (خ ن ی) بہت برا

اَخُو الْعَشِیْرَۃِ قبیلے کا بھائی

اِخْوَانًا بھائی بھائی

اَخِیْ میرا بھائی

اَدْرَکَ (د ر ک) اُس نے پایا

اَدُلُّکُمْ (د ل ل) میں بتاؤں تم کو

اَدْنَاکَ (د ن ی) تیرا قریبی رشتہ دار

اِذْهَبْ (ذ ہ ب) تو جا

اَلْاَذٰی تکلیف

اُرَجِّلُ (ر ج ل) میں کنگھی کرتی ہوں

اَرُزٍّ چاول

اَرْعٰی (ر ع ی) میں نگرانی کرتا ہوں

اَلْاَرْمِلَةِ بیوہ

اِزَارِیْ میری چادر۔میرا تہبند

اَزْرَعُ (ز ر ع) میں کاشت کاری کرتا ہوں

اَلْاَسَدِ شیر

اِسْتَاْجَرْتُ (ء ج ر) میں نے مزدور رکھا

اِسْتَحْمَلَ (ح م ل) اُس نے سواری مانگی

اِسْتِحْدَادُ (ح د د) اُسترا لینا

اِسْتِطْلَاقًا پیچش/ دست لگنا

اِسْتَطْلَقَ اُسے دست لگ گئے

اُسْتُغْسِلْتُمْ (غ س ل) تم سے غسل کا کہا جائے

اَسُدَّ (س د د) میں ٹھیک کام کرتا ہوں

اِسْقِهِ (س ق ی) تو اُسے پلا

اَسْقِیْ (س ق ی) میں پلاتا ہوں

اَسَكَّ مردہ لاش

اِشْتَكٰی (ش ک و) اُسے تکلیف ہوئی

اَشْعَثَ (ش ع ث) بکھرے بالوں والا

اَصَابِعَ انگلیاں (واحد اِصْبَعٌ)

اَصْدَقُ (ص د ق) زیادہ سچا

اِضَاعَةَ (ض ی ع) ضائع کرنا

اَضْمَنُ (ض م ن) میں ضمانت دیتا ہوں

اَطْبَقَتْ (ط ب ق) اُس نے ڈھانپ لیا

اَطْیَبُ (ط ی ب) زیادہ اچھی/ بہترین

اُطَیِّبُ (ط ی ب) میں خوشبو لگاتی ہوں

اَلْاَعَاجِمُ (ع ج م) عجمی لوگ

اَعْجَبَتْهُ (ع ج ب) اس نے تکبر میں ڈالا اُس کو

اُعْطِیَ (ع ط ی) اُسے دیا جائے

اِعْفُوْا (ع ف و) تم چھوڑ دو

اِغْتَبْتَ (غ ی ب) تو نے غیبت کی

اَغْیَظُ (غ ی ظ) زیادہ غصے والا

اَفْنٰی (ف ن ی) اُس نے فنا/ برباد کر دیا

اَفْشُوْا (ف ش) تم پھیلاو

اَقْسَمَ (ق س م) اُس نے قسم کھائی

اَقْسِمُ (ق س م) میں تقسیم کرتا ہوں

اَكْذَبُ (ک ذ ب) زیادہ جھوٹا

اَلْفًا ایک ہزار

اَمْسَیْتُ (م س ی) میں نے شام کر دی

اَلْاَمَلُ اُمید۔تمنا

اَمْلَأُ (م ل ء) میں بھرتا ہوں
اَمْلَاكٌ بادشاہ (واحد مَلِكٌ)
اَمْلِكُ (م ل ک) میں اختیار رکھتا ہوں/ مالک ہوتا ہوں
اَنَا میں
اَلْاِنَاةُ (ن ہ ی) غور و فکر کرنا۔ عقل مندی
اِنْبَسَطَ (ب س ط) وہ پھیل گیا/ بڑھ گیا
اِنْبَسَطَتْ (ب س ط) وہ زیادہ ہوگئی
اِنْتَقَشَ (ن ق ش) اُس نے کانٹا نکال دیا
اِنْتَكَسَ (ن ک س) وہ اُلٹ گیا/ دوبارہ بیمار ہوگیا
اِنْحَطَّتْ وہ گری
اُنْصُرْ (ن ص ر) تو مدد کر
اَنْظِرُوْا (ن ظ ر) تم مہلت دو
اَنْفَهُ ناک اُس کی
اَنْهَاكُمْ (ن ہ ی) میں تمہیں روکتا ہوں
اَنْهِكُوْا (ن ہ ک) تم اچھی طرح کترا ؤ
اَوْسَعُ (و س ع) زیادہ وسیع/ کھلی
اَوْصِنِیْ (و ص ی) تو مجھے وصیت کر/ نصیحت کر
اَوْفِرُوْا (و ف ر) تم چھوڑ دو
اُوْقِظُهُمَا (ی ق ظ) میں دونوں کو جگاتا ہوں
اَلْاُوْلٰی پہلی
اُهْجُ (ہ ج و) تو ہجو/ مذمت کر
اَهْزَءُ (ہ ز و) میں مذاق کرتا ہوں
اَهْوَنُ (ہ و ن) زیادہ حقیر/ آسان
اِئْذَنُوْا (ء ذ ن) تم اذن/ اجازت دو
اَیِّدْهُ (ء ی د) تو اُس کی تائید/ مدد کرے
اَیُّكُمْ کون تم میں سے

(ب)

بَالًا دھیان۔ توجہ۔ اہمیت
بُدٌّ ضرفری۔ ناگزیر
بَدَءْتُ (ب د ء) میں نے شروع کیا
اَلْبِرُّ (ب ر ر) نیکی
بِرَحَاهُ (ر ح ی) اُس کی چکی کے ساتھ
بُرْدَیْنِ (ب ر د) دو چادریں
بِطَانًا (ب ط ن) پیٹ بھرتے ہوئے
بِطَانَةُ (ب ط ن) کپڑے کا استر۔ بھیدی
بَطَرَ چھپانا
بَطْنٌ (پیٹ)
اَلْبَنَاتِ بیٹیاں
بَوَائِقَهُ (ب و ق) مصیبتیں/ تکلیفیں اُس کی
بَهَتَّهُ (ب ہ ت) تو نے اُس پر بہتان لگایا/ تہمت لگائی

(ت)

تَابَ (ت و ب) اُس نے توبہ کی
تَاْمُرُنَا (ء م ر) تم ہمیں حکم دیتا تھا

تَبِعْتُمُوْهُمْ (ت ب ع) تم پیچھے چلو گے اُن کے
تَبْلُغَا (ب ل غ) وہ دونوں بالغ ہوئیں
اَلتَّثَاؤُبَ (ث ء ب) جمائی لینا
تَثَاءَ بَ (ث ء ب) اُس نے جمائی لی
تَجِدُوْنَ (و ج د) تم پاؤ گے
تَجَسَّسُوْا (ج س س) تم جاسوسی کرو
تَحَابَبْتُمْ (ح ب ب) تم نے آپس میں محبت کی
تَحَابُّوْا (ح ب ب) تم آپس میں محبت کرو
تَحَسَّسُوْا (ح س س) تم ٹوہ لگاؤ
تَحِيَّةَ (ح ی ی) دعا۔سلام
تَخْتَلِطُوْا (خ ل ط) تم مل جاؤ
تَدَاعٰی (د ع و) مبتلا ہونا/ بلاوا ہونا
تَدْرُوْنَ (د ر ی) تم جانتے ہو
اَلتُّرَابَ مٹی
تَرَاحُمِ (ر ح م) ایک دوسرے پر رحم کرنا
تَرُوْحُ (ر و ح) وہ شام کو آتے ہیں
تَسْتَحْيِ (ح ی ی) تو حیا/ شرم کرے
تُطْعِمُ (ط ع م) تو کھلائے
تَطَلَّقَتْ (ط ل ق) وہ چلی گئی
تَعَاطُفِ (ع ط ف) ایک دوسرے پر شفقت کرنا
تَعْرِفُ (ع ر ف) تو پہچانتا ہے
تَعِسَ وہ برباد ہو/ ہوا
تَغْدُوْ (غ د و) وہ صبح کو نکلتے ہیں
تَغْضَبُ (غ ض ب) تو غصہ کرے

تَفِرُّ (ف ر ر) تو بھاگتا ہے
تَفَرَّغْ (ف ر غ) تو فارغ ہو جا
تَفَسَّحُوْا (ف س ح) تم کھل کر بیٹھو
تُقَبِّلُوْنَ (ق ب ل) تم بوسہ لیتے ہو
تُقْرِءُ (ق ر ء) تو پڑھے
تَقْلِيْمُ (ق ل م) قلم کرنا۔کاٹنا
تَقُوْمُوْا (ق و م) تم کھڑے ہو جاؤ
تَلِدُ (و ل د) وہ جنم دیتی ہے
تَكَادُ (ک و د) تو قریب ہوتا ہے
تَكْنُوْا (ک ن ی) تم کنیت رکھو
تَمْنَعُهُ (م ن ع) تو منع کرے اُس کو
تَنَافَسُوْا (ن ف س) تم رغبت کرو
تَوَادِّ (و د د) ایک دوسرے سے محبت کرنا
تَوَاضَعُوْا (و ض ع) تم تواضع اختیار کرو
تَوَسَّعُوْا (و س ع) تم جگہ دو/کھل کر بیٹھو
تَهْزَءُ (ہ ز و) تو مذاق کرتا ہے

(ث)

ثَالِثًا تیسرا

(ج)

جَارُهُ (ج و ر) ہمسایہ/ پڑوسی اُس کا
جَارِيَتَيْنِ (ج ر ی) دو لڑکیاں
جَدْيِ بکری کا بچہ
جَرَّ (ج ر ر) وہ چلا۔اُس نے پہنا
اَلْجُلُوْسُ (ج ل س) بیٹھنا

جَمِيْلَةٌ (ج م ل) خوبصورت عورت

جَوْفُ پیٹ

(ح)

حَاكَ (ح وک) وہ کھٹکے تجھے

حَبَّةٍ (ح ب ب) دانہ

حَدَّثْتُ (ح د ث) میں نے بات بتائی

اَلْحَرَاسَةَ (ح ر س) حفاظت۔ پہرہ

اَلْحَرِيْرَ ریشم

حُسْنَ اچھا

حِلَابِ (ح ل ب) دودھ

حَلَبْتُ (ح ل ب) میں نے دودھ دوہا

حُلِقَ سر منڈایا گیا

اَلْحِلْمُ تحمل۔ برداشت۔ دانائی

حُمِلَ عَلَيْهِ اُس پر لادا جائے گا

حُمّٰى بخار

(خ)

اَلْخَاتَمَ مہر

خَالِفُوْا (خ ل ف) تم خلاف کرو

اَلْخِتَانِ ختنہ

خَرْدَلٍ رائی/ رائی کا دانہ

خُسِفَ اُسے زمین میں دھنسا دیا گیا

خِصَالٍ (خ ص ل) خصلتیں۔حقوق (واحد خَصْلَةٌ)

خَلَا سوائے

خِمَاصًا (خ م ص) خالی پیٹ

اَلْخَمِيْصَةَ ریشمی دوشالہ/ کپڑا

خِيَارُكُمْ (خ ی ر) تم میں سے بہتر

خُيَلَاءَ (خ ی ل) تکبر۔ غرور

(د)

دَاْبِيْ میری حالت/ طریقہ/ عادت

دَاءٌ بیماری

دَعْهُ (د ع و) تو چھوڑ دے اُس کو

دَلًّا (د ل ل) رہنمائی/ کا انداز

دَنَا (د ن ی) وہ قریب ہوا

دُوْنَ سوائے

(ذ)

ذَاهِبٌ (ذ ہ ب) جانے والا

ذَا الْوَجْهَيْنِ دو چہرے/ منہ والا۔ منافق

ذِرَاعًا بازو۔ ہاتھ

(ر)

رَاحِلَةً (ر ح ل) سواری/ سواری کا جانور

اَلرَّاكِبُ (ر ک ب) سوار

رِجْلَيْهِ (ر ج ل) اُس کی دو ٹانگیں

رُحْتُ (ر و ح) میں شام کو واپس آتا

رِدَائِيْ چادر میری

رَدٌّ (ر د د) لوٹانا

رَدَّدَ (ر د د) لوٹانا

رِضْوَانَ (رض ی) رضامندی
رَغِمَ وہ خاک آلود ہوا
اَلرِّفْقَ نرمی۔نرم مزاجی
رَهْطٌ گروہ۔جماعت
اَلرُّءْیَا خواب

(س)

سَابَقَ (س ب ق) وہ آگے بڑھا
اَلسَّاعِیْ (س ع ی) کوشش کرنے والا
اَلسَّاقَة دستہ۔لشکر کا پچھلا حصہ
اَلسَّامُ موت
سَائِرُ تمام۔سارا
سِبَابُ (س ب ب) گالی دینا
سَبَقَتْ (س ب ق) وہ آگے بڑھی
سَتَرَ اُس نے پردہ پوشی کی
سَخِطَ غصہ۔وہ ناراض ہوا
سَرَّاءُ خوشی
سَفَكَ اُس نے خون بہایا
سَلَّمَ (س م ل) اُس نے سلام کیا
سَمْتًا انداز۔طورطریقہ
سَمُّوْا (س م ی) تم نام رکھو
سُنَنَ (س ن ن) طریقے (واحد سُنَّةٌ)
اَلسَّهَرُ رات کا جاگنا
سَيُوَرِّثُهُ (ورث) عنقریب وہ اُسے وارث بنائے گا

(ش)

اَلشَّارِبِ مونچھ
شَبَّكَ (ش ب ک) اُس نے ایک دوسرے کے ساتھ ملایا
شَتَمَ اُس نے گالی دی
شَحْنَاء (ش ح ن) ناراضی۔رنجش
اَلشَّدِیدُ سخت۔بھاری۔طاقت ور
شَعِیْرَة جو۔جو کا دانہ
شُغُلًا مشغول۔مصروف
اَلشَّوَارِبَ مونچھیں
شِیْكَ (ش و ک) اُسے کانٹا چبھ گیا

(ص)

صِبْیَةٌ (ص ب ی) بچے
اَلصِّبْیَانَ (ص ب ی) بچے
صَحَابَتِیْ (ص ح ب) میرا سلوک
صَخْرَةٌ چٹان۔تودہ۔پتھر
صَدِیْقَة (ص د ق) دوست اُس کا
اَلصُّرْعَةِ کشتی۔پچھاڑنا
صِغَارٌ (ص غ ر) چھوٹے بچے
صَفَرُ صفر کا مہینہ

(ض)

ضَاحِكًا (ض ح ک) ہنستا ہوا
ضَرَّاءُ (ض ر ر) تکلیف

ضَمَّ (ض م م) اُس نے ملایا

(ط)

طَالَ (ط و ل) وہ لمبا ہوگیا

طِیَرَۃ (ط ی ر) بدشگونی

(ظ)

طَحَنَ اُس نے آٹا پیسا

طُرِحَ وہ ڈالا گیا

طُرِحَتْ وہ ڈالی گئی

اَلطُّرُقَاتِ (ط ر ق) راستے

ظُلُمَاتِ (ظ ل م) اندھیرے

ظَنَنْتُ (ظ ن ن) میں نے سمجھا/ خیال کیا

(ع)

عَابِرُ (ع ب ر) عبور کرنے/ چلنے والا

عَاصِیَۃ (ع ص ی) گناہ گار عورت

عَالَ (ع و ل) اُس نے پرورش کی

عَاهَدْتَنِیْ (ع ہ د) تو نے مجھ سے عہد لیا

عَائِلٌ (ع ی ل) محتاج۔مسکین

عَبْدٌ بندہ۔غلام

عُدَّ (ع د د) تو گن/ شمار کر

عَدْوٰی (ع د و) متعدی ہونا/ چھوت کی بیماری

اَلْعَرَضِ ساز وسامان

عِرْضِہٖ عزت اُس کی

عَرَفْتَ (ع ر ف) تو نے پہچانا

عَسَلًا شہد

اَلْعُطَاسُ چھینک

عَطَسَ اُس نے چھینک ماری

عُقُوْقُ (ع ق ق) نافرمانی

عِنَانِ بلندی

اَلْعَیْنُ نظر لگنا۔آنکھ۔چشمہ

(غ)

غَرِیْبٌ (غ ر ب) مسافر

غَضٌّ (غ ض ض) نیچے/ پست رکھنا

غَمْطُ حقیر سمجھنا

اَلْغِیْبَۃَ (غ ی ب) غائب/ دور رہنا

(ف)

فَاحْثُوْا (ح ث ی) پس تم مٹی ڈالو

فَاصْنَعْ (ص ن ع) پس تو کر/ بنا

فَافْرُجْ (ف ر ج) پس تو کھول دے

فَاقْتَنٰی (ق ن ی) پھر اُس نے ذخیرہ کیا

فَبَرَءَ پھر وہ ٹھیک ہوگیا

فَتَنْدَلِقَ (د ل ق) پھر وہ آگے بڑھتا ہے/ ظاہر ہوتا ہے

فُجُوْرِ گناہ

فُحْشَ گندی باتیں کرنا

فَحَّاشاً فحش گو/ گندی باتیں کرنے والا

فَدَقَقْتُ (د ق ق) پھر میں نے دروازہ کھٹکھٹایا

فِرَّ (ف ر ر) تو بھاگ

اَلْفَرَاغُ (ف ر غ) فرصت

فَرَّجَ (ف ر ج) اُس نے کھلا رکھا/کھولا

فُرْجَةً (ف ر ج) کشادگی۔کھولنا

فَرَقٌ ناپ تول کا ایک پیمانہ۔جو 16 رطل (8 کلو قریباً) وزن کے برابر ہوتا ہے۔

فَسَقَاهُ (س ق ی) پھر اُسے پلایا

فَسَمَّاهَا (س م ی) پھر اُس کا نام رکھا

فُسُوْقٌ (ف س ق) گناہ۔نافرمانی

فَقُمْنَا (ق و م) پھر ہم کھڑے ہوئے

فَلْيَتَبَوَّءْ (ب و ء) پس چاہیے وہ ٹھکانہ بنالے

فَلْيَحُلَّهُ (ح ل ل) پس چاہیے وہ صاف کرلے

فَلْيَصِلْ (و ص ل) پس چاہیے وہ صلہ رحمی کرے

فَلْيُغَيِّرْهُ (غ ی ر) پس چاہیے وہ اُسے بدل دے

فَمٌ منہ۔دہانہ

فَنِيَتْ (ف ن ی) وہ ختم ہوگئی

(ق)

اَلْقَاعِدَ (ق ع د) بیٹھنے والا/ بیٹھا ہوا

قَبَّلَ (ق ب ل) اُس نے بوسہ لیا

قَبَّلْتُ (ق ب ل) میں نے بوسہ لیا

قَتَّاتٌ (ق ت ت) چغل خور

قَدَّمَ (ق د م) اُس نے آگے بھیجا

قَذَفَ اُس نے تہمت لگائی

قَذَفْتُهُ (ق ذ ف) میں اُسے پھینکوں گا

قَسَمَتْ (ق س م) اُس عورت نے تقسیم کردی

قَصٌّ (ق ص ص) کترنا۔کاٹنا

قَنَّعَ (ق ن ع) اُس نے قناعت کی

قِيَامًا (ق و م) کھڑے (واحد قَائِمٌ)

قَيْحًا قے۔اُلٹی

(ک)

كَافِلِ (ک ف ل) کفالت/ پرورش کرنے والا

اَلْكَبَائِرِ (ک ب ر) کبیرہ گناہ (واحد كَبِيْرَةٌ)

كِبْرٌ تکبر۔غرور

اَلْكِبَرِ بڑھاپا

اَلْكِبْرِيَاءُ (ک ب ر) بڑائی۔عظمت

كَذَّابًا (ک ذ ب) بڑا جھوٹا

كُرُبَاتِ (ک ر ب) تکلیفیں۔پریشانیاں

كُرْبَةً (ک ر ب) تکلیف۔پریشانی

كَرِهَ اُس نے ناپسند کیا

كَرِهْتَ (ک ر ہ) تو ناپسند کرے

كَفٌّ ہاتھ روکنا

كَفَافًا (ک ف ف) گزارہ۔گزراوقات

كِلَاهُمَا وہ دونوں

كَلْبٌ کتا

كُنْيَتِيْ میری کنیت

(ل)

لَاَبَرَّهٗ (ب ر ر) ضرور وہ اُسے پورا کر دے

لَابْتَغِي (ب غ ی) ضرور وہ تلاش کرے گا

لَبِسَ اُس نے پہنا

لَتَتَّبِعُنَّ (ت ب ع) ضرور تم پیچھے چلو گے

اَللُّحٰی داڑھیاں

لِحْيَتِهٖ داڑھی اُس کی

لَحْيَيْهِ اُس کے دو جبڑے

لَهَوَاتِهٖ اُس کے حلق کا کوا

لِيَالٍ (ل ی ل) راتیں (لَيْلٌ واحد)

لَيَتَكَلَّمَ (ک ل م) وہ ضرور کلام/ بات کرتا ہے

لِيُحْفِهِمَا (ح ف ی) چاہیے کہ وہ دونوں

لَيُمْلِيْ (م ل ی) وہ ضرور مہلت دیتا ہے

لِيُنْعِلْهَا (ن ع ل) چاہیے وہ پہنے اُس (جوتے) کو

(م)

مَا زَالَ ہمیشہ

اَلْمَاشِيْ (م ش ی) پیدل چلنے والا

مَالُوْا (م ی ل) وہ جھکے/ مڑے

مَا يَزَالُ (ز و ل) ہمیشہ

اَلْمُتَشَبِّهَاتِ (ش ب ہ) مشابہت اختیار کرنے والیاں

اَلْمُتَشَبِّهِيْنَ (ش ب ہ) مشابہت اختیار کرنے والے

مُتَّكِئًا (و ک ء) ٹیک لگائے ہوئے

اَلْمُتَنَطِّعُوْنَ (ن ط ع) بال کی کھال اُتارنے والے۔ وقت پسند لوگ

مَتٰى کب

اَلْمَجْذُوْمُ (ج ذ م) جذام مرض کا مریض

اَلْمَدَّاحِيْنَ (م د ح) خوشامد کرنے والے

مَدْفُوْعٌ (د ف ع) دور ہٹایا گیا

مِرَارًا کئی بار/ مرتبہ

مُسْتَجْمِعًا (ج م ع) کھلکھلا کر

اَلْمُسْتَوْشِمَةَ (و ش م) ہاتھ پر سُوئی سے نقش و نگار گندوانے والی اور پھر اُس میں نیل بھروانے والی

اَلْمُسْتَوْصِلَةَ (و ص ل) بالوں میں جوڑ لگوانے والی

اَلْمَطَرُ بارش

مَظْلِمَةٌ (ظ ل م) ظلم۔ زیادتی

مُغْبَرَّةٌ (غ ب ر) غبار آلود۔ گرد و غبار والا

مَغْبُوْنٌ (غ ب ن) غافل۔ بے پروا

اَلْمُفْلِسُ (ف ل س) غریب۔ محتاج

اَلْمُكَافِئُ (ک ف ی) برابری کرنے والا۔ بدلہ دینے والا

مَلَأْتُ (م ل ء) میں نے بھر دیا۔ میں نے ڈھیل دی

مَنَعَ بخل

مُنْكَرًا (ن ک ر) برائی

(ن)

نَأَى (ن ء ی) وہ دور ہوا

نَازَعَنِيْ (ن ز ع) وہ چھین لے مجھ سے

نَاقَةِ اونٹنی

نَامَا (ن و م) وہ دونوں سو گئے

نَتَحَدَّثُ (ح د ث) ہم باتیں کرتے ہیں

نَتْفُ بال اُکھیڑنا

نَجِدُ (و ج د) ہم پاتے ہیں

نُحِبُّ (ح ب ب) ہم پسند کرتے ہیں

نَزَعَ اُس نے کھینچا/ وسوسہ ڈالا

نَعْلُ جوتا

نُقَبِّلُ (ق ب ل) ہم بوسہ لیتے ہیں

نَمَّامٌ (ن م م) چغل خور

نَنْهَانَا (ن ہ ی) اُس نے ہمیں روکا/منع کیا

اَلنُّوْقُ اونٹنیاں (واحد نَاقَةٌ)

(و)

وَأْدَ (و ء د) زندہ دفن کرنا

وَادِيَانِ دو وادیاں/ میدان

اَلْوَاشِمَةَ بال گوندھنے والی

اَلْوَاصِلُ (و ص ل) ملانے والا۔ صلہ رحمی کرنے والا

اَلْوَاصِلَةُ (و ص ل) بالوں میں جوڑ لگانے والی

وَبِيْصَ چمک

اَلْوُسْطٰی درمیانی اُنگلی

وَصَلَ اُس نے ملایا۔ وہ پہنچا

(ہ)

هَامَةَ اُلو

هَدْيًا رہنمائی کا انداز

هٰذَيْنِ یہ دونوں

هَلَكَ وہ ہلاک/ برباد ہوا

هٰهُنَا یہاں

(ی)

يَأْمَنُ (ء م ن) وہ امن میں ہوتا ہے

يَبْدَءُ (ب د ء) وہ ابتدا/شروع کرتا ہے

يُبْسَطُ (ب س ط) وہ پھیلایا جاتا ہے۔ اضافہ کیا جاتا ہے

يَبْغِيْ (ب غ ی) وہ بغاوت/ سرکشی کرتا ہے

يَتَبَخْتَرُ (ب خ ت ر) وہ اکڑ کر چلتا ہے

يَتَبَسَّمُ (ب س م) وہ مسکراتا ہے

يَتْبَعُ (ت ب ع) وہ پیچھے جاتا ہے

يَتَجَلْجَلُ (ج ل ج ل) وہ دھنستا جاتا ہے

يَتَطَيَّرُوْنَ (ط ی ر) وہ بدشگونی لیتے ہیں

يَتَضَاغَوْنَ (ض غ ی) وہ بلک رہے ہیں

يَتَمَاشُوْنَ (م ش ی) وہ چلتے تھے
يَتَمَثَّلُ (م ث ل) وہ سامنے کھڑا ہوتا ہے
يَتَنَاجٰی (ن ج و) وہ سرگوشی کرے
يَتُوْبُ (ت و ب) وہ توبہ کرتا/ قبول کرتا ہے
يُجَاءُ (ج ی ء) اُسے لایا جائے گا
يَجْتَمِعُ (ج م ع) وہ جمع ہوتا ہے
يُحْرَمُ (ح ر م) اُسے محروم رکھا گیا
يَحْزُنَ (ح ز ن) وہ غمگین کرتا ہے
يَحْقِرُ (ح ق ر) وہ حقیر سمجھتا ہے
يَحِلُّ (ح ل ل) وہ جائز/ حلال ہوتا ہے
يُحَيُّوْنَ (ح ی ی) وہ سلام کرتے ہیں
يَخْذُلُ (خ ذ ل) وہ بے سہارا چھوڑتا ہے
يَرْحَمُ (ر ح م) وہ رحم کرتا ہے
يُرْحَمُ (ر ح م) اُس پر رحم کیا جاتا ہے
يَرُدَّ (ر د د) اُس نے لوٹایا
يَرْفَعُ (ر ف ع) وہ بلند کرتا ہے
يَزِدْ (ز ی د) وہ زیادہ ہوتا ہے
يَسْتَرْقُوْنَ (ر ق ی) وہ جھاڑ پھونک کرتے ہیں
يُسَلِّمُ (س ل م) وہ سلام کرے
يُسْلِمُهٗ (س ل م) وہ اُسے بے سہارا چھوڑتا ہے
يُسَمّٰی (س م و ۔ س م ی) اُس کا نام ہے
يَشْتِمُ (ش ت م) وہ گالی دیتا ہے
يَشُدُّ (ش د د) وہ مضبوط کرتا ہے

يُشَفَّعُ (ش ف ع) اُس کی شفاعت/ سفارش کی جاتی ہے
يُشَمِّتُ (ش م ت) وہ چھینک کا جواب دیتا ہے
يُشِيْرُ (ش و ر) وہ اشارہ کرتا ہے
يُصَافِحُ (ص ف ح) وہ مصافحہ کرتا ہے
يَصْدُقُ (ص د ق) وہ سچ بولتا ہے
يَصْطَلِحَا (ص ل ح) وہ دونوں صلح کرلیں
يُصْلِحُ (ص ل ح) وہ اصلاح کرتا ہے ۔ وہ صلح کراتا ہے
يَضْمَنُ (ض م ن) وہ ضمانت دے
يَطْحَنُ (ط ح ن) وہ پیستا ہے
يَطْرُقِ (ط ر ق) وہ دروازہ کھٹکھٹائے
يَطَّلِعُ (ط ل ع) وہ جھانکتا ہے
يُعْرِضُ (ع ر ض) وہ منہ پھیر لیتا ہے
يُعْطَ (ع ط ی) اُسے دیا جائے
يَعِظُ (و ع ظ) وہ نصیحت کرتا ہے
يُعَظِّمُ (ع ظ م) وہ تعظیم کرتا ہے
يَعُوْدُ (ع و د) وہ عیادت/ بیمار پرسی کرتا ہے
يُفْتَحُ (ف ت ح) وہ کھولا جاتا ہے
يَفْتَرُوْنَ (ف ر ی) وہ جھوٹ گھڑتے ہیں
يَفْخَرُ (ف خ ر) وہ فخر کرتا ہے
يُفَرِّجُ (ف ر ج) وہ کھول دے
يُفْطِرُ (ف ط ر) وہ روزہ افطار کرتا ہے/ وہ روزہ

نہیں رکھتا ہے

يُفْلِتُهُ (ف ل ت) وہ اُسے چھوڑتا ہے

يُقَبِّلُ (ق ب ل) وہ بوسہ لیتا ہے

يَقُوْمُ (ق و م) وہ کھڑا ہوتا ہے

يُقِيْمُ (ق و م) وہ اُٹھائے/کھڑا کرے

يَلْبَسُهُ (ل ب س) وہ پہنے گا اُس کو

يَلْتَزِمُ (ل ز م) وہ لپٹتا ہے

يُلْقٰى (ل ق ی) اُسے ڈالا جائے گا

يُلْقِيْ (ل ق ی) وہ ڈالتا ہے

يَمْتَلِئُ (م ل ء) وہ بھرتا ہے

يَمْشِيْ (م ش ی) وہ چلتا ہے

يَمْلَأُ (م ل ء) وہ بھرتا ہے

يَمْلِكُ (م ل ک) وہ قابو میں رکھتا ہے

يَنْحَنِيْ (ح ن ی) وہ جھکتا ہے

يُنْسَأَ لَهٗ (ن س ء) وہ دیر تک رہتا ہے

يَنْمِيْ (ن م ی) وہ بڑھتا/پرورش کرتا ہے

يُوْصِيْنِيْ (و ص ی) وہ مجھے تاکید/نصیحت کرتا ہے

يَوْمُ الْاِثْنَيْنِ پیر/سوموار کا دن

يَوْمُ الْخَمِيْسِ جمعرات کا دن

يَهْجُرُ (ہ ج ر) وہ جدا/الگ رہے

يَهْوِيْ (ہ و ی) وہ گرتا ہے

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (سورۃ الحشر)

"اور رسول (ﷺ) تمہیں جو کچھ دے وہ لے لو اور جس چیز سے تمہیں روکے اس سے رک جاؤ"

مشکوٰۃ الحدیث

علم حدیث کے شائقین کے لئے صحیح احادیث کا ایک جدید جامع مجموعہ

"مشکوٰۃ المصابیح" کی منتخب صحیح احادیث کا آسان اردو ترجمہ و تشریح، اُن کا قرآن مجید سے ربط، مفصل مقدمہ، اشاریہ، فرہنگِ الفاظ، صحاحِ ستہ کا تعارف اور راویانِ حدیث کے مختصر حالاتِ زندگی شامل ہیں

جلد چہارم اخلاقیات

پروفیسر مولانا محمد رفیق مدظلہ العالی